

کلیاتِ اقبال اُردو

کلیاتِ اقبال

Privacy Policy: All poetry of Dr. Muhammad Iqbal is in Public Domain. Dr. Iqbal never copyrighted any of his verses, and these have been published by several publishers since 100+ years. The eBooks below can be repproduced, published or shared without any permissioned.
www.thesufi.com.

اقبالؔ

الفقه المبرور

۳
کلیات اقبال
ج

لوح بھی تو ملے بھی تو تیرا وجود الکتاب
گنبدِ آبلینہ زنگ تیرے محیط میں حباب !

عالمِ آب و خاک میں تیرے طہور سے فروغ
فدۂ رنگ کو دیا تو نے طلوعِ آفتاب !
شکستِ سحر و سلیم تیرے جہدِ دل کی مسود !
فقرِ جنید و بایزید تیرا جمال ہے نقاب !

شوقِ ترا اگر نہ ہو میری نماز کا امام
میرا نیام بھی حجاب میرا سجدہ بھی حجاب !
تیری نگاہِ ناز سے دونوں مراد پا گئے
عقلِ غیبِ جستجو عشقِ حضورِ افلاک !

مہرِ امان

میں نے کبھی اپنے آپ کو شاعر نہیں سمجھا.....

فَن شاعری سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں رہی، ہاں بعض
مقابلہ خاص رکھتا ہوں جن کے بیان کے لیے حالات و
روایات کی رُو سے میں نے نظم کا طریقہ اختیار کر لیا ہے ورنہ

نہ بیسی خیر ازاں مردِ فردوست
کہ برمن تہمتِ شعرو سخن بست

اقبالؔ

خراج عقیدت

کلیاتِ اقبال

ز

”شعرا تو ام میں با نپید کرتے ہیں۔ ملٹن،
 شکسپیئر، بائرن، غمبیر نے قوم کی بے بہا خدمت کر
 ہے۔ کارلائل نے شکسپیئر کو عظمت کا ذکر کرتے ہوئے
 ایک انگریز کا ذکر کیا ہے۔ اُسے جب شکسپیئر اور
 دولتِ برطانیہ میں سے کسی ایک کو منتخب کرنے
 کا اختیار دیا گیا تو اُس نے کہا ”میر شکسپیئر کو
 کسی قیمت پر نہ دوں گا“ اگو میرے پاس سلطنت
 نہیں ہے، لیکن اگر سلطنت مل جائے اور اقبال ؎ اور
 سلطنت میں سے کسی ایک کو منتخب کرنے کی
 نوبت آئے تو میں اقبال ؎ کو منتخب کروں گا۔“

قائد اعظم ؎

۸
کلیاتِ اقبال

ح

”اقبال کے لئے ادنیٰ شخصیت عالمگیر ہے۔ وہ بڑے
 ادیب بلند پایہ شاعر اور مفکر اعظم تھے لیکن اس حقیقت
 کو میں سمجھتا ہوں کہ وہ ایک بہت بڑے سیاستدان
 بھی تھے..... مرحوم دورِ حاضر میں اسلام کے
 بہترین شارح تھے کیونکہ اس زمانے میں اقبال
 سے بہت اسلام کو کسی نے نہیں سمجھا۔ مجھے اس
 امر کا فخر حاصل ہے کہ ان کے قیادت میں ایک
 سپاہی کے حثیت سے کام کرنے کا مجھے موقع
 مل چکا ہے۔ میں نے ان سے یادہ و فنلوار
 نبوت اور اسلام کا شیدائی نہیں دیکھا۔“

قائد اعظم

”اقبال کی شاعری نے نوجوان مسلمانوں میں بیداری پیدا کر دی ہے اور بعض نے
یہاں تک کہہ دیا ہے کہ جس بیجا کا انتظار تھا وہ آ گیا ہے۔“

(نیکسن)

”ہندوستان میں حرکتِ تجدید نے اپنا ممتاز ترین ظہور سر محمد اقبال کی
شاعری میں حاصل کیا ہے۔“

(سر طر بس آرنلڈ، برطانیہ)

”شاید یہ بہت کم لوگوں کو معلوم ہو کہ ڈاکٹر اقبال مرحوم ایک صوفی خاندان
میں پیدا ہوئے تھے۔ اُن کے والد مرحوم ایک خوش اوقات صوفی صوفی تھے
اور اُن کے ہاں آنے والے دوستوں کا مذاق بھی یہی تھا اور اسی ماحول میں اقبالؒ
کی پرورش ہوئی۔“

(سید سلیمان ندوی، پاکستان)

”در ویدہ معنی نگہباں حضرت اقبالؒ
پیغمبرِ تہیہ کرو و پیغمبرِ تنواں گفت“

(مولانا غلام قادر کرامی)

”ہندوستان کے اردو دانوں کی زبان پر آج کل اقبالؒ کا ہی چرچا ہے۔“
(قاضی نذیر الاسلام، بنگلہ دیش)

”محمد اقبالؒ ہمارے عہد میں اسلامی فکر اور انسانی و بین المللی اسلامی بصیرت کے منظر ہیں۔“

”میں جب بھی اقبالؒ کے بارے میں سوچتا ہوں، میں اُن کو علیؑ کو نہ (علیؑ نما) پاتا ہوں یعنی ایک ایسا انسان جو علیؑ کی سنت کا پیرو ہے، لیکن وہ انسان بیسویں صدی کی انسانی استعداد کے کیف و کم کا بھی مستل نمونہ ہے۔“

(ڈاکٹر علی شریعتی، ایران)

”بیدے گرفت اقبالؒ رسید
بیدلاں را نوبت حالے رسید
قرن حاضر حاصتہ اقبالؒ گشت
واحدے کو صد ہزاراں برگزشت
این سلائے می فرستم سوئے یار
بے ریاتر از نسیم ثوبہ سار

(ملک الشعراء بہار، ایران)

”اقبالؒ ہمارے لیے مسیحا بن کر آیا ہے اور اُس نے مُردوں میں زندگی کی لہر دوڑادی ہے۔“

(شمس العلماء ڈاکٹر عبدالرحمن بجنوری)

”وہ باوجود اتنا بڑا مشہور شاعر ہونے کے شاعر نہیں ہے بلکہ اپنے
پیام سے امتِ نبوت کی جانشینی کا حق ادا کر رہا ہے۔ مبارک ہیں وہ ہستیاں
جو اقبال شناس ہو جائیں!“

(مولانا عبد الماجد دریا آبادیؒ)

”شاعری میں مابعد الطبیعیاتی صداقتوں کے معیار پر اگر آج کے اپنے شعراء
کی پرکھ کی جلتے تو مجھے صرف ایک ہی زندہ شاعر نظر آتا ہے جو کم عیار ثابت نہ
ہوگا اور یہ بھی طے ہے کہ وہ ہمارے عقیدے اور نسل کا شاعر بھی نہیں ہے، میری
مراد محسن اقبال سے ہے۔“

(سرہربٹ ریڈ، ۱۹۲۱ء)

۱۲
کلیاتِ اقبال

”اقبالؒ کی شاعری کی خاص غایت تھی۔ مولانا حالیؒ کی طرح اقبالؒ نے
بھی اپنی شاعری سے قوم اور ملک کو جگانے اور رہنمائی کا کام لیا۔ یہ اُس کے
خیال اور فکر کی قوت اور جدت تھی جس نے اُس کے کلام اور طرزِ بیان میں
زور اور جوش پیدا کر دیا۔“

(بابائے اردو ڈاکٹر مولوی عبدالحق)

”علامہ اقبالؒ کا شمار بیسویں صدی کے عظیم ترین شعراء اور مفکرین میں کیا جاتا
ہے۔ اُن کی حیات ہی میں انھیں شاعرِ مشرق کہا جانے لگا۔“

(نکولائی گلیبوف، روس)

”اقبالؑ — ایک شاعر، جس نے زمانے پر اپنا سکہ بٹھا دیا۔“
(ڈاکٹر طرطہ احسین، برص)

”صرف سرزمینِ پاکستان کے لیے نہیں بلکہ ساتھ ہی ساتھ آزادیِ وطن پرستی اور فضیلت کے لیے کوشاں تمام مسلمانوں اور انسانوں کی خدمت کرنے والے نمونہ شاعر اقبال ہیں۔“

(ڈاکٹر عبد القادر کراچان، ترکی)

”اقبالؑ کا سارا کلام پڑھنے کے بعد ایک سیدھی سادی بات جو ایک عامی کی سمجھ میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ انسان اپنی صلاحیتوں اور قوتوں کو پہچانے اور اُن سے کام لے۔ خدا اور اُس کے رسول ﷺ و آلہ وسلم سے عشق رکھے۔ اسلامی تعلیمات کی حرکی رُوح کو سمجھے اور اُس پر عمل کرے تو وہ حقیقت میں خدا کا جانشین بن سکتا ہے اور اپنی تقدیر کا آپ مالک بن سکتا ہے۔“

(عزیز احمد)

”ہم اقبالؑ کو عہدِ جدید کا زبردست نمونہ اسلامی، مُجددِ ملت اور اسلامی اُمتِ ناب کا سب سے بڑا داعی کہتے ہیں۔“

(مولانا سعید احمد کسبر آبادی)

”ڈاکٹر اقبال اپنی وفات سے ہمارے ادب میں ایسی جگہ خالی کر گئے ہیں جس کا کھانا مدتِ مدید میں بھی مُسندِ مل نہیں ہو سکتا۔ ہندوستان کا رتبہ آج دُنیا میں اتنا کم پایہ ہے کہ ہم کسی حالت میں ایسے شاعر کی کمی برداشت نہیں کر سکتے، جن کے کلام نے عالمگیر مقبولیت حاصل کر لی ہو۔“

(رابندر ناتھ ٹیکور، بھارت)

”اگر جمال الدین رومیؒ اس زمانے میں جی اُنھیں تو وہ مُحمد اقبال ہی ہوں گے۔ ساتویں صدی کے جمال اور چودھویں صدی کے اقبال کو ایک ہی سمجھنا چاہیے۔“

(ڈاکٹر عبد الوہاب عزّام، مصر)

”یہ بھی ہمارے شہنشاہانہ طرزِ حکومت کا ایک کرشمہ ہے کہ اقبال جیسا شاعر جس کا نام گزشتہ دس برس سے اُس کے ہم وطن مسلمانانِ ہند میں نیچے نیچے کی زبان پر ہے، اُس کے کلام کا ترجمہ اس قدر عرصے کے بعد جا کر ہمارے زبان میں چوکے۔ ہندوؤں میں جو مرتبہ ٹیکور کو حاصل ہے وہی مسلمانوں میں اقبال کو ہے اور زیادہ صحیح طور پر ہے اس لیے کہ ٹیکور کو بنگال سے باہر اُس وقت تک کسی نے نہ پوچھا جب تک وہ یورپ جا کر نوبل پرائز نہ حاصل کر لاتے۔ برخلاف اس کے اقبال کی شہرت یورپ کی اعانت سے بالکل مُستثنیٰ ہے۔“

(ای۔ ایم فاسٹر، ۱۹۲۰ء)

ترتیبِ کلیاتِ اقبال

۱۷

بانگِ درا

۳۲۵

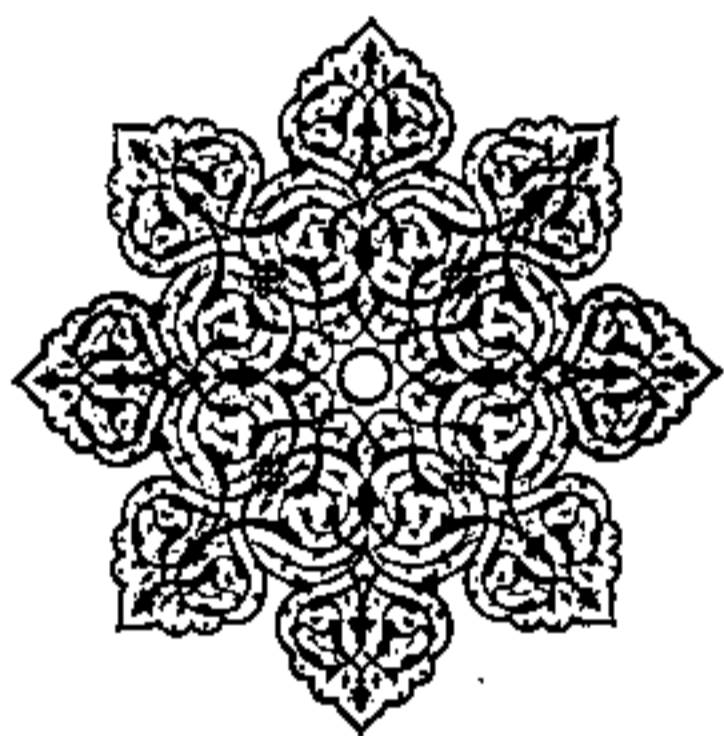
بالِ حبِ بریل

۵۰۱

ضربِ کلیم

۶۹۳

ازمنانِ حجاز (اُردو)



۱۶
کلیات اقبال
ع

بانگِ درا

اقبال

۱۴
بانگِ درا

۱۶	۱۸
۱۷	۱۹
۱۸	۲۰
۱۹	۲۱
۲۰	۲۲
۲۱	۲۳
۲۲	۲۴
۲۳	۲۵
۲۴	۲۶
۲۵	۲۷
۲۶	۲۸
۲۷	۲۹
۲۸	۳۰
۲۹	۳۱
۳۰	۳۲
۳۱	۳۳
۳۲	۳۴
۳۳	۳۵
۳۴	۳۶
۳۵	۳۷
۳۶	۳۸
۳۷	۳۹
۳۸	۴۰
۳۹	۴۱
۴۰	۴۲
۴۱	۴۳
۴۲	۴۴
۴۳	۴۵
۴۴	۴۶
۴۵	۴۷
۴۶	۴۸
۴۷	۴۹
۴۸	۵۰
۴۹	۵۱
۵۰	۵۲
۵۱	۵۳
۵۲	۵۴
۵۳	۵۵
۵۴	۵۶
۵۵	۵۷
۵۶	۵۸
۵۷	۵۹
۵۸	۶۰
۵۹	۶۱
۶۰	۶۲
۶۱	۶۳
۶۲	۶۴
۶۳	۶۵
۶۴	۶۶
۶۵	۶۷
۶۶	۶۸
۶۷	۶۹
۶۸	۷۰
۶۹	۷۱
۷۰	۷۲
۷۱	۷۳
۷۲	۷۴
۷۳	۷۵
۷۴	۷۶
۷۵	۷۷
۷۶	۷۸
۷۷	۷۹
۷۸	۸۰
۷۹	۸۱
۸۰	۸۲
۸۱	۸۳
۸۲	۸۴
۸۳	۸۵
۸۴	۸۶
۸۵	۸۷
۸۶	۸۸
۸۷	۸۹
۸۸	۹۰
۸۹	۹۱
۹۰	۹۲
۹۱	۹۳
۹۲	۹۴
۹۳	۹۵
۹۴	۹۶
۹۵	۹۷
۹۶	۹۸
۹۷	۹۹
۹۸	۱۰۰

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست

حصہ اول

(..... ۱۹۰۵ء تک)

۵۱/۳۵

۵۳/۳۷

۵۵/۳۹

۵۵/۳۹

۵۷/۴۱

۵۹/۴۳

۶۱/۴۵

۱ ہمالہ

۲ گل زمینیں

۳ عمدہ طفلی

۴ مرزا غالب

۵ ابر کو ہمار

۶ ایک مکڑا اور مکھی

۷ ایک پہاڑ اور کلہری

۶۲/۴۶	۸	ایک گائے اور بکری
۶۵/۴۹	۹	بچے کی دعا
۶۶/۵۰	۱۰	ہمدردی
۶۷/۵۱	۱۱	ماں کا خواب
۶۸/۵۲	۱۲	پرنس کی فریاد
۶۹/۵۳	۱۳	خفتگان خاک کے استفسار
۷۱/۵۵	۱۴	شمع و پروانہ
۷۲/۵۶	۱۵	عقل و دل
۷۳/۵۷	۱۶	صدائے درد
۷۴/۵۸	۱۷	افتاب (ترجمہ کاہنری)
۷۵/۵۹	۱۸	شمع
۷۸/۶۲	۱۹	ایک آرزو
۸۰/۶۴	۲۰	افتاب صبح
۸۲/۶۶	۲۱	دردِ عشق

۲۰
بافتے دریا
۲

۸۳/۴۷	۲۲	گل پر مژدہ
۸۴/۴۸	۲۳	سید کی لوح تربت
۸۵/۴۹	۲۴	ماہ نو
۸۶/۷۰	۲۵	انسان اور بزم قدرت
۸۸/۷۲	۲۶	پیام صبح
۸۹/۷۳	۲۷	عشق اور موت
۹۱/۷۵	۲۸	زہد اور زندگی
۹۳/۷۷	۲۹	شاعر
۹۳/۷۷	۳۰	دل
۹۴/۷۸	۳۱	سویج دریا
۹۵/۷۹	۳۲	رخصت اے بزم جہاں !
۹۷/۸۱	۳۳	طفل شیرخوار
۹۸/۸۲	۳۴	تصویر درد
۱۰۴/۸۸	۳۵	ناله فراق

۱۰۵/۸۹	۳۶ چاند
۱۰۶/۹۰	۳۷ بلالؓ
۱۰۸/۹۲	۳۸ سرگزشت آدم
۱۰۹/۹۳	۳۹ ترانہ ہندی
۱۱۰/۹۴	۴۰ جنگو
۱۱۲/۹۶	۴۱ صبح کا ستارہ
۱۱۳/۹۷	۴۲ ہندوستانی بچوں کا قومی کیت
۱۱۴/۹۸	۴۳ نیا شوالا
۱۱۵/۹۹	۴۴ داغ
۱۱۷/۱۰۱	۴۵ آبر
۱۱۸/۱۰۲	۴۶ ایک پرندہ اور جنگو
۱۱۹/۱۰۳	۴۷ بچہ اور شمع
۱۲۱/۱۰۵	۴۸ کنار راوی
۱۲۲/۱۰۶	۴۹ التجائے مسافر

غزلیات

- ۱ کلزار ہست و بود نہ بیگانہ وار دیکھ
- ۲ نہ آتے ہمیں اس میں تکرار کیا تھی
- ۳ عجب واعظ کی دیں داری ہے یارب!
- ۴ لاؤں وہ تنگے کہیں سے آشیانے کے لیے
- ۵ کیا کہوں اپنے چمن سے میں جدا کیونکر ہوا
- ۶ انوکھی وضع ہے مسائے زمانے سے نرالے ہیں
- ۷ ظاہر کی آنکھ سے نہ تماشا کرے کوئی
- ۸ کہوں کیا آرزو ہے بے ولی مجھ کو کہاں تک ہے
- ۹ جنھیں میں ڈھونڈتا تھا آسمانوں میں زمینوں میں
- ۱۰ ترے عشق کی انتہا چاہتا ہوں
- ۱۱ کشادہ دست کرم جب وہ بے نیاز کرے
- ۱۲ سختیاں کرتا ہوں دل پر غیر سے غافل ہوں میں
- ۱۳ مجنوں نے شہر چھوڑا تو صحرا بھی چھوڑے

۱۲۴/۱۰۸

۱۲۴/۱۰۸

۱۲۵/۱۰۹

۱۲۵/۱۰۹

۱۲۶/۱۱۰

۱۲۷/۱۱۱

۱۲۸/۱۱۲

۱۲۸/۱۱۲

۱۲۹/۱۱۳

۱۳۱/۱۱۵

۱۳۱/۱۱۵

۱۳۲/۱۱۶

۱۳۳/۱۱۷

حصہ دوم

(۱۹۰۵ء سے ۱۹۰۸ء تک)

۱۳۷/۱۲۱	محبت	۱
۱۳۸/۱۲۲	حقیقتِ حسن	۲
۱۳۹/۱۲۳	پیام	۳
۱۳۹/۱۲۳	سوامی رام تیرتھ	۴
۱۴۰/۱۲۴	طلبہ علی لڑھ کالج کے نام	۵
۱۴۱/۱۲۵	اختیارِ صبح	۶
۱۴۱/۱۲۵	حسن و عشق	۷
۱۴۲/۱۲۶ کی گود میں بتی دیکھ کر	۸
۱۴۳/۱۲۷	کلی	۹
۱۴۴/۱۲۸	چاند اور تارے	۱۰
۱۴۵/۱۲۹	وصال	۱۱

بانگ درا

۸

۱۲	سلیمی
۱۳	عاشقِ ہر جباتی
۱۴	کوششِ ناتمام
۱۵	نوائے غم
۱۶	عشرتِ امروز
۱۷	انسان
۱۸	جلوۂ حسن
۱۹	ایک شام
۲۰	تنہائی
۲۱	پیامِ عشق
۲۲	فراق
۲۳	عبدالغفار کے نام
۲۴	صقلیت

۱۴۷/۱۳۱

۱۴۸/۱۳۲

۱۵۰/۱۳۴

۱۵۱/۱۳۵

۱۵۲/۱۳۶

۱۵۲/۱۳۶

۱۵۳/۱۳۷

۱۵۴/۱۳۸

۱۵۵/۱۳۹

۱۵۵/۱۳۹

۱۵۷/۱۴۱

۱۵۸/۱۴۲

۱۵۹/۱۴۳

غزلیات

- ۱ زندگی انساں کی اک دم کے سوا کچھ بھی نہیں ۱۶۱/۱۲۵
- ۲ الہی عقلِ خجستہ پے کو ذرا سی دیوانگی سکھا دے ۱۶۱/۱۲۵
- ۳ زمانہ دیکھے گا جب مرے دل سے محشر اٹھے گا نشتہ کا ۱۶۲/۱۲۶
- ۴ چمک تیری عیاں بجلی میں آتش میں شرارے میں ۱۶۳/۱۲۸
- ۵ یوں تو اے بزمِ جہاں دلکش تھے ہنگامے تے ۱۶۵/۱۲۹
- ۶ مشال پر تو مے طوفِ جام کرتے ہیں ۱۶۵/۱۲۹
- ۷ زمانہ آیا ہے بے حجابی کا، عام دیدار یار جو کا ۱۶۶/۱۵۰

حصہ سوم

(۱۹۰۸ء سے)

- ۱ بلا و اسلامیہ ۱۷۱/۱۵۵
- ۲ ستارہ ۱۷۳/۱۵۷
- ۳ دو ستارے ۱۷۴/۱۵۸

۱۷۲/۱۵۸	۴	گورستان شاہی
۱۸۰/۱۶۴	۵	نمود صبح
۱۸۱/۱۶۵	۶	تضمین بر شعر انیسویں سالو
۱۸۲/۱۶۶	۷	فائدہ عنہم
۱۸۵/۱۶۹	۸	پھول کا تحفہ عطا ہونے پر
۱۸۶/۱۷۰	۹	ترانہ بقی
۱۸۷/۱۷۱	۱۰	وطنیت
۱۸۸/۱۷۲	۱۱	ایک حاجی مدینے کے راستے میں
۱۸۹/۱۷۳	۱۲	قطعہ (کل ایک شریہ خواب کا نبی پر رونے کے لئے ہاتھ)
۱۹۰/۱۷۴	۱۳	شکوہ
۱۹۹/۱۸۳	۱۴	چاند
۲۰۰/۱۸۴	۱۵	رات اور شاعر
۲۰۱/۱۸۵	۱۶	برزم انجم
۲۰۳/۱۸۷	۱۷	سیر فلک

۲۰۴/۱۸۸	نصیحت	۱۸
۲۰۵/۱۸۹	رام	۱۹
۲۰۶/۱۹۰	موٹر	۲۰
۲۰۶/۱۹۰	انسان	۲۱
۲۰۷/۱۹۱	خطاب بہ جوانان اسلام	۲۲
۲۰۸/۱۹۲	نعرۂ شوال یا ہلالِ عید	۲۳
۲۱۰/۱۹۴	شمع اور شاعر	۲۴
۲۲۳/۲۰۷	مسلم	۲۵
۲۲۴/۲۰۸	حضور رسالت ﷺ میں	۲۶
۲۲۶/۲۱۰	شفنا خانہ حجاز	۲۷
۲۲۷/۲۱۱	جواب شکوہ	۲۸
۲۳۷/۲۲۱	ساتی	۲۹
۲۳۸/۲۲۲	تعلیم اور اس کے نتائج	۳۰
۲۳۸/۲۲۲	قرب سلطان	۳۱

۲۳۹/۲۲۳	۳۲	شاعر
۲۴۰/۲۲۴	۳۳	نوید صبح
۲۴۱/۲۲۵	۳۴	وعدا
۲۴۲/۲۲۶	۳۵	عید پر شعر لکھنے کی فرمائش کے جواب میں
۲۴۳/۲۲۷	۳۶	فاطمہ بنت عبد اللہ
۲۴۴/۲۲۸	۳۷	شبہم اور ستارے
۲۴۵/۲۲۹	۳۸	محاصرہ اور نہ
۲۴۶/۲۳۰	۳۹	غلام مستور مسید
۲۴۷/۲۳۱	۴۰	ایک مکالمہ
۲۴۸/۲۳۲	۴۱	میں اور تو
۲۴۹/۲۳۳	۴۲	تضمین بر شعر ابوطالب کلیم
۲۵۰/۲۳۴	۴۳	شبلی و حسانی
۲۵۱/۲۳۵	۴۴	ارتقا
۲۵۲/۲۳۶	۴۵	صدقہ

۲۵۳/۲۳۷	۴۶	تہذیبِ حاضر
۲۵۴/۲۳۸	۴۷	والدہ مرحومہ کی یاد میں
۲۶۶/۲۵۰	۴۸	شعاعِ آفتاب
۲۶۷/۲۵۱	۴۹	عسٹرنی
۲۶۸/۲۵۲	۵۰	ایک خط کے جواب میں
۲۶۹/۲۵۳	۵۱	نانک
۲۷۰/۲۵۴	۵۲	کفر و اسلام
۲۷۱/۲۵۵	۵۳	بلالؓ
۲۷۲/۲۵۶	۵۴	مسلمان اور تعلیمِ جدید
۲۷۳/۲۵۷	۵۵	پھولوں کی شہزادی
۲۷۳/۲۵۷	۵۶	تضمین بر شعرِ صائب
۲۷۴/۲۵۸	۵۷	فردوس میں ایک مکالمہ
۲۷۵/۲۵۹	۵۸	مذہب
۲۷۶/۲۶۰	۵۹	جنگِ یرموک کا ایک واقعہ

۲۷۷/۲۹۱	۶۰	مذہب
۲۷۷/۲۹۱	۶۱	پیوستہ رہ شجر سے اُمید بہار رکھ
۲۷۸/۲۹۲	۶۲	شب معراج
۲۷۸/۲۹۲	۶۳	مُحْمول
۲۷۹/۲۹۳	۶۴	شکیبایی
۲۸۰/۲۹۴	۶۵	میں اور تو
۲۸۱/۲۹۵	۶۶	اسیری
۲۸۱/۲۹۵	۶۷	دریوزہ حلافت
۲۸۲/۲۹۶	۶۸	ہمایوں
۲۸۳/۲۹۷	۶۹	خصر راہ
۲۹۷/۲۸۱	۷۰	طلوع اسلام

غزلیات

۳۰۹/۲۹۳	۱	اے باد صبا! کئی واسے سے جا کہیو پیغام مرا
---------	---	---

- ۲ یہ سرود قمری و بسمل فریب گوش ہے ۳۱/۲۹۲
- ۳ نالہ ہے بسمل شوریدہ ترا حنّام ابھی ۳۱/۲۹۲
- ۴ پروہ چہرے سے اٹھا، انجسن آرائی کر ۳۱/۲۹۵
- ۵ پھر باد و بسار آئی، اقبال غزل خواں ہو ۳۱۲/۲۹۶
- ۶ کبھی اے حقیقت منتظر! نظر آلباس مجاز میں ۳۱۲/۲۹۶
- ۷ تہ دام بھی غزل آشنایہ طائران چسپن تو کیا ۳۱۳/۲۹۷
- ۸ گرچہ تو زندانی اسباب ہے ۳۱۴/۲۹۸

ظریفانہ

- ۱ مشرق میں اصول دین بن جاتے ہیں ۳۱۵/۲۹۹
- ۲ لڑکیاں پڑھ رہی ہیں انگریزی ۳۱۵/۲۹۹
- ۳ شیخ صاحب بھی تو پردے کے کوئی حامی نہیں ۳۱۵/۲۹۹
- ۴ یہ کوئی دن کی بات ہے اے مرد ہوش مند! ۳۱۶/۳۰۰
- ۵ تعلیم سن رہی ہے بہت جرات آفریں ۳۱۶/۳۰۰

- ۶ کچھ غنم نہیں جو حضرت واعظ ہیں تنگ دست ۳۱۶/۳۰۰
- ۷ تہذیب کے مریض کو گولی سے فائدہ ۳۱۶/۳۰۰
- ۸ انتہا بھی اس کی ہے آخر خریدیں کب تک ۳۱۷/۳۰۱
- ۹ ہم مشرق کے مسکینوں کا دل مغرب میں جا اشکا ہے ۳۱۷/۳۰۱
- ۱۰ اصل شہود و شاہد و مشہود ایک ہے ۳۱۷/۳۰۱
- ۱۱ ہاتھوں سے اپنے دامنِ ذنب نکل گیا ۳۱۸/۳۰۲
- ۱۲ وہ بس بولی ارادہ خود کوشی کا جب کیا میں نے ۳۱۸/۳۰۲
- ۱۳ نواں تھے اس قدر کہ نہ جانی عرب کی قدر ۳۱۸/۳۰۲
- ۱۴ ہندوستان میں جزو حکومت ہیں کونسلیں ۳۱۸/۳۰۲
- ۱۵ ممبری اسپیریل کونسل کی کچھ مشکل نہیں ۳۱۹/۳۰۳
- ۱۶ دلیل مہر و وفا اس سے بڑھ کے کیا چولی ۳۱۹/۳۰۳
- ۱۷ فرما رہے تھے شیخ طریق عمل یہ وعظ ۳۱۹/۳۰۳
- ۱۸ دیکھیے چلتی ہے مشرق کی تجارت کب تک ۳۲۰/۳۰۴
- ۱۹ گائے اک روز ہوتی اونٹ سے یوں گرم سخن ۳۲۰/۳۰۴

۳۲۱/۳.۵	۲۰	راست پتھر نے کہہ دیا مجھ سے
۳۲۲/۳.۶	۲۱	یہ آیہ نوحیل سے نازل ہوئی مجھ پر
۳۲۲/۳.۶	۲۲	جان جاتے ہاتھ سے جلتے نہ ست
۳۲۲/۳.۶	۲۳	مخت و سرمایہ دنیا میں صف آرا ہو گئے
۳۲۲/۳.۶	۲۴	شام کی سرحد سے رخصت ہے وہ رند لم یزل
۳۲۳/۳.۷	۲۵	تکھار تھی مزارع و مالک میں ایک روز
۳۲۳/۳.۷	۲۶	اٹھ کر پھینک دو باہر گلی میں
۳۲۴/۳.۸	۲۷	کارخانے کا ہے مالک مرد کس ناکر وہ کار
۳۲۴/۳.۸	۲۸	سنا ہے میں نے کل یہ گفتگو تھی کارخانے میں
۳۲۴/۳.۸	۲۹	مسجد تو بنا دی شب بھر میں ایماں کی حرارت والوں نے



۳۲۲
ہاتھ سے
۱۸

دیاچہ

شیخ عبدالحق اور پیر سٹریٹ لاسابق مدیر "مخزن"

کے خبر تھی کہ غالب مرحوم کے بعد ہندوستان میں پھر کوئی ایسا شخص پیدا ہو گا جو اردو شاعری کے جسم میں ایک نئی روح پھونک دے گا اور جس کی بدولت غالب کا بے نظیر تختہ سیل اور زلالہ انداز بیان پھر وجود میں آئیں گے اور ادب اردو کے فروغ کا باعث ہوں گے مگر زبان اردو کی خوش اقبال دیکھیے کہ اس زمانے میں اقبال سا شاعر اسے نصیب ہوا جس کے کلام کا سکہ ہندوستان بھر کی اردو دان دنیا کے دلوں پر بیٹھا ہوا ہے اور جس کی شہرت روم و ایران بلکہ ترکستان تک پہنچ گئی ہے۔

غالب اور اقبال میں بہت سی باتیں مشترک ہیں۔ اگر میں تناسخ کا قائل ہوتا تو ضرور کہتا کہ مرزا اسد اللہ خاں غالب کو اردو اور فارسی کی شاعری سے جو عشق تھا، اُس نے اُن کی روح کو عدم میں جا کر بھی چین نہ لینے دیا اور مجبور کیا کہ وہ پھر کسی جسدِ خالی میں جلوہ اسے زور جو کر شاعری کے چمن کی آبیاری کرے اور اُس نے پنجاب کے ایک گوشے میں جسے سیالکوٹ کہتے ہیں دوبارہ جنم لیا اور محمد قہبال نام پایا۔

جب شیخ محمد اقبال کے والد بزرگوار اور ان کی پیاری ماں ان کا نام تجویز کر رہے ہوں گے تو قبولِ دعا کا وقت ہو گا کہ ان کا دیا ہوا نام اپنے پورے معنوں میں صحیح ثابت ہوا اور ان کا اقبال سند بیٹا سند وستان میں تحصیلِ علم سے فارغ ہو کر انگلستان پہنچا، وہاں کیمبرج میں کامیابی سے وقت ختم کر کے جرمنی گیا اور علمی دنیا کے اعلیٰ مدارج طے کر کے واپس آیا۔ شیخ محمد اقبال نے یورپ کے قیام کے زمانے میں بہت سی فارسی کتابوں کا مطالعہ کیا اور اس مطالعے کا خلاصہ ایک محققانہ کتاب کی صورت میں شائع کیا جسے فلسفۂ ایران کی مختصر تاریخ کہنا چاہیے۔ اسی کتاب کو دیکھ کر جرمنی والوں نے شیخ محمد اقبال کو ڈاکٹر کا علمی درجہ دیا۔ سرکارِ انگریزی کو جس کے پاس مشرقی زبانوں اور علوم کی نسبت براہِ راست اطلاع کے ذرائع کافی نہیں، جب ایک عرصے کے بعد معلوم ہوا کہ ڈاکٹر صاحب کی شاعری نے عالمِ لیپ شہرت پیدا کر لی ہے تو اس نے بھی ازراہِ فتدوانی سرکار کا ممتاز خطاب انھیں عطا کیا۔ اب وہ ڈاکٹر محمد اقبال کے نام سے مشہور ہیں لیکن ان کا نام جس میں یہ لطیف حرفِ ادا ہے کہ نام کا نام ہے اور تخصص کا تخصص، ان کی ڈاکٹری اور سسری سے زیادہ مشہور اور مستبول ہے۔

سیالکوٹ میں ایک کالج ہے جس میں علمائے سلف کی یادگار اور ان کے نقشِ قدم پر چلنے والے ایک بزرگ مولوی سید میر حسن صاحب علومِ مشرقی کا درس دیتے ہیں۔ حال میں انھیں کونزٹ سے خطابِ شمسِ اعلا بھی ملا ہے۔ ان کی تعلیم کا یہ خاصہ ہے کہ جو کوئی ان سے فارسی یا عربی سیکھے، اُس کی طبیعت میں اُس زبان کا صحیح مذاق پیدا کرتے

ہیں۔ اقبال کو بھی اپنی ابتدائے عمر میں مولوی سید میر حسن صاحب مدظلہ طبعیت میں علم ادب سے مناسبت قدرتی طور پر موجود تھی۔ فارسی اور عربی کی تحصیل مولوی صاحب موصوفے کی۔ سونے پر سہاگا ہو گیا۔ ابھی اسکول ہی میں پڑھتے تھے کہ کلام موزوں زبان سے نکلنے لگا۔ پنجاب میں اردو کا رواج اس وقت درپوش تھا کہ ہر شہر میں زبان دانی اور شعر و شاعری کا چرچا لم بیش موجود تھا۔ سیالکوٹ میں بھی شیخ محمد اقبال کی طالب علمی کے دنوں میں ایک چھوٹا سا مشاعرہ ہوتا تھا۔ اُس کے لیے اقبال نے کبھی بھی غزل لکھنی شروع کر دی۔ شعرائے اردو میں اُن دنوں نواب مبراہاں صاحب دہلوی کا بہت شہرہ تھا اور نظم و کمن کے استاد ہونے سے اُن کی شہرت اور بھی بڑھ گئی تھی۔ لول جو اُن کے پاس جاتے تھے خط و کتابت کے ذریعے دُور ہی سے اُن سے شاعری کی نسبت پیدا کرتے تھے۔ غزلیں ڈال میں اُن کے پاس جاتی تھیں اور وہ اصلاح کے بعد واپس بھیجتے تھے۔ پچھلے زمانے میں جب ڈال کا یہ انتظام نہ تھا، کسی شاعر کو اتنے شاعر کیسے میسر آسکتے تھے۔ اب اس سہولت کی وجہ سے یہ حال تھا کہ سیکڑوں آدمی اُن سے غائبانہ تلمذ رکھتے تھے اور انھیں اس کام کے لیے ایک عملہ اور محکمہ رکھنا پڑتا تھا۔ شیخ محمد اقبال نے بھی انھیں خط لکھا اور چند غزلیں اصلاح کے لیے بھیجیں۔ اس طرح اقبال کو اردو زبان و ادبی کے لیے بھی ایسے استاد سے نسبت پیدا ہوئی جو اپنے وقت میں زبان کی خوبی کے لحاظ سے فن غزل میں مکیا سمجھا جاتا تھا۔ گو اس ابتدائی غزل کوئی میں وہ باتیں تو موجود نہ تھیں جن سے بعد ازاں کلام اقبال نے شہرت پائی، مگر جناب دہلوی پہچان گئے کہ پنجاب کے ایک دُور افتادہ ضلع کا یہ طالب علم کوئی معمولی غزل گو نہیں۔ انھوں نے جلد کہہ دیا کہ کلام میں اصلاح کی گنجائش بہت کم ہے اور یہ سلسلہ تلمذ کا بہت دیر قائم

نہیں رہا۔ البتہ اس کی یاد و دنوں طرف رہ گئی۔ داغ کا نام اردو شاعری میں ایسا پایہ کھتا
 ہے کہ اقبال کے دل میں داغ سے اس مختصر اور غائبانہ تعلق کی بھی مدت ہے اور اقبال نے
 داغ کی زندگی ہی میں قبول عام کا وہ درجہ حاصل کر لیا تھا کہ داغ مرحوم اس بات پر فخر کرتے تھے
 کہ اقبال بھی ان لوگوں میں شامل ہے جن کے کلام کی انھوں نے اصلاح کی۔ مجھے خود
 دکن میں ان سے ملنے کا اتفاق ہوا اور میں نے خود ایسے فخریہ کلمات ان کی زبان سے سنے۔
 سیالکوٹ کے کالج میں ایف اے کے درجے تک تعلیم تھی۔ بی اے کے لیے شیخ محمد اقبال
 کو لاہور آنا پڑا۔ انھیں علم فلسفہ کی تحصیل کا شوق تھا اور انھیں لاہور کے اساتذہ میں ایک
 نہایت شفیق استاد ملا جس نے فلسفہ کے ساتھ ان کی مناسبت دیکھ کر انھیں خاص
 توجہ سے پڑھانا شروع کیا۔ پروفیسر آرنلڈ صاحب جو اب سرٹاس آرنلڈ ہونے لگے ہیں اور
 انگلستان میں مقیم ہیں، غیر معمولی قابلیت کے شخص ہیں۔ فوٹو تحریر ان کی بہت اچھی
 ہے اور وہ علمی جستجو اور تلاش کے طریق جدید سے خوب واقف ہیں۔ انھوں نے چاہا
 کہ اپنے شاگرد کو اپنے مذاق اور اپنے طرز عمل سے حصہ دیں اور وہ اس ارادے میں بہت کچھ
 کامیاب ہوئے۔ پہلے انھوں نے علی کڑھ کالج کی پروفیسری کے زمانے میں اپنے دوست
 مولانا شبلی مرحوم کے مذاق علمی کے نچخت کرنے میں کامیابی حاصل کی تھی اب انھیں
 یہاں ایک اور جوہر قابل نظر آیا جس کے چمکانے کی آرزو ان کے دل میں پیدا ہوئی۔
 اور جو دوستی اور محبت استاد اور شاگرد میں پہلے دن سے پیدا ہوئی وہ آخر شاگرد کو
 استاد کے پیچھے پیچھے انگلستان لے گئی اور وہاں یہ رشتہ اور بھی مضبوط ہو گیا، اور آج تک
 قائم ہے۔ آرنلڈ خوش ہے کہ میری محنت ٹھکانے لگی اور میرا شاگرد علمی دنیا میں سیر
 لیے بھی باعثِ شہرت افزائی ہوا اور اقبال معترف ہے کہ جس مذاق کی بنیاد سید میر حسن

نے ڈالی تھی اور جسے درمیان میں دماغ کے خائبانہ تعارف نے بڑھایا تھا، اُس کے آخری مرحلے آرنلڈ کی شفیقانہ رہبری سے طے ہوئے۔

اقبال کو اپنی علمی مساعزل طے کرنے میں اچھے اچھے رہبر ملے اور بڑے بڑے علماء سے سابقہ پڑا۔ ان لوگوں میں کیمریج یونیورسٹی کے ڈاکٹر میک ٹیکرٹ، براؤن، نکلسن اور سارلی قابل ذکر ہیں۔ پروفیسر نکلسن تو پہلے شکریے کے خاص طور پر مستحق ہیں کیونکہ انھوں نے اقبال کی مشہور فارسی نظم ”اسرارِ خودی“ کا انگریزی ترجمہ کر کے اور اُس پر دیباچہ اور حواشی لکھ کر یورپ اور امریکہ کو اقبال سے روشناس کیا۔ اسی طرح ہندوستان کی علمی ذہنیت میں جتنے نامور اُس زمانے میں موجود تھے مثلاً مولانا شبلی مرحوم، مولانا حالی مرحوم، اکبر مرحوم، سب سے اقبال کی ملاقات اور خط و کتابت رہی اور ان کے اثرات اقبال کے کلام پر اور اقبال کا اثر ان کی طبائع پر پڑتا رہا۔ مولانا شبلی نے بہت سے خطوط میں اور حضرت اکبر نے نہ صرف خطوں میں بلکہ بہت سے اشعار میں اقبال کے کمال کا اعتراف کیا ہے اور اقبال نے اپنی نظم میں ان بالکالوں کی جا بجا تعریف کی ہے۔

ابتدائی مشق کے دنوں کو چھوڑ کر اقبال کا اردو کلام بیسویں صدی کے آئینے سے کچھ پہلے شروع ہوتا ہے۔ ۱۹۰۱ء سے غالباً دو تین سال پہلے میں نے انھیں پہلی مرتبہ لاہور کے ایک شاعر سے میں ملایا۔ اس بنم میں ان کو ان کے چند ہم جماعت کھینچ کر لے آئے اور انھوں نے کہ سن کر ایک غزل بھی پڑھوائی۔ اس وقت تک لاہور میں لوگ اقبال سے واقف نہ تھے۔ چھوٹی سی غزل تھی۔ سادہ سے الفاظ۔ زمین بھی شکل نہ تھی۔ مگر کلام میں شوخی اور بے ساختہ پن موجود تھا۔ بہت پسند لی گئی۔ اس کے بعد دو تین مرتبہ پھر اسی شاعر سے میں انھوں نے غزلیں پڑھیں اور لوگوں کو معلوم ہوا کہ ایک

چو نہار شاعر میدان میں آیا ہے۔ مگر یہ شہرت پہلے پہلے لاہور کے کالجوں کے طلبہ اور بعض ایسے
 لوگوں تک محدود رہی جو تعلیمی مشاغل سے تعلق رکھتے تھے۔ اتنے میں ایک ادبی مجلس قائم ہوئی
 جس میں مشاہیر شریک ہونے لگے اور نظم و نثر کے مضامین کی اس میں مانگ ہوئی۔ شیخ
 محمد اقبال نے اس کے ایک جلسے میں اپنی وہ نظم جس میں کوہ ہمالہ سے خطاب ہے پڑھ کر
 سنائی۔ اس میں انگریزی خیالات تھے اور فارسی بندشیں۔ اس پر خوبی یہ کہ وطن پرستی کی
 چاشنی اس میں موجود تھی۔ مذاق زمانہ اور ضرورت وقت کے موافق ہونے کے سبب
 بہت مقبول ہوئی اور کئی طرف سے فرمائشیں ہونے لگیں کہ اسے شائع کیا جائے، مگر
 شیخ صاحب یہ عذر کر کے کہ ابھی نظم ثانی کی ضرورت ہے، اسے اپنے ساتھ لے گئے اور
 وہ اُس وقت چھپنے نہ پائی۔ اس بات کو تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ میں نے ادب اردو
 کی ترقی کے لیے رسالہ 'مخزن' جاری کرنے کا ارادہ کیا۔ اس اثنا میں شیخ محمد اقبال
 سے میری دوستانہ ملاقات پیدا ہو چکی تھی۔ میں نے ان سے وعدہ لیا کہ اس رسالے کے
 حصہ نظم کے لیے وہ نئے رنگ کی نظمیں مجھے دیا کریں گے۔ پہلا رسالہ شائع ہونے کو تھا کہ
 میں ان کے پاس گیا اور میں نے ان سے کوئی نظم مانگی۔ انھوں نے کہا ابھی کوئی
 نظم تیار نہیں۔ میں نے کہا ہمالہ والی نظم دے دیجیے اور دوسرے مہینے کے لیے کوئی
 اور لکھیے۔ انھوں نے اس نظم کے دینے میں پس و پیش کی کیونکہ انھیں یہ خیال تھا
 کہ اس میں کچھ خامیاں ہیں، مگر میں دیکھ چکا تھا کہ وہ بہت مقبول ہوئی، اس لیے میں نے
 زبردستی وہ نظم ان سے لے لی اور 'مخزن' کی پہلی جلد کے پہلے نمبر میں، جو اپریل ۱۹۰۵ء
 میں نکلا، شائع کر دی۔ یہاں سے گویا اقبال کی اردو شاعری کا پہلا طور پر آغاز ہوا اور
 ۱۹۰۵ء تک جب وہ ولایت گئے، یہ سلسلہ جاری رہا۔ اس عرصے میں وہ عموماً

مخزن کے ہر سبر کے لیے کوئی نہ کوئی نظم لکھتے تھے اور جوں جوں لوگوں کو ان کی
 شاعری کا حال معلوم ہوتا گیا، جا بجا مختلف رسالوں اور اخباروں سے فرمائشیں آنے لگیں اور
 انجمنیں اور مجالس درخواستیں کرنے لگیں کہ ان کے سالانہ جلسوں میں لوگوں کو وہ اپنے کلام
 سے محفوظ کریں۔ شیخ صاحب اس وقت طالب علمی سے فارغ ہو کر کورنٹ کالج میں پروفیسر
 ہو گئے تھے اور دن رات علمی صحبتوں اور مشاغل میں بسر کرتے تھے طبیعت زبوں پر تھی، شعر
 کہنے کی طرف جس وقت مائل ہوتے تو غضب کی آمد ہوتی تھی۔ ایک ایک نشست میں بے شمار شعر
 ہو جاتے تھے۔ ان کے دوست اور بعض طالب علم جو پاس ہوتے پوسل کاغذ لے کر
 لکھتے جاتے اور وہ اپنی دھن میں کہتے جاتے۔ میں نے اس زمانے میں انھیں کبھی کاغذ قلم
 لے کر فکر سخن کرتے نہیں دیکھا۔ موزوں الفاظ کا ایک دریا بہتا یا ایک چشمہ بہتا معلوم
 ہوتا تھا۔ ایک خاص کیفیت رقت کی عموماً ان پر طاری ہوتی تھی۔ اپنے اشعار سریلی
 آواز میں ترتیم سے پڑھتے تھے، خود وجد کرتے اور دوسروں کو وجد میں لاتے تھے۔ یہ
 عجیب خصوصیت ہے کہ حافظہ ایسا پایا ہے کہ جتنے شعر اس طرح زبان سے نکلیں، الروہ
 ایک سلسل نظم کے ہوں تو سب کے سب دوسرے وقت اور دوسرے دن اسی ترتیب سے
 حافظے میں محفوظ ہوتے ہیں جس ترتیب سے وہ کہے گئے تھے، اور درمیان میں خود وہ انھیں
 قلمبند بھی نہیں کرتے۔ مجھے بہت سے شعرا کی ہم نشینی کا موقع ملا ہے اور بعض کو میں نے
 شعر کہتے بھی دیکھا اور سنا ہے، مگر یہ رنگ لسی اور میں نہیں دیکھا۔ قہار لی ایک اور خصوصیت
 یہ ہے کہ بایں ہر موزوں طبیعت وہ حسب فرمائش شعر کہنے سے قاصر ہے جب طبیعت خود مائل نظم
 ہو تو جتنے شعر چاہے کہ وہ مگر یہ کہ ہر وقت اور ہر موقع پر حسب فرمائش وہ کچھ لکھ سکے، یہ قریب
 قریب ناممکن ہے۔ اسی لیے جب ان کا نام نکلا اور فرمائشوں کی بھرمار ہوئی تو انھیں اکثر

فرمائشوں کی تعمیل سے انکار ہی کرنا پڑا۔ اسی طرح انجمنوں اور مجالس کو بھی وہ عموماً جواب ہی دیتے رہے۔ فقط لاہور کی انجمن حمایت اسلام کو بعض وجوہ کے سبب یہ موقع ملا کہ اس کے سالانہ جلسوں میں کئی سال متواتر اقبال نے اپنی نظم سنائی جو خاص اُسی جلسے کے لیے لکھی جاتی تھی اور جس کی فہرست وہ پہلے سے کرتے رہتے تھے۔

اول اول جو نظمیں جلسہ عام میں پڑھی جاتی تھیں تحت اللفظ پڑھی جاتی تھیں اور اس طرز میں بھی ایک لطف تھا۔ بعض دوستوں نے ایک مرتبہ جلسہ عام میں شیخ محمد اقبال سے باصرار کہا کہ وہ نظم ترجمہ سے پڑھیں۔ ان کی آواز قدرتا بلند اور خوش آئند ہے۔ طرز ترجمہ سے بھی خاصہ واقف ہیں۔ ایسا سماں بندھا کہ سکوت کا عالم چھایا اور لوگ جھومنے لگے۔ اس نے دو نتیجے بنوتے۔ ایک تو یہ کہ ان کے لیے تحت اللفظ پڑھنا مشکل ہو گیا جب بھی پڑھیں لوگ اصرار کرتے ہیں کہ اسے سے پڑھا جائے اور دوسرا یہ کہ پہلے تو خواص ہی ان کے کلام کے قدر ان تھے اور اُنس کو سمجھ سکتے تھے، اس شش کے سبب عام بھی کھینچ آئے۔ لاہور میں جلسہ حمایت اسلام میں جب اقبال کی نظم پڑھی جاتی ہے تو دس دس ہزار آدمی ایک وقت میں جمع ہوتے ہیں اور جب تک نظم پڑھی جائے لوگ دم بخود بیٹھے رہتے ہیں۔ جو سمجھتے ہیں وہ بھی محو اور جو نہیں سمجھتے وہ بھی محو ہوتے ہیں۔

۱۹۰۵ء سے ۱۹۰۸ء تک اقبال کی شاعری کا ایک دوسرا دور شروع ہوا۔ یہ دور نما ہے جو انھوں نے یورپ میں بسر کیا۔ گو وہاں انھیں شاعری کے لیے نسبتاً کم وقت ملا اور ان نظموں کی تعداد جو وہاں کے قیام میں لکھی گئیں تھوڑی ہے مگر ان میں ایک حسن رنگ وہاں کے مشاہدات کا نظر آتا ہے۔ اُنس زمانے میں دو بڑے تغیران کے خیالات میں آئے۔ ان تین سالوں میں سے دو سال ایسے تھے جن میں میرا بھی وہیں قیام تھا اور

اکثر ملاقات کے موقع ملتے رہتے تھے۔ ایک دن شیخ محمد اقبال نے مجھ سے کہا کہ ان کا ارادہ
 مصمم ہو گیا ہے کہ وہ شاعری کو ترک کر دیں اور قسم لھالیں کہ شعر نہیں کہیں گے اور جو وقت
 شاعری میں صرف ہوتا ہے اُسے کسی اور مفید کام میں صرف کریں گے۔ میں نے ان سے
 کہا کہ ان کی شاعری ایسی شاعری نہیں ہے جسے ترک کرنا چاہیے بلکہ ان کے کلام میں
 وہ تاثیر ہے جس سے ممکن ہے کہ ہماری در ماندہ قوم اور ملک کے نصیب ملک کے امراض کا
 علاج ہو سکے اس لیے ایسی مفید خدا و اوطاقت کو بیکار کرنا درست نہ ہو گا۔ شیخ صاحب
 کچھ قائل ہوئے کچھ نہ ہوئے اور یہ قرار پایا کہ آئندہ صاحب کی رائے پر آخری فیصلہ چھوڑا جائے۔
 اگر وہ مجھ سے اتفاق کریں تو شیخ صاحب اپنے ارادہ ترک شعر کو بدل دیں اور اگر وہ شیخ صاحب
 سے اتفاق کریں تو ترک شعر اختیار کیا جائے۔ میں سمجھتا ہوں کہ علمی دنیا کی خوش قسمتی تھی کہ
 آئندہ صاحب نے مجھ سے اتفاق رائے کیا اور فیصلہ یہی ہوا کہ اقبال کے لیے شاعری کو
 چھوڑنا جائز نہیں اور جو وقت وہ اس شغل کی نذر کرتے ہیں وہ ان کے لیے بھی مفید ہے اور
 ان کے ملک و قوم کے لیے بھی مفید ہے۔ ایک تغیر جو پہلے شاعر کی طبیعت میں آتا تھا اس
 کا تو یوں حسرت نہ ہوا کہ وہ سرالتغیر ایک چھوٹے سے آغاز سے ایک بڑے انجام تک
 پہنچا یعنی اقبال کی شاعری نے فارسی زبان کو اردو زبان کی جگہ اپنا ذریعہ اظہار خیال بنالیا
 فارسی میں شعر کہنے کی رغبت اقبال کی طبیعت میں لیتی اسباب سے پیدا ہوتی ہوئی
 اور میں سمجھتا ہوں کہ انھوں نے اپنی کتاب حالات تصوف کے متعلق لکھنے کے لیے جو
 کتب بینی کی اس کو بھی ضرور اس تغیر شوق میں دخل ہو گا۔ اس کے علاوہ جوں جوں
 ان کا مطالعہ علم فلسفہ کے متعلق گہرا ہوتا گیا اور فنی خیالات کے اظہار کو جی چاہا
 تو انھوں نے دیکھا کہ فارسی کے مقابلے میں اردو کا سہارا یہ بہت کم ہے اور فارسی میں

کئی فقرے اور جملے سانچے میں ڈھلے ہوئے ایسے ملتے ہیں جن کے مطابق اردو میں فقرے
 ڈھلنے آسان نہیں، اس لیے وہ فارسی کی طرف مائل ہو گئے۔ مگر بظاہر جس چھوٹے
 سے واقعے سے ان کی فارسی کوئی کی ابتدا ہوئی ہے، وہ یہ ہے کہ ایک ترسہ ایک دست
 کے ہاں مدعو تھے جہاں ان سے فارسی اشعار سننے کی فرمائش ہوئی اور پوچھا گیا کہ وہ
 فارسی شعر بھی کہتے ہیں یا نہیں۔ انھیں اعتراف کرنا پڑا کہ انھوں نے سوائے ایک اور
 شعر کبھی کہنے کے فارسی لکھنے کی کوشش نہیں کی۔ مگر کچھ ایسا وقت تھا اور اس فرمائش نے
 ایسی تحریک ان کے دل میں پیدا کی کہ دعوت سے واپس آکر بستر پر لیٹے ہوئے باقی وقت وہ
 شاید فارسی شعر کہتے رہے اور صبح اٹھتے ہی جو مجھ سے ملے تو دو تازہ غزلیں فارسی میں
 تیار تھیں جو انھوں نے زبانی مجھے سنائیں۔ ان غزلوں کے کہنے سے انھیں اپنی فارسی گوئی
 کی قوت کا حال معلوم ہوا جس کا پہلے انھوں نے اس طرح امتحان نہیں کیا تھا۔ اس کے
 بعد ولایت سے واپس آنے پر کوبھی کبھی اردو کی نظمیں بھی کہتے تھے مگر طبیعت کا رخ فارسی کی
 طرف ہو گیا۔ یہ ان کی شاعری کا تیسرا دور ہے جو ۱۹۰۸ء کے بعد سے شروع ہوا اور جو
 اب تک چل رہا ہے۔ اس عرصے میں اردو نظمیں بھی بہت سی ہوئیں اور اچھی اچھی جن کی
 مصوم گنج گئی۔ مگر اصل کام جس کی طرف وہ متوجہ ہو گئے، وہ ان کی فارسی مشنوی اسرار خودی
 تھی۔ اس کا خیال دیر تک ان کے دماغ میں رہا اور رفتہ رفتہ دماغ سے صفحہ قسطا سب
 اترنے لگا، اور آخر ایک مستقل کتاب کی صورت میں ظہور پذیر ہوا جس سے اقبال کا نام
 ہندوستان سے باہر بھی مشہور ہو گیا۔

فارسی میں اقبال کے قلم سے تین کتابیں اس وقت تک نکلی ہیں: اسرار خودی،
 'رموز بے خودی' اور پیام مشرق۔ ایک سے ایک بہتر پہلی کتاب سے دوسری میں زبان

زیادہ سادہ اور عام فہم ہو سکتی ہے اور تیسری دوسری سے زیادہ سلیس ہے۔ جو لوگ اقبال کے اردو کلام کے دلدادہ ہیں وہ فارسی نظمیں کو دیکھ کر مایوس ہونے ہوں گے مگر انہیں یاد رکھنا چاہیے کہ فارسی نے وہ کام کیا جو اردو سے نہیں ہو سکتا تھا۔ تمام اسلامی دنیا میں جہاں فارسی کلم و بیش متداول ہے اقبال کا کلام اس ذریعے سے پہنچ گیا اور اس میں ایسے خیالات تھے جن کی ایسی وسیع اشاعت ضروری تھی اور اسی وسیلے سے یورپ اور امریکہ والوں کو ہمارے ایسے قابل تدریص صنف کا حال معلوم ہوا۔ پیام شرق میں ہمارے مصنف نے یورپ کے ایک نہایت بلند پایہ شاعر کوٹے کے سلام مغرب کا جواب لکھا ہے اور اس میں نہایت حکیمانہ خیالات کا اظہار بہت خوب صورتی سے کیا گیا ہے۔ اس کے اشعار میں بعض بڑے بڑے عقیدے حل ہوئے ہیں جو پہلے آسان طریق سے بیان نہیں ہوئے تھے۔ مدت سے بعض رسائل اور اخبارات میں ڈاکٹر محمد اقبال کو ترجمان حقیقت کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے اور ان کتابوں کے خاص خاص اشعار سے ثابت ہے کہ وہ اس لقب سے ملقب ہونے کے مستحق ہیں اور جس کسی نے یہ لقب ان کے لیے پہلے وضع کیا ہے اس نے کوئی مبالغہ نہیں کیا۔ فارسی گوئی کا ایک اثر اقبال کے اردو کلام پر یہ ہوا ہے کہ نظمیں اردو میں دورِ سوم میں لکھی گئی ہیں ان میں سے اکثر میں فارسی ترکیبیں اور فارسی بندشیں پہلے سے بھی زیادہ ہیں اور بعض جگہ فارسی اشعار پر تفسیریں کی گئی ہیں۔ گویا یہ معلوم ہوتا ہے کہ اشہب قلم جو فارسی کے میدان میں کامزن ہے اس کی بال کسی قدر تکلف کے ساتھ اردو کی طرف موڑی جا رہی ہے۔

اقبال کا اردو کلام جو وقتاً فوقتاً ۱۹۱۷ء سے لے کر آج تک سالوں اور اخباروں

میں شائع ہوا اور انجمنوں میں پڑھا گیا، اُس کے مجبوعے کی اشاعت کے بہت لوگ خواہاں تھے۔ ڈاکٹر صاحب کے احباب بارہا تقاضا کرتے تھے کہ اُردو کلام کا مجموعہ شائع کیا جائے مگر کئی وجوہات سے آج تک مجموعہ اُردو شائع نہیں ہو سکا تھا۔ خدا کا شکر ہے کہ آخر اب شائقین کلام اُردو کی یہ دیرینہ آرزو برآئی اور اقبال کی اُردو نظمیں کا مجموعہ شائع ہوتا ہے جو دو سو بانوے صفحات پر مشتمل ہے اور تین حصوں پر تقسیم ہے۔

حصہ اول میں ۱۹۰۵ء تک کی نظمیں ہیں، حصہ دوم میں ۱۹۰۵ء سے ۱۹۰۸ء تک کی اور حصہ سوم میں ۱۹۰۸ء سے لے کر آج تک کا اُردو کلام ہے۔ یہ دعوے سے کہا جا سکتا ہے کہ اُردو میں آج تک کوئی ایسی کتاب شاعر کی موجود نہیں ہے جس میں خیالات کی پسراوانی ہو اور اس قدر مطالب معانی یکجا ہوں۔ اور کیوں نہ ہو ایک صدی کے چارم حصے کے مطالعے اور تجربے اور مشاہدے کا نچوڑ اور سیر و سیاحت کا نتیجہ ہے۔ بعض نظموں میں ایک ایک شعر اور ایک ایک مصرع ایسا ہے کہ اُس پر ایک مستقل مضمون لکھا جاسکتا ہے۔ یہ مختصر مضمون جو بطور دیباچہ لکھا گیا ہے اس میں مختلف نظموں کی تنقید یا مختلف اوقات کی نظموں کے باہم مقابلے کی گنجائش نہیں، اس کے لیے اگر ہو سکا تو میں کوئی اور موقع تلاش کروں گا۔ سر دست میں صاحبانِ ذوق کو مبارک باد دیتا ہوں کہ اُردو کلیاتِ اقبال اُن کے سامنے رسالوں اور کلدستوں کے اوراق پریشاں سے نکل کر ایک مجموعہ دل پذیر کی شکل میں جلوہ گر ہے اور اُمید ہے کہ جو لوگ مدت سے اس کلام کو یکجا دیکھنے کے مشتاق تھے، وہ اس مجبوعے کو شوق کی نگاہوں سے دیکھیں گے اور دل سے اس کی قدر کریں گے۔

آخر میں اُردو شاعری کی طرف سے میں یہ درخواست قابلِ مصنف سے کرتا ہوں کہ

وہ اپنے دل و دماغ سے اُردو کو وہ حصہ دیں جس کی وہ مستحق اور محتاج ہے۔ خود انھوں نے غالب کی تعریف میں چند بند لکھے ہیں جن میں ایک شعر میں اُردو کی حالت کا صحیح نقشہ کھینچا ہے۔

کیسوتے اُردو ابھی منت پذیر شانہ ہے

شمع یہ سودا آئی دلسوزی پروانہ ہے

ہم ان کا یہ شعر پڑھ کر ان سے یہ کہتے ہیں کہ جس احساس نے یہ شعر ان سے نکلوا یا تھا، اُس سے کام لے کر اب وہ پھر کچھ عرصے کے لیے کیسوتے اُردو کے سنوارنے کی طرف متوجہ رہیں اور ہمیں موقع دیں کہ ہم اسی جُموعۃ اُردو کو جو اس قدر دیر کے بعد چھپا ہے، ایک دوسرے قیامت اُردو کا پیش خمیہ سمجھیں۔



الفن

قدت المحبہ ستم ہے۔

انہی کو ملاز جو بنایا۔ راز اگر کائنات سے چھپایا
نہ توفیق آئی، کھنڈ سر محمدؐ کی کا
جنت اعز و انتہا ہے
آئینہ گوہر لعد کیا ہے

گے رسم خرام بیج دریا۔ دریا کوئے مکر حاد بہا
بلادل کو ہوا رطوبت۔ شانیں سلجھا لالہ
نار مشعل سرب قہر۔ زندان ملک ماہر
خوشنودہ عابد سحر۔ لاد و لایم بر سر
نزد بناروں لہر جہر۔ پندتک سخن ہاشر
دل و دلیہ پیمانی۔ سرشت کے موز ہر
کتابیہ پندتک لایم
کتابیہ پروندہ رات ہے

۲۸

باقی ہے در

۳۲

حصہ اول

(..... ۱۹۰۵ء تک)

۲۹

بانگ درا

۳۳

یارب دل سیم کو کہ زنتہ بخاؤں - جو قلب کو گم مار جو دیر کویاں دے
 پھر وادی نادرک برزہ کو چکاؤں - جو فوق تماش و چو ذوق قشماں دے
 محرم تماش کو جو دیر باہر بناؤں - دیکھ کر جو کچھ پیے اوروں کو ویراں دے
 کچھ ہزارا جو پوچھوئے حرم بناؤں - ہر شریک فرماؤں کہ جو دست خوار دے
 ارورہ غلط مہر قلب پرش کو - در داغ قفس جو ہا خواراں دے
 پیرادل دردم جو کز شریک کر - ہر صفت کی کو خوش برید دے
~~تشنہ شریک کی گناہ کو چھوڑ دے - ہر بار دیر باہر دے~~
 یہ صفت صالح ہوں کہ در شریکوں کا - تانہ را سلف مع قیاس کو دے
 رشتہ شمع سرگرم ہوئی نازک - جھو وری کا ساحل و آرزوی دریا دے
 نہ کوئی قفس نہ بے بار و بار - نیو کام اب ہر کرم و رستہ بنا دے
 چار غارت کے حکمران ہوتے - امیر و وزیر و سر و سر دار دے
~~نہ کوئی قفس نہ بے بار و بار - نیو کام اب ہر کرم و رستہ بنا دے~~
 نذر ہر شریک کو خوار ہونا - واز غلے شوق و باران زینا دے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ہمالہ

اے ہمالہ! اے فصیل کشور ہندوستان چومتا ہے تیری پیشانی کو خجک کر اسکا
تجھ میں کچھ پیدا نہیں دینا یہ روزی کے مثال تو جواں ہے کہ در شام و سحر کے درمیاں

ایک جلوہ تھا کلیم طور سینا کے لیے
تو تجلی ہے سراپا چشم بینا کے لیے

اتحانِ دیدہ ظاہر میں کوہِ ستاں ہے تو پاسباں اسیا ہے تو دیوارِ ہندوستان ہے تو
مطلعِ اولِ فلک جس کا ہو وہ دیواں ہے تو سوتے خلوت کا وہ دل و بدن شہرِ انساں ہے تو

برف کے باندھی ہے ستارِ فضیلت تیرے

خندہٴ ن ہے جو کلاہِ سرِ عالم تاب پر

تیری عمرِ فرستہ کی اک آن ہے عہدِ کائنات
واویوں میں بہتی ہی کالی لکھنا تین سینہ

چوٹیاں تیری شریا سے ہیں سرگرم سخن
تو نہیں پراور پہناتے فلک تیرا وطن

چشمہ دامن ترا آئینہ سیال ہے

دامن موج ہوا جس کے لیے وصال ہے

ابر کے ہاتھوں میں پوار ہوا کے واسطے
تازیانہ دے دیا برق سر کھسار نے

اے ہمالہ کوئی بازی کا ہے تو بھی جسے
دستِ قدرت بنایا ہے عناصر کے لیے

ہائے کیا فرطِ طرب میں جھومتا جاتا ہے ابر

فیل بے زنجیر کی صورت اڑا جاتا ہے ابر

جنبشیں موجِ نسیم سج کھوارہ بنی
جھومتی ہے نشہ ہستی میں ہر گل کی کلی

یوں بانِ برل سے گویا ہے اس کی خاموشی
دستِ گلچیں کی جھٹکیں نے نہیں دیکھی کبھی

کہہ رہی ہے میری خاموشی ہی افسانہ مرا

گنجِ خلوت خانہ قدرت ہے کاشانہ مرا

آتی ہے تیری سراز کوہ سے قاتی ہوتی
کوثر و نسیم کی موجوں کو شکاری ہوتی

آئندہ سا شاہِ قدرت کو دکھلاتی ہوتی
سب سے گاہِ پستی گاہِ ٹکراتی ہوتی

پھیڑتی جا اس عراقِ دل نشیں کے سار کو

اے مسافرِ دل سمجھتا ہے تری آواز کو

یہی شب کھولتی ہے آگے جب لُف سا وہی دل کھینچتی ہے ہر ایشاؤں کی صدا

وہ خموشی شام کی جس پر تکلم ہو فدا وہ درختوں پر فنکار کا سماں چپایا ہوا

کانپتا پھرتا ہے کیا رنگِ شفق لہسا پر

خوشنما لگتا ہے عینِ ازہ ترے رخسار پر

اے ہمالہ! داستانِ اُس وقت کی کوئی سنا مسکین آبلے انساں جب بنا وہن ترا

کچھ بتا اُس سیدھی ساوی زندگی کا سہرا داغ جس پر غارِ رنگِ تکلف کا رہتا

ہاں دکھا دے اے تصویر پھر وہ صبحِ شام تو

دور پیچھے کی طرف اے گردشِ ایام تو

گلِ زندیں

تو شام سے خراشِ عقدہ مشکل نہیں اے گلِ زندیں تیرے پہلو میں شاید دل نہیں

زیب محفل ہے شریکِ شورشِ محفل نہیں یہ فراغتِ بزمِ ہستی میں مجھے حاصل نہیں

اس چین میں میں سراپا سوز و ساز آرزو

اور سیری زندگی بے گداز آرزو

توڑ لینا شاخ سے تہجد کو مرا آہیں نہیں یہ نظر غیر از نگاہ چشم صہوت میں نہیں

آہ! یہ دست بھانجولے گل زندیں نہیں کس طرح تہجد کو یہ بھجاؤں کہ میں گلچیں نہیں

کام مجھ کو دیدہ چمکتے الجھٹیروں سے کیا

دیدہ بے بل سے میں کرتا ہوں نظارہ ترا

سوز بانوں پر بھی خاموشی تہجے منطوب ہے راز وہ کیا ہے ترے سینے میں جو مستوب ہے

میری صورت تو بھی اک برگ ریاض طوب ہے میں چین سے دور ہوں تو بھی چین سے فو ہے

مطمئن ہے تو پریشان مثل بورتا ہوں میں

زخمی ششیر ذوق جستجو رہتا ہوں میں

یہ پریشانی مری سامانِ حیات نہ ہو یہ جگر سوزی چراغِ خانہ چمکتے نہ ہو

ناتوانی ہی مری سزا یہ قوت نہ ہو رشکِ جامِ بزمِ مرا آئینہ حیرت نہ ہو

یہ تماشائے متصل شمع جہاں فروز ہے

توسن اور اک انس کو خرامِ امن ہے

عہدِ طفلی

تھے دیارِ نو زمینِ آسماں میرے لیے وسعتِ آغوشِ مادرِ اک جہاں میرے لیے
تھی ہر اک جنبشِ نشانِ لطفِ جاں میرے لیے حرفِ بے مطلبِ تھی خود میری جاں میرے لیے
دورِ طفلی میں اگر کوئی رلاتا تھا مجھے

شورشِ زنجیرِ در میں لطفِ آتا تھا مجھے

تکتے رہنا ہائے اوہ پروں تک سُوتے تھے وہ پھٹے بادل میں بے آوازِ پاؤں کا سفر
پوچھنا رہ کے اُس کے کوہِ صحرائی خبر اور وہ حیرتِ دروغِ مصلحتِ امیز پر

آنکھِ وقفِ دید تھی لبِ مائلِ گفتار تھا

دل نہ تھا میرا سراسرِ پاؤںِ وقِ ہفتا تھا

مرزا غالب

فکرِ انساں پر تری ہستی سے یہ روشن ہوا ہے پر مرغِ تخیل کی رسائی تاکجا
تھا سراپا روحِ تو، بزمِ سخنِ پیکرِ ترا زنجیرِ بے پناہی بھی رہا بھنسل بھی ہا

وید تیری آنکھ کو اس حسن کی منظوم ہے

بن کے سوز زندگی ہر شے میں جوستو ہے

محفل ہستی تری بر لب سے ہے سرمایہ دار جس طرح ندی کے نغموں سے کھوت کو ہمار

تیرے فرد و بخشیل سے ہے قدرت کی بہا تیری کشت فکر سے اگتے ہیں عالم سبز و وا

زندگی مضمر ہے تیری شوخی تحریر میں

تاب کو یانی جے جنش ہے لب تصویر میں

نطق کو سونا زہین تیرے لب عجب زار محو حیرت ہے ثریا فست پڑا زار

شاہد مضمون تصدیق ہے تیرے انداز پر خندہ زن ہے غنچہ پتہ دلی گل شیراز پر

آہ! تو اُٹھری ہوئی دلی میں آہیڈ ہے

گلشن و میر تیس یہ لہو نوا خواہیڈ ہے

لطف کو یانی تیس یہ ہری ہری مکن نہیں چوختیل کا نہ جت مک فکر کا مل ہم شیں

ہائے اب کیا ہو گئی ہندوستان کی سر میں آہ! لطف رہ آموز نگاہ مست رہیں

• دیر : جرمنی کا مشہور شاعر گوٹے اس جگہ مہ فون ہے

کیسے آرد و ابھی منت پذیر شائے

شمع یہ سودائی و سوزی پروا ہے

اے جہان آباد اے گوارہ عسلم ہنر
ہیں سراپا نالہ خاموش تیرے بام در

فترے فترے میں ترخے اہل شمس و قمر
یوں تو پوشیدہ ہیں سرخی خالک میں لاکھوں

دفن تجھ میں کوئی فخر زکار ایسا بھی ہے؟

تجھ میں پس کوئی موتی آب ایسا بھی ہے؟

ابر کو ہسار

ہے بلند می سے فلک بوس شمع میرا
ابر ہسار ہوں گل پاش ہے امن میرا

کبھی صحرا بھی گلزار ہے سکون میرا
شہر ویرانہ مرا ہجر مرا، بن میرا

کسی آدمی میں جو منظور ہو سونا مجھ کو

سبزہ کوہ ہے منجے گل کا بچھونا مجھ کو

مجھ کو قدرت نے سکھایا ہے افسان ہونا
ناتقہ شاہدِ حست کا حُدی خواج ہونا

عنم دوائے دل افسردہ بہت ہونا
رونقِ بزمِ جوانانِ گلستاں ہونا

بن کے کیونچ ہستی پہ بھرتا ہوں

شانہ موجبہ صہرے سنو جاتا ہوں

دور سے یق آید کہ ترستا ہوں کسی بستی سے جو خاموش گن جاتا ہوں

سیر کرتا ہوں جسم لب بچھاتا ہوں بالیاں نہر کو لڑا ب کی پھٹاتا ہوں

سبزہ مزع نوخیز کی تہی میں

زاق بھڑن بڑوہ خورشید میں

چشمہ کوہ کوہی شورش قلزم میں نے اور پرندوں کو کیس محترم میں نے

سر پہ پنے کے کھڑے ہو کے کہا قلم میں نے غنچہ گل کو دیا ذوق تبسم میں نے

فیض سے میرے نمونے ہر شبتانوں کے

جھوٹے امن کسار میں ہمتانوں کے



ایک مکڑا اور مکھی

(ماخوذ)

بچوں کے لیے

اک دن کسی مکھی سے یہ کہنے لگا مکڑا
لیکن مری کٹیا کی نہ جالی کبھی قسمت
غیروں سے نہ ملے تو کوئی بات نہیں ہے
اوجو کے گھر میں تو عزت ہے یہ میری
مکھی نے سنی بات جو مکڑے کی تو بولی
اس حال میں مکھی کبھی آنے کی نہیں ہے

اس واہ سے ہوتا ہے گزر روز تھارا
بھولے سے کبھی تم نے یہاں پاؤں نہ رکھا
اپنوں سے مگر چاہیے یوں کھینچ کے نہ رہنا
وہ سامنے سیرھی ہے جو منظور ہو آنا
حضرت! کسی نادان کو دیکھے گا یہ دھوکا

اس حال میں مکھی کبھی آنے کی نہیں ہے
جو آپ کی سیرھی یہ چڑھا پھر نہیں اُترا

مکڑے نے کہا واہ! فریبی مجھے سمجھے
منظور تمھاری مجھے خاطر تھی ورنہ
اڑتی ہوئی آئی ہو خدا جانے کہاں سے
تم سا کوئی نادان زمانے میں ہو گا
کچھ فائدہ اپنا تو مرا اس میں نہیں تھا
ٹھہرو جو مکے گھر میں تو ہے اس میں بُرا کیا

اس گھر میں کتنی تم کو دکھانے کی ہیں چیزیں
 باہر سے نظر آتا ہے چھوٹی سی کُئی شیا
 لٹکے ہوئے دروازوں پر بار بار پس پردے
 دیواروں کو آئینوں کے ہیں نے سجایا
 مہمانوں کے آرام کو خاطر ہیں سمجھو نے
 ہر شخص کو سماں یہ میسر نہیں ہوتا
 مکھی نے کہا خیر یہ سب ٹھیک ہے لیکن
 میں آپ کے گھر آؤں یہ آپ نہ رکھنا

ان نرم بچھونوں سے خدا مجھ کو بچائے

سو جائے کوئی ان پر تو پھر اٹھ نہیں سکتا

کمرے نے کہا دل میں سنی بات جو اُس کی
 پھانسیوں کے س طرح یہ کم بخت ہے دانا
 سو کا غم شام سے نکلتے ہیں جہاں میں
 دیکھو جسے دنیا میں خوشامد کا ہے بنا
 یہ سوچ کے مکھی سے کہا اُس نے بڑی بیبا
 اللہ نے بخشا ہے بڑا آپ کو رتبہ
 ہوتی ہے اُسے آپ کی صوٹ سے محبت
 جو جس نے بھی ایک نظر آپ کو دیکھا
 آنکھیں ہیں کہ پیسے کی چمکتی ہوئی کنیاں
 سر آپ کا اللہ نے کلنی سے سجایا
 خیر سن یہ پوشاک، یہ خوبی، یہ صفائی
 مکھی نے سنی جب یہ خوشامد تو پس بھی
 انکار کی عادت کو سمجھتی ہوں نہیں
 پھر اس چ قیامت ہے یہ اڑتے ہوئے گانا
 بولی کہ نہیں آپ کے مجھ کو کوئی لٹکا
 سچ یہ ہے کہ دل توڑنا اچھا نہیں ہوتا

یہ بات کہی اور اڑی اپنی جگہ سے پاس آتی تو مڑے نے اچھل کر اُسے پکڑا

بھوکا تھا لئی رُسے اب ہاتھ جو آتی

آرام سے گھر بیٹھ کے مکتھی کو اڑایا

ایک پہاڑ اور گھری

(ماخوذ از امیرسن)

بچوں کے لیے

کوئی پہاڑ یہ کہتا تھا ال گھری سے تجھے ہوشم تو پانی میں جا کے ڈوب کر

ذرا سی چیز ہے اس پر غر ز کیا کہنا یہ عقل اور یہ سمجھ، یہ شعور کیا کہنا!

خدا کی شان ہے نا چیز چیز بن مٹھیں جو بے شعور ہوں یوں باتمیز بن مٹھیں

تری بساط ہے کیا سیری شان کے اگے زمیں ہے پست مری آن بان کے اگے

جو بات مجھ میں سمجھ کو وہ ہے نصیب کہا

بھلا پہاڑ کہاں جانور غریب کہا

کہا یہ سن کے گھری نے منہ سنبھال دیا یہ کچھ باتیں ہیں دل سے انھیں نکال دیا

جو مین ٹہمی نہتیں سیری طرح تو کیا پروا
نہیں ہے تو بھی تو آخر مری طرح چھوٹا
ہر ایک چیز سے پیدا خدا کی قدر سے
کوئی بڑا کوئی چھوٹا یہ اُس کی حکمت سے
بڑا جہان میں تجھ کو بنا دیا اُس نے
مجھے درخت پہ چڑھنا سکھا دیا اُس نے
قدم اٹھانے کی طاقت نہیں اتجھ میں
بڑی بڑائی ہے خوبی ہے اور کیا تجھ میں
جو تو بڑا ہے تو مجھ سا ہنر دکھا مجھ کو
چھپا لیا ہے ذرا تو ڈر کر مجھ کو

نہیں ہے چیز قیمتی کوئی زمانے میں
کوئی بڑا نہیں قدرت کے کاخانے میں

ایک کائے اور بلبری

(مانو)

بچوں کے لیے

اَل چرالہ ہری بھری تھی لہیں
تھی سراپا بہار جس کی زمیں
کیا سماں اُس بہار کا ہویاں
ہر طرف صاف ندیاں تھیں رواں
تھے اناروں کے بے شمار درخت
اور پیل کے سایہ دار درخت

ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں آتی تھیں
 کسی ندی کے پاس اک بدمی
 جب ٹھہر کر ادھر ادھر دیکھا
 پہلے جھاک کر اسے سلام کیا
 کیوں بڑی بی! مزاج کیسے ہیں
 کٹ رہی ہے بڑی بھلی اپنی
 جان پر آہنی ہے کیا کیسے
 دیکھتی ہوں خدا کی شان میں
 زور چلتا نہیں عنبر یوں کا
 آدمی سے کوئی بھلا نہ کرے
 دودھ کم دوں تو بڑھاتا ہے
 ہتھکنڈوں سے غلام کرتا ہے
 اس کے بچوں کو پالتی ہوں میں
 بدے نیکی کے یہ بُرائی ہے

طائروں کی صدا آتی تھیں
 چرتے چرتے کہیں سے آنکلی
 پس اک گائے کو کھڑے پایا
 پھر سیتے سے یوں کلام کیا
 گائے بولی کہ خیر اچھے ہیں
 ہے مصیبت میں زندگی اپنی
 اپنی قسمت بُری ہے کیا کیسے
 رو رہی ہوں بُروں کی جان میں
 پیش آیا لکھا نصیبوں کا
 اس سے پالا پڑے خدا نہ کرے
 ہوں جو ڈوبی تو بیچ لھاتا ہے
 کہن منبر یوں سے رام کرتا ہے
 دودھ سے جان ڈالتی ہوں میں
 میرے اللہ! تری دہاتی ہے

سُن کے بکری یہ ماجرہ اسارا
 بات سچی ہے بے مزا لگتی
 یہ چہرہ الہ، یٹھنڈی ٹھنڈی ہوا
 اسی خوشیاں ہمیں نصیب
 یہ مزے آدمی کے دم سے ہیں
 اس کے دم سے ہے اپنی آبادی
 سوطرچ کا بنوں میں ہے کھٹکا
 ہم یہ احسان ہے بڑا اس کا
 قدر آرام کی اگر سمجھو
 گائے سُن کر یہ بات شرمائی
 دل میں پرکھا بھلا بُرا اُس نے
 بولی، ایسا گلہ نہیں اچھپ
 میں کہوں گی مگر خدا لگتی
 یہ ہری کھاس اور یہ سایا
 یہ کہاں بے زبان غریب
 نطف سارے اسی کے دم سے ہیں
 قید ہم کو بھلی کہ از آدمی
 واں کی گزراں سے بچاتے خدا
 ہم کو زیب نہیں گلا اس کا
 آدمی کا کبھی گلہ نہ کرو
 آدمی کے گلے سے پھٹائی
 اور کچھ سوچ کر کہا اُس نے

یوں تو چھوٹی ہے ذات بکری کی
 دل کو لگتی ہے بات بکری کی



بچے کی دعا

(ماخوذ)

بچوں کے لیے

لب پہ آتی ہے دُعا بن کے تنست میری
زندگی شمع کی صورت ہو خدا یا میری
دُور دنیا کا مرے دُم سے اندھیرا ہو جائے
ہر جگہ میرے چمکنے سے اُجالا ہو جائے
ہو مرے دُم سے یونہی میرے وطن کی زینت
جس طرح پھول سے ہوتی ہے چمن کی زینت
زندگی ہو مری پروانے کی صورت یا رب
علم کی شمع سے ہو مجھ کو محبت یا رب
ہو مرا کام عنریبوں کی حمایت کرنا
دروندوں سے ضعیفوں سے محبت کرنا

مرے اللہ! بُرائی سے بچانا مجھ کو
نیک جو راہ ہو اُس رہ پہ چلانا مجھ کو

ہمدردی
(مانخو از ولیم کوپر)
بچوں کے لیے

ٹھنی پہ کسی شجر کی تنہا
کہتا تھا کہ رات سر پہ آتی
پہنچوں کس طرح اشیان تک
سُن کر ٹبل کی آہ و زاری
حاضر ہوں مدد کو جان و دل سے
کیا غم ہے جو رات ہے اندھیری
اللہ نے دی ہے مجھ کو مشعل
ٹبل تھا کوئی اُداس بیٹھا
اُڑنے چکنے میں دن گزارا
ہر چیز پہ چھپا لیا اندھیرا
جگنو کوئی پاس ہی سے بولا
کیسٹرا ہوں اگرچہ میں فراسا
میں راہ میں روشنی کروں گا
چمکا کے مجھے دیا بنایا

ہیں لوگ وہی جہاں میں اچھے
آتے ہیں جو کام دوسروں کے

ماں کا خواب

(ماخوذ)

بچوں کے لیے

میں سوئی جاں شب تو دیکھا یہ خواب
یہ دیکھا کہ میں جا رہی ہوں کہیں
لڑتا تھا ڈر سے مرا بال بال
جو کچھ جسد پاک کے آگے بڑھی
زمر دسی پوشاک پہنے ہوئے
وہ چپ چاپ تھے آگے پیچھے روئے
اسی سوچ میں تھی کہ میرا پر
وہ پیچھے تھا اور میں چلتا نہ تھا
کہا میں نے نہ چپان کر میری جاں!
جدائی میں رہتی ہوں میں بے قرار
بڑھا اور جس سے مرا اضطراب
اندھیرا ہے اور راہ ملتی نہیں
قدم کا تھا دہشت سے اٹھنا محال
تو دیکھ قطار ایک لڑکوں کی تھی
دیے سب کے ہاتھوں میں جلتے ہوئے
خدا جانے جانا تھا ان کو کہاں
مجھے اُس جماعت میں آیا نظر
دیا اُس کے ہاتھوں میں جلتا نہ تھا
مجھے چھوڑ کر آگے تم کہاں؟
پروتی ہوں ہر روز اشکوں کے ہا

نہ پروا ہم ساری ذرا تم نے کی گئے چھوڑ، اچھی وفا تم نے کی!
 جو بچے نے دکھ سارا بیچ و تاب دیا اُس نے منہ پھیر کر یوں جواب
 رلاتی ہے تجھ کو جُدا تی مری نہیں اس میں کچھ بھی جُدا تی مری
 یہ کہہ کر وہ کچھ دیر تک چُپ رہا دیا پھر دکھ کر یہ کہنے لگا
 سمجھتی ہے تو ہو گیا کیا اسے؟

ترے آنسوؤں نے بُجھایا اسے!

پرنس کی فریاد

بچوں کے لیے

اتنا ہے یاد مجھ کو گزرا سوا زمانا وہ باغ کی بہاریں وہ سب کا چھپانا
 آزادیاں کہاں وہ اب اپنے لھو نسلے کی اپنی خوشی سے اُٹا اپنی خوشی سے جانا
 لگتی ہے چوٹِ دل پُر اتنا ہے یاد جس دم شبنم کے آنسوؤں پر کلیوں کا سُکرا نا
 وہ پیاری پیاری صوِرت وہ کا منی ہی موت ابا د جس کے دم سے تھا میرا اُشیانا

اتنی نہیں آئیں اُس کی مرے قفس میں

ہوتی مری ہا تی اے کاش میرے بس میں!

کیا بے نصیب ہیں میں کھر کو ترس رہا ہوں ساتھی تو ہیں وطن میں میں قید میں بیٹھا ہوں
 اتنی بہار کلیاں بھولوں کی ہنس رہی ہیں میں اس اندھیرے کھر میں قسمت کو رہا ہوں

اس قید کا الہی اڈکھڑا کسے سناؤں

ڈرے یہیں قفس میں میں عن نسیم سے مر نہ جاؤں

جب سے چمن چھٹا ہے یہ حال ہو گیا ہے دل غم کو کھارہا ہے غم دل کو کھارہا ہے
 گانا ہے سمجھ کر خوش ہوں نہ سننے والے دکھے ہوئے دلوں کی فنیادیو یہ صدا ہے

ازاد مجھ کو کر دے اوقید کرنے والے!

میں بے زبان ہوں قیدی تو چھوڑ کر دے

خفتگانِ حال سے استفسار

مہر روشن چھپ گیا اٹھی نقابِ رُوشن شانہ ہستی ہے بکھرا ہوا کیسوتے شام
 یہ سیہ پوشی کی تیاری کسی کے غم میں ہے محفلِ قدرت مگر خورشید کے ماتم میں ہے
 کر رہا ہے آسمان جاؤ بلبِ گفتار پر ساحرِ شب کی نظر ہے دیدِ بیدار پر
 غوطہ زن دریائے حنا موشی میں موج ہوا ہاں مگر اک دور سے اتنی ہے آوازِ درا

دل کہ ہے بے تابی الفت میں دنیا سے نفو
کھینچ لایا ہے مجھے ہنگامہ عالم سے دور

منظرِ حرمِ ناصی کی تماشا آتی ہوں میں

ہم نشینِ جنتِ کانِ کنجِ تنہائی ہوں میں

تھم در بے تابی دل بیٹھ جانے دے مجھے
اور اس بستی پہ چار آنسو گرانے دے مجھے

اے غفلت کی سرستو! کہاں رہتے ہو تم؟
کچھ کہو اس دس کی آخر جہاں رہتے ہو تم؟

وہ بھی حیرت خانہ امر و نہر ہے کوئی؟
اور پیکارِ عینِ صبر کا تماشا ہے کوئی؟

اومی! اں بھی صباِ غم میں ہے محسوس کیا؟
اُس لایت میں بھی ہے انسان کا دل مجبور کیا؟

واں بھی جہل مرتا ہے سوزِ شمع پر پرانا نہ کیا؟
اُس چین میں بھی گلِ غمِ بے افسانہ کیا؟

یاں تو اک مصرع میں پسو سے نکل جاتا ہے دل
شعر کی لہری سے کیا اں بھی پھل جاتا ہے دل؟

رشتہ و پیوندی کے جان کا آزار ہیں
اُس گستاخ میں بھی کیا ایسے ٹکدے خار ہیں؟

اس جہاں میں اک معیشت اور سوا افتاد ہے
روح کیا اُس دس میں اس فکر سے آزاد ہے؟

کیا وہاں بجلی بھی ہے وہاں بھی ہے خرمن بھی ہے؟
قلندارے بھی ہیں اندیشہ ریزن بھی ہے؟

تنگے چنتے ہیں وہاں بھی آشیایں کے واسطے؟
خشتِ گل کی فکر ہوتی ہے کھال کے واسطے؟

واں بھی انساں اپنی صہیت سے بیکار نہ ہیں کیا؟
امیازِ ملت و آئین کے دیوانے ہیں کیا؟

واں بھی کیا منیر باؤمبل چرچن رہتا نہیں؟
اس جہاں کی طرح اس بھی بڑا دل ہوتا نہیں؟

باغ ہے فردوس یا اک نسزل آرام ہے؟
کیا جہنم مصیبت نری کی اک ترکیب ہے؟
کیا عوض رفتا کے اُس ریس میں پرواز ہے؟
اضطرابِ دل کا سماں یاں کی ہست بود ہے؟
ویدے تے سکین پات ہے دل مجبور بھی؟
جستجو میں ہے ہاں بھی رُوح کو آرام کیا؟
اہ! وہ کشور بھی تاریکی سے کیا مہمور ہے؟
یا رنج بے پردہ حسنِ ازل کا نام ہے؟
آگ کے شعلوں میں نہاں قصیدہ دہ ہے؟
موت کہتے ہیں جسے ازل میں کیا راز ہے؟
علمِ انساں اُس لایت میں بھی کیا محدود ہے؟
لکن ترانی کہہ رہے ہیں وہاں کے طوط بھی؟
واں بھی انساں ہے قسطنطنیہ وقِ استفہام کیا؟
یا محبت کی تحبلی سے سراپا نور ہے؟

تم بتا دو راز جو اس کنبہ کرداں میں ہے
موت اک چھتا ہوا کا نسا دل انساں میں ہے

شمع و پروانہ

پروانہ تجھ سے کرتا ہے اے شمع پیار کیوں
یہ جان بے قرار ہے تجھ پریشاں کیوں

سیاب وار رکھتی ہے تیری ادا سے
 کرتا ہے یہ طواف تری جدوہ کاہ کا
 آداب عشق تو نے سکھائے ہیں کیا ہے؟
 از آرموت میں اسے آرام جاں ہے کیا؟
 پھونکا ہوا ہے کیا تری برق نگاہ کا؟
 غم خانہ جہاں میں جو تیری ضیاء ہو
 شعلے میں تیرے زندگی جاوداں ہے کیا؟
 اس نفستہ دل کا نخل تنہا ہر آنہ ہو
 کرنا ترے حضور میں اس کی نماز ہے
 نتھے سے دل میں لذت سوز و لذائذ ہے
 کچھ اس میں جو عشقِ حُسنِ قدیم ہے
 چھوٹا سا طور تو، یہ ذرا سا حکیم ہے

پروانہ اور ذوق تماشا سے روشنی
 کیڑا ذرا سا اور تماشا سے روشنی

عقل و دل

عقل نے ایک دن یہ دِل سے کہا
 ہوں زمیں پر، گزر فلک پہ مرا
 بھولے بھٹکے کی رہنما ہوں میں
 دیکھ تو کس قدر رسا ہوں میں
 مثلِ خضرِ خجستہ پا ہوں میں
 کامِ دنیا میں رہ رہی ہے برا
 ہوں مفترِ کتبتِ بستی کی
 منظرِ شانِ کبریا ہوں میں

بوندِ اک خون کی ہے تُو لسیکن
 دل نے سن کر کہا یہ سب سچ ہے
 رازِ ہستی کو تُو سمجھتی ہے
 ہے تجھے واسطہ مظاہر سے
 علمِ تجھ سے تو معرفتِ مجھ سے
 علم کی اتہاس ہے بے تابی
 شمع تُو محفلِ صداقت کی
 تُو زمان و مکاں سے رشتہ بیا
 غیرتِ لعلِ بے بہا ہوں میں
 پر مجھے بھی تو دیکھ لے ہوں میں
 اور آنکھوں سے دیکھتا ہوں میں
 اور باطن سے آشنا ہوں میں
 تُو حندِ اجو حندِ انما ہوں میں
 اس مرض کی مگر دوا ہوں میں
 حُسن کی بزم کا دیا ہوں میں
 طائرِ سدرہ آشنا ہوں میں

کس بندی پہ ہے ہمتِ امِ مرا
 عرشِ تبِ حبیل کا ہوں میں

صدائے درد

جل ہا ہوں کل نہیں پڑتی کسی پہلو مجھے
 سر میں اپنی قیامت کی نفاق انگیز ہے
 ہاں بوندے اے محیطِ آبِ گنگا تو مجھے
 وصل کیسیاں تو اک قُربِ فراق انگیز ہے

بدلے یک رنگی کے یا آشنائی ہے غضب
ایک ہی سرس کے دانوں میں جلائی ہے غضب
جس کچھ لوگوں میں اخوت کی ہوا آئی نہیں
اُس سپن میں کوئی لطفِ نغمہ پیرائی نہیں

لذتِ قربِ سیقی پر مٹا جاتا ہوں میں

اختلاطِ حوبہ ساحل سے گھبراتا ہوں میں

دانہ خرمین بس ہے شمعِ معجز بیاں
ہو نہ خرمین ہی تو اس دانے کی ستی کھپاں
حسن ہو کیا خودِ صاحبِ کوئی مائل ہی ہو
شمع کو جلنے سے کیا مطلب جو محفل ہی ہو
ذوقِ گویائی حسِ شوشی سے بٹتا کیوں نہیں
سیرے آئینے سے یہ جو ہر نکلتا کیوں نہیں

کب بیاں کھولی ہماری لذتِ گفتار نے

چھوٹا ٹالا جب چمچِ آتشِ سکاری نے

آفتاب

(ترجمہ گایتری)

اے آفتابِ رُوح و روانِ جہاں ہے تُو
شیرازہ بندِ دستہ کون ساں ہے تُو
باعث ہے تُو وجودِ عدم کی نمود کا
ہے سبز تیرے دم سے چمن بہت بُود کا

قائم یہ غصروں کا تماشہ بھی ہے
 ہر شے کو تیری جلوہ گری سے شبات ہے
 وہ آفتاب جس سے زمانے میں نور ہے
 اے آفتاب! ہم کو ضیائے شعور دے
 ہے محفل وجود کا سماں طراز تو
 تیرا کمال ہستی ہر جاندار میں
 ہر چیز کی حیات کا پروردگار تو
 نے ابتدا کوئی نہ کوئی نہ تہا تری
 از اوقید اقل و آخر ضیاء تری

شمع

بزم جہاں میں ہیں بھیڑیں اشع نور مند
 دی عشق نے صرارت سوز و زوےں تجھے
 فریاد و گریہ صفت دانہ سپند
 اور گل فروش اشک شفق کوں کیا مجھے
 ہر شمع بزم شمس کہ شمع مزار تو
 ہر حال اشک غم سے ہی پیکار تو

یک بین تری نطفہ صفت عاشقانِ راز
 میری نگاہ مایہ آشوب امتیاز

کعبے میں سبکے میں کیساں تری ضیا میں استیاز ویر جسم میں چھپا ہوا

ہے شان آہ کی ترے دوسیاہ میں

پوشید کوئی دل ہے تری جلوہ گاہ میں؟

جلتی ہے تو کہ برق تجلی سے دور ہے بے در و تیرے سوز کو سمجھے کہ نور ہے

تو جل رہی ہے اور تجھے کچھ خبر نہیں بینا ہے اور سوز و زروں پر نظر نہیں

میں جوش اضطراب کے سیما بے ار بھی آگاہ اضطرابِ دل بے قرار بھی

تھا یہ بھی کوئی ناز کسی بے نیاز کا

احساس دے دیا مجھے اپنے گداز کا

یہ آگہی مری مجھے رکھتی ہے بقرا خوابید اس شرم میں ہیں آتش کدے ہزار

یہ استیازِ رفعت و پستی اسی سے گل میں مہک شراب میں تھی اسی سے

بستان و بیل و گل و بو ہے یہ آگہی

اصل کشاکشِ سن و ثو ہے یہ آگہی

صبح ازل جو ہواستانِ عشق آوازِ کن ہوتی تپشِ آمو ز جانِ عشق

یہ حکم تھا کہ گلشنِ کن کی بہار دیکھ ایک آنکھ لے کے خوابِ یسانِ ہزار دیکھ

مجھ سے خبر نہ پوچھ حجابِ جو دکلی
 وہ دن گئے کہ قید سے میں آشنا نہ تھا
 شامِ فسراق صبح تھی میری نو دکلی
 قیدی تھی اور قفس کو چمن جانتا ہوں میں
 زیبِ درختِ طور مرا آشیانہ تھا
 غربت کے غم کے کو وطن جانتا ہوں میں
 یادِ وطن فسردگی بے سبب بنی
 شوقِ نطن کہیں کہیں ذوقِ طلب بنی

اے شمع! انتہائے فریبِ حال دیکھ
 مضمونِ فراق کا ہوں ثرِ یاشاں میں
 مسجودِ ساکنانِ فلک کا مال دیکھ
 باندھ مجھے جو اُس نے تو چاہی میری نو
 استغابِ طبعِ ہنسِ کمونِ مکانِ حوں میں
 گوہرِ کوشتِ خاک میں پہنا پسند ہے
 تحریر کر دیا سرِ یوانِ ہست بود
 بندش اگرچہ پست ہے مضمونِ طلب ہے
 چشمِ غلطِ فکر کا یہ سارا قصور ہے
 عالمِ ظہورِ جلاوتِ ذوقِ شعور ہے
 یہ سلسلہ زمانِ مکان کا پسند ہے
 اے شمع! میں اسیرِ فریبِ نگاہ ہوں
 منزلِ کاشتِ تیاق ہے کم کردہ اہ ہوں
 باجمِ سرم بھی طائرِ باجمِ سرم بھی آپ
 صیادِ آپِ صلتِ ترومِ سرم بھی آپ
 کھلتا نہیں کہ ناز ہوں میں یا نیاز ہوں
 میں حسنِ چوں کہ عشقِ سراپا لہ از ہوں

ہاں آشنائے لب جو نہ راز کس کہیں
پھر چھپڑ نہ جلتے قصہ دار و رسن کہیں

ایک آرزو

دنیا کی مخلوق سے اکتا گیا ہوں یارب!
شورش سے بھگتا ہوں دل ٹھونڈتا ہے میرا
مرتا ہوں خاشی پڑیہ آرزو ہے میری
ازاد فکر سے ہوں عزت میں دن گزاروں
لذت سرور کی چو پٹریوں کے چھپو میں
گل کی کلی چٹاک کر پیغام دے کسی کا
ہو ہاتھ کا سر حنا سبز سے کا ہو بھینونا
مانوس اس قدر ہو صوت سے میری بیل
صف باندھے نون جانب بوٹے سر سے ہوں
ہو دل فریب ایسا کسار کا نطفہ راہ
کیا نطفہ انجمن کا جب دل ہی سمجھ گیا ہو
ایسا سکوت جس پر تیر بھی بند ہو
دہن میں کوہ کے اک چھوٹا سا جھنوپڑا
دنیا کے عنس کا دل سے کانٹا نکل گیا ہو
چشمے کی شورشوں میں باجاسا بج رہا ہو
ساعتِ روز اساکو یا مجھ کو جہاں نہا ہو
شرائے جس سے جلوت خلوت میں وہاں
نتھے دل میں اس کے کھٹکانہ کچھ مرا ہو
ندمی کا صاف پانی تصویر کے رہا ہو
پانی بھی موج بن کر اٹھ اٹھ کے دھیتا ہو

آنکھیں میں میں کی سو یا نہوا ہو سبزہ
 پانی کو چھو رہی تھک جھک کے گل کی
 مہندی لگائے سو ج جب شام کی دھن کو
 راتوں کو چنے والے چلتیں تھک کے جس دم
 بجلی چمک کے اُن کو کٹیا مری دکھائے
 پچھلے پہر کی کوئل وہ صبح کی موزون
 کانوں پہ ہونہ میسے دیر جو رسم کا احسا
 پھولوں کو اسے جس دم شب نام وضو کرنے
 اس خاشی میں جائیں اتنے بلند نالے
 پھر پھر کے جھاڑیوں میں پانی چمک رہا
 جیسے سین کوئی آئینہ دیکھتا رہا
 سرخی لیے سنہری ہر پھول کی قسب
 آئینہ اُن کی میسر اٹھوٹا ہوا دیا
 جب آسمان پہ ہر سو بادل گھبرا رہا
 میں اس کا ہم نوا ہوں وہ میری ہم نوا
 روزن ہی جھنوپٹری کا مجھ کو سحر نہا
 رونا مرا وضو ہو، نالہ مری دعا
 تاروں کے قافلے کو میری صدا اورا

ہر در و سدا دل کو رونا مرا رلا دے
 بے ہوش جو پٹے نہیں شاید انھیں جگا دے



اقصاب

شورشِ خانہٴ انساں سے بالاتر ہے تو زینتِ بزمِ فلکِ جو جس کے وہ غم ہے تو
ہو درِ کوششِ عروسِ صبح وہ کوہِ ہے تو جس پہ پائے افقِ نازاں ہو وہ زور ہے تو

صفحہٴ ایام سے دُعا و شبِ مٹا

اسماں سے نقشِ ماطل کی طرح کو کب مٹا

حُسنِ تیرا جب ابا مِ فلک سے جلوہ گر آنکھ سے اُٹتا ہے یک دم غم کی مے کا اُٹ

نور سے سمور ہو جاتا ہے دامنِ نظر کھولتی ہے چشمِ ظاہر کو ضیاءِ تیری مگر

دُھونڈتی ہیں جس کو آنکھیں وہ تماشا چاہیے

چشمِ ماطن جس سے کھل جاتے وہ جلو اچاہیے

شوقِ آزادی کے دنیا میں نہ بکھو حوصلے زندگی بھر یہ زنجیرِ عشق میں ہے

زیرِ بالا ایک ہیں تیری نگاہوں کے لیے آرزو ہے کچھ اسی چشمِ تماشا کی مجھے

آنکھ میری اور کے غم میں سرشکِ باد ہو

امیازِ ملتِ آئیں سے دلِ آزاد ہو

بستہ رنگِ خصوصیت نہ ہو میری رہا
نوعِ انساں قوم ہو میری وطن میرا جہاں
ویدہ باطن پر از نظمِ قدرت ہو عیاں
ہوشناسائے فلک شمعِ تخیل کا دھواں

عقدہ ضدِ ادا کی کاوش نہ تڑپاتے مجھے

حُسنِ عشقِ انجمنِ ہر شے میں نظر آتے مجھے

صدِ مہ آجاتے ہوا سے گل کی پتی کو اگر
اشکِ بن کر میری آنکھوں سے ٹپک جاتے اثر
دل میں سوئے محبت کا وہ چھوٹا سا شہر
نور سے جس کے ریلے از حقیقت کی خبر

شاہِ قدرت کا آئینہ ہو دل میرا نہ ہو

سر میں خیرِ ہمدردی انساں کوئی نہ ہوا نہ

تو اگر زحمت کش ہنگامِ عالم نہیں
فیضیت کا نشان اے نیرِ عظم نہیں
اپنے حُسنِ عالم آرا سے جو تو محرم نہیں
ہمسرِ یکِ فترۂ خاکِ درِ آدم نہیں

نورِ سجودِ ملکِ کرم تماشا ہی رہا

اور تومنستِ پیہِ صبحِ منہ را ہی رہا

آرزوِ نورِ حقیقت کی ہمارے دل میں ہے
سیلیِ ذوقِ طلب کا گھر اسی محل میں ہے
کس قدر لذت کشو عقدہِ مشکِ گل میں ہے
لطفِ صمدِ حاصلِ تارِ مری سے ہی حاصل میں ہے

درو استقامتے اقف ترا پہلو نہیں
جستجوئے از قدرت کا شناسا تو نہیں

دردِ عشق

اے دردِ عشق! ہے کھرا بے ار تو
پنہاں تہ نقاب ترمی جلوہ گاہ ہے
اکی نئی ہوا پسین ہست بود میں
ہاں، خود مہاتویں کی تجھے جستجو نہ ہو
پانی کی بوند کر یہ شبِ بنم کا نام ہو
پنہاں درونِ سینہ کہیں راز ہو ترا
اشکِ جگر کہ از زخمِ ترا
گویا زبانِ شاعرِ زنجیں بیاں ہو
آواز نے میں شکوہِ فُرت نہاں نہ ہو

یہ دوز نکلتے ہیں بے کہیں چھپ کے بیٹھ رہ

جس دل میں تو ملیں ہے وہیں چھپ کے بیٹھ رہ

عافل ہے تجھ سے حیرتِ علمِ آفریدہ دیکھ! جو یا نہیں ترمی نگرہ نارسیدہ دیکھ

رہنے دے جستجو میں خیال بلند کو حیرت میں چھوڑ دینے حکمت پسند کو
 جس کی بہار تو ہو یہ ایسا چمن نہیں قابل ترمی نمود کے یہ انجمن نہیں
 یہ انجمن ہے کشتہ نظارۂ محباز مقصد تری نگاہ کا خلوت سرائے از

ہر دل مے خیال کی کستی سے چور ہے
 کچھ اور آجکل کے کلیموں کا طور ہے

گل پر مُردہ

کس زبان سے اے گل پر مُردہ تجھ کو گل کہوں کس طرح تجھ کو مستائے دل بنیں کہوں
 تھی کبھی موج صبا کہوارہ چمن باں ترا نام تھا صحن گلستاں میں گل خداں ترا
 تیرے احسان کا نسیم صبح کو ہوا تھا
 باغ تیرے دم سے گویا طبع عطف تھا

تجھ پہ برساتا ہے شبنم دیدہ گریاں مرا ہے نہاں تیری اُواسی میں دلِ بیاں مرا
 میری بربادی کی ہے چھوٹی سی اک تصویر تو خواب میری زندگی تھی جس کی ہے تعبیر تو
 ہر چوئے از نیستانِ خم و حکایت می کنم بشنوائے گل از جہاں تہا شکایت می کنم

سید کی لوح تربت

اے کہ تیرا مرغِ جانِ تیرا نفس میں ہے کیا
اے کہ تیری روح کا طائرِ نفس میں ہے کیا
اس حین کے غمِ پیدائش کی آزادی تو کبھی
شہرِ حوا بھڑا ہوا تھا اس کی آبادی تو کبھی
فکرِ رہتی تھی مجھے جس کی وہ نسل ہے یہی
صبر و استقامت کی کھیتی کا حاصل ہے یہی

نگِ تربت ہے مرا کوئی تفتِ تیرا

چشمِ باطن سے اس لوح کی تحریر

مدِ عاتیرِ الدنیا میں ہے تعلیم
ترکِ دنیا قوم کو اپنی نہ سکھانا کہیں
وانہ کرنا فرستہ بندگی کے لیے اپنی زباں
چھپ کے ہے مٹھا ہوا ہنگامہِ مشرباں
وصل کے اسباب پیدا ہوں تری تحریر سے
کوئی کوئی دل نہ دکھ جاتے تری تحریر سے

محفلِ نو میں پرانی داستانوں کو نہ چھیڑ

رنگِ پر جواب نہ آئیں اُن فسانوں کو نہ چھیڑ

تو اگر کوئی مدِ تربت ہے تو سن میری صدا
ہے دلیری ستِ اربابِ سیاست کا عصا
عرضِ طلب کے جھجک جانا نہیں زیبا تجھے
نیک ہے نیت اگر تیری تو کیا پروا تجھے

بندہ مومن کا دل ہیج ویا سے پاک ہے
قوتِ فرماں روا کے سامنے بے باک ہے

ہوا کرتا تھوں میں تیرے خانہ معجزِ مسم
شیشہ دل ہوا کرتا مثالِ جامِ سم
پاک رکھ اپنی زبان تہیہِ رحمانی ہے تو
ہونہ جانے بھینسا تیری صدا بے آبرو
سونے والوں کو جگائے شعر کے اعجاز سے
خرمنِ باطل جلائے شعلہ آواز سے

ماہِ نو

ٹوٹ کر خوشید کی کشتی ہوئی عرقابِ نیل
ایک ٹکڑا تیرا پھرتا ہے رُوئے آبِ نیل
طشتِ لڑوؤں میں ٹپکتا ہے شفق کا خونِ ناب
نشرِ قدرت کے لیا کھولی ہے فصہِ آفتاب

چرخ نے بالی خیرالی ہے عروسِ شام کی

نیل کے پانی میں یا مچھلی ہے غیم کی

قافِ تیراواں بے منتِ بانگِ درا
گوشِ انساں سن نہیں سکتا تری آوازِ پرا
گھٹنے بڑھنے کا سماں آنکھوں کو دکھلاتا ہے تو
ہے وطن تیرا کہ صحرس و یس کو جاتا ہے تو

ساتھ اے سیارۂ ثابت نمائے چل مجھے خارِ حسرت کی خلش رکھتی ہے ایسے کل مجھے

نور کا طالب چوں گھبرا تا ہوں اس بستی میں میں

طفلیک سیلاب پاہوں مکتبِ بستی میں میں

انسان اور بریم قدرت

صبحِ خورشیدِ خشاں کو جو دیکھا میں نے
پر تو مہر کے دم سے ہے اُجلا تیرا
مہر نے نور کا زیور تجھے پہنایا ہے
گل و گلزار تیرے حسد کی تصویریں ہیں
سُرخ پوشاک ہے ٹھپو لوں کی درختوں کی ہری
ہے ترخمیہ کُردوں کی طبعاتی جھار
کیا بھلی لگتی ہے آنکھوں کو شفق کی لالی
رُتبہ تیرا ہے بڑا نشان بڑی تپسیری
صبحِ اک گیت سراپا ہے تری سطوت کا
بریم معمورۂ بستی سے یہ پوچھا میں نے
سیم سیال ہے پانی تے دریاؤں کا
تیری محفل کو اسی شمع نے چمکایا ہے
یہ بھی سورۂ دانش کی تفسیریں ہیں
تیری محفل میں کوئی سبز کوئی لال پری
بدلیاں لال سی آتی ہیں اُفق پر نطنہ
مے گلزارِ خم شام میں تو نے ڈالی
پردۂ نور میں ستور ہے ہر شے تیری
زیرِ خورشیدِ نشان تک بھی نہیں ظلمت کا

میں بھی آباد ہوں اس نور کی بستی میں مگر جل کیا پھر مری تعسیر کا اختر کنوئلر؟

نور سے نور ہوں ظلمت میں گرفتار ہوں میں

کیوں سیہ روز سیہ بخت سیہ کار ہوں میں؟

میں یہ کہتا تھا کہ آواز کہیں سے آئی باہم کروں سے ویسا صحن میں سے آئی

ہے تیرے نور سے ابستہ مری بود و بود باغباں ہے تری ہستی ہے گلزار چو

انجمن حسن کی ہے تیری تصویر ہوں میں عشق کا تو ہے صحیفہ تری تفسیر ہوں میں

میرے بگڑے ہوئے کاموں کو بنایا تو نے بار جو مجھ سے اٹھا وہ اٹھایا تو نے

نورِ خورشید کی محتاج ہے ہستی میری اور بے منتِ خورشید چمک ہے تیری

ہو نہ خورشید تو ویراں پر گلستان سیرا منزلِ عیش کی جا نام ہو زنداں سیرا

اے اے از عیاں کے نہ سمجھنے والے حلفتِ درام تمسک میں الجھنے والے

ہے غفلت کہ تری آنکھ ہے پابندِ مجاز نازیب تھا تجھے تو ہے مگر گرم نیاز

تو اگر اپنی حقیقت سے خبردار ہے

نہ سیہ روز ہے پھر نہ سیہ کار ہے



پیامِ صبح

(ماخوذ از لانگ فیلو)

اُجالا جبے اور خست جبین شب کی افشاں کا
 نسیم نہ کی سپہ سالار صبح خنداں کا
 جگایا بس رنکس نوا کو آشیانی میں
 کنائے کھیت کے شانہ پلایا اس نے دھتیاں کا
 طہیمِ طہمتِ شبِ سورہ والٹور سے تورا
 اندھیرے میں اڑایا تاجِ زرِ شمعِ شبستاں کا
 پڑھا خوابِ بیدارِ فریرِ افسونِ بیداری
 برہن کو دیا سپہ سالارِ خورشیدِ خشاں کا
 ہونے بامِ صرم پر آگے یوں گویا موتوں سے
 نہیں کھٹکا ترے دل میں نمودِ مہرِ تاباں کا
 نکاری اس طرح دیوارِ گلشنِ کھڑے ہو کر
 چٹک اغنچِ گلِ اُتو موتوں سے گلستاں کا
 دیا یہ کلمِ صحر میں چلو اے قافلے والا
 چھلنے کو ہے جھنوبن کے ہر ذرہ بیاباں کا
 سوئے گورِ غریباں جب گئی نندوں کی بستی
 تو یوں بولی نطفِ ارہ دیکھ کر شہرِ خموشاں کا

ابھی آرام سے لیٹے رہو میں بھر بھی آؤں گی
 سداؤں کی جہاں خواب سے تم کو جگاؤں گی



عشق اور موت

(ماخوذ از مثنوی سن)

سُہانی نمودِ جہاں کی لٹری تھی تبسمِ فشاں زندگی کی کلی تھی
کہیں مسر کو تاجِ زرِ بل رہا تھا عطا چاند کو چاندنی ہو رہی تھی
بسیہ پیرِ جن شام کو دے رہے تھے ستاروں کو تعلیمِ تابندگی تھی
کہیں شاخِ ہستی کو لگتے تھے پتے کہیں زندگی کی کلی پھوٹتی تھی
فرشتے سکھاتے تھے شبنم کو رونا ہنسی گل کو پہلے پہل آرہی تھی
عطا درد ہوتا تھا شاعر کے دل کو خودی تشنہ کام سے بے خودی تھی
اٹھی اول اول گھٹا کالی کالی کوئی حورِ چوٹی کو کھولے لٹری تھی

زمین کو تھا دعویٰ کہ میں آسماں ہوں

مکان کہہ رہا تھا کہ میں لامکان ہوں

غرض اس قدر نیط سارہ تھا پیارا کہ نیط سارگی ہو سدا پانٹارا
ملک آزماتے تھے پرواز اپنی جبینوں سے نورِ ازل آشکارا

فرشتہ تھا اک عشق تھا نام جس کا
 فرشتہ کہ پتلا تھا بے تاب یوں کا
 پے سیر فرو دس کو جا رہا تھا
 یہ پوچھا ترا نام کیا، کام کیا ہے
 ہوا سن کے گویا قضا کا فرشتہ
 اڑاتی ہوں میں رخت ہستی کے پرزے
 مری آنکھ میں جاوے نیستی ہے
 مگر ایک ہستی ہے دنیا میں ایسی
 شر بن کے رہتی ہے انساں کے دل میں
 شکست ہے آنکھوں سے بن بن کے آنسو
 سنی عشق نے نفست کو جب قضا کی
 گرمی اس مستم کی بجلی اسل پر
 کہ تھی رہبری اس کی سب کا سہارا
 ملک کا ملک اور پارے کا پارا
 قضا سے بلا راہ میں وہ قضا را
 نہیں آنکھ کو دید تیری گوارا
 اجل ہوں مرا کام ہے آشکارا
 بچھاتی ہوں میں زندگی کا شرارا
 پیام فنا ہے اسی کا اشارا
 وہ آتش ہے میں سامنے اس کے پارا
 وہ ہے نور مطلق کی آنکھوں کا تارا
 وہ آنسو کہ ہو جن کی تلخی گوارا
 ہنسی اس کے لب پر ہوئی آشکارا
 اندھیرے کا ہو نور میں کیا گزارا

بخت کو جو دیکھا فنا ہو گئی وہ
 قضا تھی شکار قضا ہو گئی وہ

زُہد اور رندی

اک مولوی صاحب کی سنا تاہوں کہانی
شہرہ تھا بہت آپ کی صوفی منشی کا
کہتے تھے کہ پہاں ہے تصوف میں شریعت
لبریز مئے زہد سے تھی دل کی صراحی
کہتے تھے بیاں آپ کلمات کا اپنی
مدت سے ہاتھ تھے ہمسائے میں میر
حضرت کے مرے ایک شناسا سے یہ پوچھا
پابندی احکام شریعت میں ہے کیا؟
سنا تاہوں کہ کافر نہیں ہندو کو سمجھتا
ہے اس کی طبیعت میں تشیع بھی فرسا
سمجھا ہے کہ ہے رال عبادات میں خل
کچھ عار اسے حسن فروشوں سے نہیں ہے

تیزی نہیں منظور طبیعت کی دکھانی
کہتے تھے اوبان کا اعلیٰ و ادانی
جس طرح کہ الفاظ میں مضمر ہوں سانی
تھی تہ میں کہیں دور خیال ہرسانی
منظور تھی تعداد مریدوں کی بڑھانی
تھی رند سے زاہد کی ملاقات پرانی
اقبال کہ ہے شمری شمشاد معانی
گو شعر میں ہے رشک کلیم ہدانی
ہے ایسا عقیدہ اثر فلسفہ دانی
تفصیل علی ہم نے سنی اس کی زبانی
مقصود ہے مذہب کی مگر خاک اڑانی
عادت یہ ہمارے شعرا کی ہے پرانی

گانا جو ہے شب کو تو سحر کو ہے تلاوت
 لیکن یہ سنا اپنے مریدوں کے ہے میں نے
 مجموعہ اصدادوئے اقبال نہیں ہے
 رندی سے بھی آگاہ شریعت سے بھی واقف
 اس شخص کی ہم پر تو حقیقت نہیں کھلتی
 القصد بہت طول و یا وعظ کو اپنے
 اس شہر میں جو بات ہو اڑ جاتی ہے سب
 اک دن جو سرد راہ ملے حضرت زاہد
 فرمایا شکایت وہ محبت کے سبب تھی
 میں نے یہ کہا کوئی جگہ مجھ کو نہیں ہے
 خم ہے تسلیم مرا آپ کے آگے
 گرا آپ کو معلوم نہیں میری حقیقت
 میں خود بھی نہیں اپنی حقیقت کا شناسا
 مجھ کو بھی مناسب ہے کہ اقبال کو دیکھوں

اس منزل کے اب تک نہ کھلے ہم یہ معانی
 بے داغ ہے مانند سحر اس کی جوانی
 دل و فکر حکمت ہے طبیعت خفقتانی
 پوچھو جو تصوف کی تو منصور کا ثانی
 ہو گا یہ کسی اور ہی اسلام کا بانی
 تا دیر رہی آپ کی یہ نغز بیانی
 میں نے بھی سنی اپنے اجا کی زبانی
 پھر چھپر گئی باتوں میں وہی بات پرانی
 تھا فرض مراد شریعت کی دلکھانی
 یہ آپ کا حق تھا زور و قرب مکانی
 پیری ہے تو ضلع کے سبب میری جوانی
 پیدا نہیں کچھ اس سے قصور میری جوانی
 گہرا ہے مرے بحر خیالات کا پانی
 کی اس کی جدائی میں بہت اشک فشانہ

اقبال بھی قہال سے گاہ نہیں ہے
کچھ اس میں تسخر نہیں اللہ نہیں ہے

شاعر

قوم کو یا جسم ہے افراد ہیں اعضائے قوم
منزل صنعت کے پیا ہیں دست پائے قوم
محفل نظم حکومت چہ قریبائے قوم
شاعر زندیں نوا ہے ویدہ سینائے قوم

بتلاتے رو کوئی عضو ہو توئی ہے انکھ

کس قدر ہمد و سارے جسم کی ہوتی ہے انکھ

دل

قصہ دار و رسن بازی طعن لائے دل
یارب اس ساغر لبریزی کے کیا ہوگی
ابر رحمت تھا کہ تھی عشق کی بلی یار
حسن کا گنج گراں مایہ تجھے مل جاتا
الجبائے ارنی سنجی افسانہ دل
جادو ملک بستا ہے خط پیمانہ دل
جل گئی مزرع ہستی تو اگا دانہ دل
تو نے منہ ہوا نہ لھو اکبھی ویرانہ دل
عشق کا ہے کبھی کعبہ کا ہے دھوکا اس پر
کس کی منزل ہے الہی امر کا شائد دل

اس کو اپنا ہے جنوں اور مجھے سوا اپنا
 دل کسی اور کا دیوانہ ، میں دیوانہ دل
 تو سمجھتا نہیں اے زاہدِ ناداں اس کو
 رشکِ صمدِ سجدہ ہے اک لغزشِ مستانہ دل
 خال کے ڈھیر کو اسیر بنا دیتی ہے
 وہ اثر رکھتی ہے خاکِ سترِ پُرِ اندہ دل
 عشق کے دم میں پھنس کر یہ رہا ہوتا ہے
 برق لگتی ہے تو یہ نخل ہر ہوتا ہے

موج دریا

مضطرب کھتا ہے میرا دل بے تاب مجھے
 عینِ پستی ہے تڑپِ صورتِ سیاب مجھے
 موج ہے نام مرا، بھر ہے پیاب مجھے
 ہونہ زنجیر کبھی حلقہ لبر و اب مجھے

اب میں شل ہوا جاتا ہے تو سن میرا

خارِ ماہی سے نہ اٹکا کبھی دامن میرا

میں اچھلتی ہوں کبھی جذبِ مہِ کامل سے
 جوش میں سر کو شگفتی ہوں کبھی ساحل سے
 ہوں وہ رہر کہ محبت ہے مجھے منزل سے
 کیوں تڑپتی ہوں یہ ٹوچھے کوئی میرے دل سے

زحمتِ تنگی دریا سے گریزاں ہوں میں

وسعتِ بحر کی فرقت میں پیشاں ہوں میں

منخصت اے بزمِ جہاں!

(ماخوذ از ایرسن)

منخصت اے بزمِ جہاں اُسوئے وطن جاتا ہوں
 آہ اس آبادی کے میں گھبراہٹوں میں
 بکد میں افسردہ دل ہوں درجہ نسل نہیں
 تو میرے قابل نہیں ہے میں ترقی قابل نہیں
 قید ہے دربارِ سلطانِ شہستانِ نیر
 توڑ کر نکلے گا زنجیرِ طلائی کا اسیر
 گو بڑی لذت ہے ہنسنا مہ آرائی میں ہے
 اجنبیت سی مگر تیری شناسائی میں ہے
 مد توں تیرے خجے و آرائوں سے ہم صحبت ہا
 مد توں بیٹا ترے ہنسنا ترے عشرت میں
 مد توں ٹھونڈا کیا نطفہ ازلِ خفا میں
 چشمِ حیران ٹھونڈتی اب اور نظارے کو ہے
 آہ وہ یوسف نہ ہا تھا آیا ترے بازار میں
 ارزو سال کی مجھ طوفان کے مارے کو ہے

چھوڑ کر مانند بوتیرا چمن جاتا ہوں میں

منخصت اے بزمِ جہاں اُسوئے وطن جاتا ہوں میں

گھر بنایا ہے سکونتِ دہن کھسار میں
 آہ! یہ لذت کہاں موسیقیِ گفتار میں

ہم شہینِ بگس شہلا، رستقِ گل ہوں میں ہے چمن میرا وطن، ہمسایہِ عجب ہوں میں
شام کو آوازِ چشموں کی سلاتی ہے مجھے صبحِ فرشِ سبزے کو گل جگاتی ہے مجھے

ہم ہستی میں ہے سب کو محفلِ آراہی پسند

ہے دلِ شاعر کو بس کُنجِ تنہائی پسند

ہے جنوں مجھ کو کہ گھبراتا ہوں آوازی میں یہ ڈھونڈتا پھرتا ہوں کس غم کو وہ کی آوی میں یہ؟

شوقِ کس کا سبزہ آروں میں بھرتا ہے مجھے اور چشموں کے کناروں پر سلاتا ہے مجھے؟

طعنہ زن ہے تو کہ شیدائِ کُنجِ عزلت کا ہوں میں دیکھ اے غافل! پیامیِ ہرمِ قدرت کا ہوں میں

ہم وطنِ ششاد کا قمری کا میں ہم از ہوں اس چمن کی خامشی میں گوشِ برآواز ہوں

کچھ جو سنتا ہوں تو آوروں کو سنانے کے لیے دیکھتا ہوں کچھ تو آوروں کو دکھانے کے لیے

عاشقِ عزلت ہے دلِ نازاں میں اپنے گھر پہ خندہ زن ہوں سندِ آراہی پسند پہ میں

لیٹنا زرخیر رکھتا ہے جاؤ کا اثر شام کے تاریے پہ چبڑتی ہو رہ کر نظر

علم کے حیرت کدے میں کہاں اس کی نو

گل کی تپتی میٹھنہ آتا ہے از ہست بو



طفل شیرخوار

میں نے چاہا تو تجھ سے چھین لے تو چلا تے تو مہرباں ہوں میں مجھے نا مہرباں سمجھا ہے تو

پھر بڑا پڑتے گا اے نوار و استیغیم غم چھ نہ جائے دیکھنا ابار کیا ہے نول تسلیم

آہ! کیوں دکھ دینے والی شے سے تجھ کو پیسا ہے

کھیل اس کاغذ کے ٹکڑے سے یہ بے آزار ہے

گیند تیرے سیر کی کہاں چینی کی بٹی ہے کدھر؟ وہ ذرا سا جانور ٹوٹا ہوا ہے جس کا سر

تیرا آئینہ تھا آزاد و غبار آرزو آنکھ کھلتے ہی چمک اٹھا شرار آرزو

ہاتھ کی جنبش میں سر وید میں پوشیدہ ہے تیری صہوت آرزو بھی تیری نوزائیدہ ہے

زندگانی ہے تری آزاد و قید استیاء

تیری آنکھوں پر پیویدا ہے مگر قدرت کا راز

جب کسی شے پر بگڑ کر مجھ سے چلا تے تو کیا مٹا سنا ہے رومی کاغذ سے من جاتا ہے تو

آہ! اس عاوت میں ہم آہنگ ہوں میں بھی تیرا تو تلوں آشنا، میں بھی تلوں آشنا

عارضی لذت کا شیدا تیری ہوں چلا تے ہوں یہ جلد آجاتا ہے غصہ جلد من جاتا ہوں میں

سیری آنکھوں کو ابھالیتا ہے حسنِ ظاہری کم نہیں کچھ تیری نادانی سے نادانی مری
تیری صورت کا دکھ لیاں گاہِ خنداں میں بھی ہوں
دیکھنے کو نوجواں ہوں طفلِ نادان میں بھی ہوں

تصویر درد

نہیں منت کش تاشِ نیندِ داستانِ مری یہ دستورِ باں بندی ہے کیسا تیری محفل میں
خوشیِ لغت کو ہے بے بانی ہے بے باں مری یہاں تو بات کرنے کو ترستی ہے بے باں مری
چمن میں ہر طرف بکھری ہوئی ہے داستانِ مری اٹھائے کچھ رقص لائے نئے کچھ رقص کے کچھ گل نے
چمنِ الوں کے گل لڑوٹ لی طرزِ فغاں مری اڑا لی قمریوں کے خطوطیوں کے عندیہ سبوں نے
سراپا چڑوں حشر بھری ہے داستانِ مری شکِ شمعِ آسویں کے پڑنے کی آنکھوں سے
حیاتِ جاوداں مری نہ مرلِ ناگہاں مری الہی پھر کیا ہے یہاں دنیا میں رہنے کا
وہ گل ہوں غمناں گل کی ہے یوں غمناں مری مرادِ مانہیں و نہ ہے یہاں فکرتاں کا

”دیں حسرتِ سرا عمرِ سیتِ افسونِ جبرِ ارم

نہ فیضِ دل تپیدِ نہا خروشِ بے نفسِ ارم“

ریاضِ ہرینِ ناشناختے بزمِ عشرت ہو
 غوشی روتی ہے جس کو ہمیں محرومِ مسرت ہو
 سری بڑی ہوئی تفتید کو روتی ہے گویائی
 میں فربہ شہرِ گدگد کو شمعِ سامت ہو
 پریشان ہوں میں شتِ خالِ لکین کچھ نہ کھلتا
 سکندر ہوں کہ آئینہ ہوں گدگدِ لڑت ہو
 یہ سب کچھ ہے مگرستی مری مقصدِ قدرت کا
 سرِ پانور جو جس کی حقیقت میں عظمت ہو
 خزانہ ہوں چھپایا مجھ کو شتِ خالِ صحرانے
 کسی کو کیا ہے میں کیا ہوں کس کی دولت ہو
 نظر میری نہیں ممنون سیرِ عرصہ ہستی
 میں دھوٹی سی دنیا ہوں کہ اپنی ولایت ہو
 نہ صہبا ہوں ساقی ہوں نہ مستی ہوں نہ پیمانہ
 میں اس خانہ ہستی میں ہر شے کی حقیقت ہو

مجھے رازِ دوسالِ دل کا آئینہ دکھاتا ہے
 وہی کہتا ہوں جو کچھ سامنے آنکھوں کے آتا ہے

عطا ایسا بیاں مجھ کو ہوا رنگیں بیانوں میں
 کہ بامِ عرش کے طائر ہیں کیے ہم بانوں میں
 اثر یہ بھی ہے اک میرے جنونِ فتنہ سامان کا
 مرا آئینہ دل ہے قصا کے رازِ دانوں میں
 رلاتے تھے الطارہ اے ہندوستان! مجھ کو
 کہ عبرت خیز ہے تیرا فسانہ سببانوں میں
 دیارِ فنا مجھے ایسا کہ سب کچھ دے دیا گویا
 لکھا کلابِ ازل نے مجھ کو تیرے نوحہ خوانوں میں
 نشانِ گلِ تلک بھی نہ چھو اس باغِ گلچیں
 ترمی قسمت سے نرم آریاں میں باغبانوں میں



چھپا کر استیں ندیں بکلیاں رکھی ہیں گروں نے
 سُن اے غافل صدائیں یہ سیچ چڑھے جس کو
 وطن کی فکر کرنا دانا مصیبت آنے والی ہے
 فرادیکھ اس کو کچھ پور ہائے ہونے والے
 یہ خاموشی کہاں تک؟ لذت فرما دیکر
 نہ سمجھو گے تو مٹ جاؤ گے اے ہندوستان والو!

عنادِ باغ کے غافل نہ بٹھیں آشیانوں میں
 وظیفہ جان کر پڑھتے ہیں طائر بوستانوں میں
 تری بربادیوں کے مشورے ہیں آسمانوں میں
 دھڑکیا ہے بھلا احمد کُن کی دستانوں میں
 زمین پُتھو اور تیری صدا ہو آسمانوں میں
 تمھاری استان تک بھی ہوئی دستانوں میں

یہی آئینِ قدرت ہے یہی اسلوبِ فطرت ہے

جو ہے اہل میں کام زن محبوبِ فطرت ہے

ہوید آج اپنے جسم نہاں کر کے چھوڑوں گا
 جدا ہے مجھے ہر شمعِ دل کو سوز نہاں سے
 مگر غنچوں کی صوت ہوں دلِ درو آشیانوں کا
 پرنا ایک ہی تسبیح میں ان بکھرے دانوں کو
 مجھے اے ہم نشین رہنے دشغل سینہ کاوی میں
 دکھا دوں گا جہاں جو مری آنکھوں نے دیکھا ہے

لہو رو کے مخمل کو کھتاں کر کے چھوڑوں گا
 تری تاریک اتوں میں صرغیاں کر کے چھوڑوں گا
 چمن میں مُشتِ خال اپنی پشیاں کر کے چھوڑوں گا
 جو شکل ہے تو اس شکل کو آساں کر کے چھوڑوں گا
 کہ میں داغِ محبت کو نمایاں کر کے چھوڑوں گا
 تجھے بھی صورتِ آئینہ حیراں کر کے چھوڑوں گا

۱۰۰
 باغِ دل
 ۸۲

جو ہے پروں میں سناں چشم بنیادیکھ لیتی ہے
زمانے کی طبیعت کا تقاضا دیکھ لیتی ہے

کیا رفت کی لذت کے نل کو آشتا تو نے
گزار می عمر پستی میں مثال نقش پاتو نے
رہا دل بستہ محفل مگر اپنی نگاہوں کو
کیا بیرون محفل سے نہ حیرت آشتا تو نے
فدا کرتا رہا دل کو حسینوں کی آواں پر
مگر دیکھی نہ اس آئینے میں اپنی آوا تو نے
تعبیب چھوڑا دانا دھیر کے آئینہ خانے میں
یہ تصویریں ہیں تیری جن کو سمجھا ہے برا تو نے
سرا پا لالہ سید داؤد سوز زندگی ہو جا
سپند آسا لہر میں ماند کھتی ہے صدا تو نے
صفائے دل کو کیا آراش رنگ تعلق سے
کف آئینہ پر ماندھی ہے آوا دانا جنا تو نے
زمین کیا آسماں بھی تیری کج بینی پہ دتا ہے
غضب ہے سطر قرار کو چلیں پا کر دیا تو نے
زباں سے لکھ لیا توحید کا دعویٰ تو کیا حاصل
بنایا ہے بت پندار کو اپنا حنا تو نے
کنوئیں میں تو نے یوسف کو دیکھا بھی تو کیا دیکھا
اے غافل! جو مطلق تھا حقیت کدو دیا تو نے

ہوس مالکے منبر ہے تجھے نگین بیانی کی
نصیحت بھی تیری رستے ہاں افسانہ خوانی کی

دکھا وہ حسن عالم سوز اپنی چشم پر نرم کو
جو ٹرپاتا ہے پرانے کوڑاواتا ہے شبنم کو

نرا نظارہ سی اے بوالہوس مقصد نہیں کا
 اگر دیکھا بھی اس نے سائے عالم کو تو کیا کھیا
 شجر ہے فرقہ آرائی، تعصب ہے ثمر اس کا
 نہ اٹھا جذبہ خوشی کے الکل گل تک بھی
 بنایا ہے کسی نے کچھ سمجھ کر چشم آدم کو
 نظر آئی نہ کچھ اپنی حقیقت جام سے جم کو
 یہ وہ پھل ہے کہ جنت سے نکلواتا ہے آدم کو
 یہ رفعت کی تہ ہے کھلے اڑتی ہے شبنم کو
 یہ زخمی آپ کر لیتے ہیں پیدا اپنے مرہم کو
 پھر کرتے نہیں مجروح الفت فکر درماں میں

محبت کے شر سے دل سراپا نور ہوتا ہے

ذرا سے بیج سے پیدا ریاض طور ہوتا ہے

دوا پر دیکھ لی ہے مجھ روح تیغ اذہور ہنا
 شرابے خودی سے تافک پوز ہے میری
 تھمے کیا دیدہ کریاں وطن کی نوخانی میں
 بنائیں کیا سمجھ کر شلخ گل پر اشیاں اپنا
 علاج زحمت ہے آزاد و احسان نور ہنا
 شکست رنگ سے سکھایے ہیں بن کے نور ہنا
 عبات چشم شاعر کی ہے پر دم با وضو ہنا
 چمن میں آہ کیا رہنا جو بے ابرو ہنا
 غلامی ہے اسیر استیاز ماو تو رہنا
 تجھے بھی چلیے شل جابا بھور ہنا
 اگر منظور ہے دنیا میں اور گناہ خور ہنا
 نہ رہ اپنوں سے بے پروا، اسی میں خیر ہے تیری

شرابِ پُوح پڑے محبتِ نواعِ انساں کی سکھایا اس نے مجھ کو مستِ جام و سبور ہنسا

محبت ہی کپاتی ہے شفا بیمار قوموں نے

کیا ہے اپنے بختِ خفتہ کو بیمار قوموں نے

بیابانِ محبت وشتِ غربت بھی وطن بھی ہے یہ ویرانہ قفس بھی آشیانہ بھی چمن بھی ہے

محبت ہی منزل ہے کہ منزل بھی ہے صحر بھی جس بھی کارواں بھی راہِ سیر بھی راہِ نرن بھی ہے

مرض کہتے ہیں سب اس کو یہ ہے لیکن مرضِ ایسا چھپا جس میں علاجِ گردشِ چرخِ کُن بھی ہے

جلانا دل کا ہے گویا سہرا پاؤں ہو جانا یہ پروانہ جو سوزاں ہو تو شمعِ انجمن بھی ہے

وہی اک حسن ہے لیکن نظر آتا ہے ہر شے میں یہ شیریں بھی ہے گویا بیستوں بھی، کوہن بھی ہے

اجاڑا ہے تمیزِ ملت و آئیں نے قوموں کو سے اہل وطن کے دل میں کچھ فکرِ وطن بھی ہے

سکوتِ آموزِ طولِ ہستانِ درو ہے ورنہ زباں بھی ہے سہارے منہ میں اور تابِ سخن بھی ہے

”نیکر وید کو تیرے تیرے معنی رہا کروم

حکایتِ بودے پایاں، سخاموشی ادا کروم“



نالہ فراق

(آرنلڈ کی یاد میں)

جاسا مغرب میں آخرائے کھاتس یہ اکلیں آہ بشرق کی پسند آتی نہ اس کو سہ نہیں
آگیا آج اس صداقت کا مے دل کو یقین طہمت شب کے ضیائے روزِ فرقت کم نہیں

”مازا غوش و عیش و اش و اغ حیرت چیدہ است

پہچو شمع کُشتہ چرخِ شمع نگاہِ بیدہ است“

گُشتہ غزلت ہوں آبادی میں گھبراتا ہوں میں شہر سے سوا کی شدت میں کل جاتا ہوں میں
یادِ ایامِ سلف سے دل کو تڑپاتا ہوں میں بہرِ تسکین سیری جانبِ ڈٹتا آتا ہوں میں

اکلمہ کو مانوس ہے تیری درو دیوار سے

جنبت ہے مگر پیدامریٰ فقاہ سے

ذرہ میرے دل کا غور شدہ آتشا ہونے کو تھا آئندہ ٹوٹا ہوا عالم نہا ہونے کو تھا
نخل سیری آرزوؤں کا ہر اہونے کو تھا آہ! کیا جانے کوئی میں کیا سے کیا ہونے کو تھا

ابرِ رحمت و امن از گلزارِ سن برچید و رفت

اندکے غنچہ پائے آرزو بارید و رفت

تو کہاں ہے اے کلیمِ ذرۂ بریں اے علم تھی تری موجِ نفسِ باوِ نشاطِ افزائے علم
اب کہاں وہ شوقِ رہِ پیمائیِ صحرائے علم تیرے دم سے تھا سارے سر میں بھی سووائے علم
”شورِ سیلی کو کہ باز آرایشِ سودا کند

خالِ محسنوںِ اغیارِ خاطرِ صحرائے علم“

کھول دے گا دشتِ حشتِ عقدہ تقدیر کو توڑ کر پہنچوں گا میں پنجاب کی زنجیر کو
دیکھتا ہے دیدہ حیراں تری تصویر کو کیا تہی ہو مگر دیدہ نصیر کو
”تابِ گویائی نہیں کھستاد بہ تصویر کا

خامشی کہتے ہیں جس کو ہے سخنِ تصویر کا“

چاند

میرے دیرانے سے کوسوں دور ہے تیرا وطن ہے مگر دریائے دل تیری شش سے مجھ جن
قصہ کس محفل کا ہے آتا ہے کس محفل سے؟ زور و روشاید ہوا رنجِ رہِ منزل سے تو
افتریش میں سراپا نور تو ٹھکتا ہوں میں اس سحر و زمی پسین تیرا ہم قسمت ہوں میں
آہ! میں جلتا ہوں سوزِ اشتیاقِ دیر سے تو سراپا سوزِ داغِ منتِ خورشید سے

ایک حلقے پر اگر تسم تری فتا ہے
 زندگی کی وہ میں گدازاں کے توحیران میں
 میں منزل میں تیرے توحیران میں ہے
 تیرے محفل میں جی خاموشی ہے کیسے دل میں ہے
 چاندنی ہے نور تیرا عشق میرا نور ہے
 بزم میں اپنی اگر لیتا ہے تو تنہا ہوں میں
 محو کر دیتا ہے مجھ کو جلوہ حسن ازل
 درجہ میں پہلو میں اٹھتا ہوں وہ پہلو اور ہے
 سیکڑوں منزل ہے فوج آگہی کے تو تو
 جو مری سستی کا مقصد ہے مجھے معلوم ہے
 یہ چمکے ہیں جس گتری محروم ہے

بلالؓ

چمک اٹھا جوتا تیرے مقدر کا
 چش سے تجھ کو اٹھا کر حجاز میں لایا
 تیری غلامی کے صدقے ہزار آزادی
 پہونی اسی سے ترے غم کے کی آبادی

وہ آستان چھٹا تجھے ایک دم کے لیے کسی کے شوق میں تو نے مرنے ستم کے لیے

جنا جو عشق میں جاتی ہے دھبنا ہی نہیں

ستم نہ ہو تو محبت میں کچھ مزا ہی نہیں

نظر تھی صورتِ سلمانِ اواشناس تری شرابِ پیسے بڑھتی تھی اور پیاس تری

تجھے نطائے کاشلِ کلیم سودا بھتا اویس طاقت دیدار کو ترستا تھا

مدینہ تیری نگاہوں کا نور تھا گویا ترے لیے تو یہ صحرا ہی طور تھا گویا

تری نظر کو رہی دید میں بھی حسرت دید ٹٹک دے کہ پیسے دے نیا ساید

گرمی وہ برق تری جانِ ناشکیبار کہ خندہ زن تری ظلمت تھی دستِ موسیٰ پر

تپش ز شعلہ گرفتند بڑل تو روند

چہ برقِ جلوہ بخاشاکِ حاصل تو روند

اوائے دیدہ اپانیا ز تھی تیری کسی کو دیکھتے رہنا نماز تھی تیری

اواں ازل سے ترے عشق کا ترانہ بنی نماز اس کے نطائے کا اک بہانہ بنی

خوشا وہ وقت کہ شربِ مقام تھا اس کا

خوشا وہ دور کہ دیدِ اعمام تھا اس کا

سرگزشت دوم

مئے کوئی مری غربت کی استاں مجھ سے
 لگی نہ میری طبیعت ریاضِ حُث میں
 رہی حقیقتِ عالم کی جستجو مجھ کو
 ملا مزاج تغیر پسند کچھ ایسا
 نکالا کعبے سے پتھر کی مورتوں کو کبھی
 کبھی میں ذوقِ نظم میں طور پر سنجپ
 کبھی صلیب پہ اپنوں نے مجھ کو لٹکایا
 کبھی میں غارِ حرام میں چھپا رہا برسوں
 سنایا ہند میں اکبر و دربارانی
 دیارِ ہند نے جس دم مری صدا نہ سنی
 بنایا دُروں کی ترکیب سے کبھی عالم
 لہو سے لال کیا سیکڑوں زمینوں کو
 بھلایا قصۂ پیمبرانِ اولیں میں نے
 پیاشغور کا جب جامِ آشیں میں نے
 دکھایا اوجِ خیالِ فلکِ شیں میں نے
 کیا تہِ راز نہ زیرِ فلکِ کس میں نے
 کبھی بتوں کو بنایا حرمِ شیں میں نے
 چھپایا نورِ ازل زیرِ استیں میں نے
 کیا فلک کو سفرِ چھوڑ کر زمیں میں نے
 دیا جہاں کو کبھی جامِ آخریں میں نے
 پسند کی کبھی یونان کی سرزمیں میں نے
 بسایا خطۂ جاپانِ ملکِ چیں میں نے
 خلافِ معنی تسلیم اہلِ دیں میں نے
 جہاں میں چھپڑے پیکارِ عقل و دیں میں نے

سمجھ میں آئی حقیقت نہ جستاروں کی
 ڈرا سکیں نہ کلیسا کی مجھ کو تلواریں
 کشش کا راز ہویدا لیا زمانے پر
 کیا اسیر شعاعوں کو برق مضطر کو
 انجی سال میں آئیں گزار دیں میں نے
 سکھایا سدا گدوش زمین میں نے
 لگا کے آتش عقل و ور میں نے
 بنا دی غیتِ جنت یہ سرزمین میں نے
 کیا خبر نہ ملی آہِ راز ہستی کی
 کیا حسد سے جہاں کو تنہا میں نے

ہوئی جو چشمِ مظاہر پرست و آخر
 تو پایا خانہ دل میں اُسے مکین میں نے

ترانہ ہندی

سلے جہاں سے اچھا پسندوستان ہمارا
 غربت میں چل کر ہم رہتا ہے دل وطن میں
 ہم بلبلیں ہیں اس کی یہ ہستیاں ہمارا
 سمجھو وہ ہیں ہمیں بھی دل ہو جہاں ہمارا
 وہ سنتری ہمارا، وہ پاسباں ہمارا
 گلشنِ بہار کے دم سے شک جہاں ہمارا
 اتر اترے کنا سے جب کارواں ہمارا
 اے آپ و لنگا، وہ دن ہیں یاد تجھ کو؟

مذہب نہیں رکھتا آپس میں بیکرکھنا
 ہندی ہیں ہم وطن ہے ہندوستان ہمارا
 یونان مصر و ماسب مٹ گئے جہاں سے
 اب تک مگر ہے باقی نام و نشان ہمارا
 کچھ بات ہے کہ ہستی مٹی نہیں ہماری
 صدیوں رہا ہے دشمن و دروہاں ہمارا

اقبال! کوئی محرم اپنا نہیں جہاں میں
 معلوم کیا کسی کو دروہاں ہمارا

جگنو

جگنو کی روشنی ہے کاشانی چمن میں
 یا شمع جل رہی ہے پھولوں کی انجمن میں
 آیا ہے آسمان سے اڑ کر کوئی ستارہ
 یا جان پڑ گئی ہے مہتاب کی کرن میں
 یا شب کی سلطنت میں دن کا سفیر آیا
 غربت میں آ کے چمکا گناہ تھا وطن میں
 تلمہ کوئی گرا ہے مہتاب کی قبا کا
 ذرہ ہے یا نمایاں سورج کے پیرہن میں
 حُسنِ قدیم کی یہ پوشیدہ اک جھلک تھی
 لے آئی جس کو قدرت خلوت سے انجمن میں
 چھوٹے سے چاند میں ہے ظلمت بھی روشنی بھی
 نکلا کبھی کہن سے آیا کبھی کہن میں

پروانہ اک پتنگا، جگنو بھی اک پتنگا

وہ روشنی کا طالب یہ روشنی سراپا

ہر چیز کو جہاں میں قدرت نے دلبری دی
 رنگیں نو اسب یا مرعناں بے زباں کو
 نظارہ ~~سخت~~ کی خوبی زوال میں تھی
 رنگیں کیا سحر کو بانگی دُلہن کی صورت
 سایہ دیا شخص کو، پرواز دی ہوا کو
 پروانے کو تپش دی، بگنو کو روشنی دی
 گل کو زبان دے کر تسلیم خامشی دی
 چمکا کے اس پری کو تھوڑی سی ندی دی
 پہنا کے لال جوڑا شبنم کی آرسی دی
 پانی کو دی روانی، موجوں کو بے کلی دی

یہ استیاز لیکن اک بات ہے ہماری

جگنو کا دن ہی ہے جو رات ہے ہماری

حُسنِ ازل کی پیدا ہر چیز میں جھلک ہے
 یہ چاند آسمان کا شاعر کا دل ہے لویا
 انداز گفتگو نے دھوکے دیے ہیں رنہ
 کثرت میں ہو گیا ہے وحدت کا راز مخفی
 انساں میں وہ سخن ہے غنیمت میں چٹک ہے
 واں چاندنی ہے جو کچھ پائیاں درد کی لک ہے
 نغمہ ہے نئے طبل، بوبھول کی چمک ہے
 جگنو میں جو چمک ہے وہ بھول میں مہک ہے

یہ اختلاف پھر کیوں سنگاموں کا محل ہو

ہر شے میں جبکہ پنہاں شے موشی ازل ہو



صبح کا ستارہ

لطفِ ہمایلی شمس و قمر کو چھوڑوں
اور اس خدمتِ پیغامِ سحر کو چھوڑوں
میرے حق میں تو نہیں ناروں کی بستی اچھی
اس بندگیِ زمین و آلوں کی بستی اچھی
آسمان کیا، عدمِ آباد وطن میرا
صبح کا دامنِ صہد چاکِ لہن ہے میرا
میری قسمت میں ہے ہر روز کا مرنا جینا
ساقی موت کے ہاتھوں سے صبحی پینا
نہ یہ خدمت نہ یہ عزت نہ یہ رفعت اچھی
اس گھڑی بھر کے چلنے سے تو ظلمت اچھی

میری قدرت میں جو ہوتا تو نہ سخت بنتا

قصرِ دریا میں حکمت اپنا گلوں پر بنتا

واں بھی موجوں کی کشائش سے جھل لھرتا
چھو کر بج کر نہیں زیب گلوں ہو جاتا
ہے چمکنے میں مزاحِ حسن کا زیور بن کر
زینتِ تاجِ سرِ بانو سے قصیر بن کر
ایک پتھر کے جوئلز سے کانسیا جاگا
خاتمِ دستِ سیماں کا نگین بن کر
ایسی چیزوں کا ملکہ ہر میں ہے کامِ شکست
ہے لہر ہائے گراں مایہ کا انجام شکست
زندگی وہ ہے کہ جو ہونہ شناسائے اجل
کیا وہ جیسا ہے کہ جو جس میں تقاضائے اجل

ہے یہ نخبِ سام الرزینتِ عالم ہو کر

کیوں نہ لہر جاؤں کسی بھول چہ بنم ہو کر

کسی پیشانی کے افشاں کتے ساروں میں رہوں کسی مظلوم کی آہوں کے شراروں میں رہوں

اشک بن کر مژگاہں سکھ جاؤں میں ق کیوں اُنسو جوئی کی آنکھوں کے ٹپک جاؤں میں

جس کا شوہر ہوا ہوں کے زہرہ میں ستور سونے میدانِ عنایتِ وطن سے مجبور

یاس اُمید کا نطفہ جو دکھلاتی ہو جس کی خاموشی سے تقریر بھی شرماتی ہو

جس کو شوہر کی ضربِ تابِ شکیبائی ہے اور نگاہوں کو حیا طاقست کو یابی ہے

زر و نصرت کی گھڑی عارضِ ظلموں پہ جائے کششِ حسنِ عینِ حیرت سے افروز ہو جائے

لاکھ وہ ضبطِ کمرے پر میں ٹپک رہی جاؤں غمِ دینِ پرہیز سے چھلک رہی جاؤں

خاک میں مل کے حیاتِ ابدی پا جاؤں

عشق کا سوز زبانی کو دکھاتا جاؤں

ہندوستانی بچوں کا قومی کیست

چشتی نے جس زمیں میں پیغامِ حق سنایا نانک نے جس زمین میں وحدتِ کائیت گائی

تاتاریوں نے جس کو اپنا وطن بنایا جس نے حجازیوں سے شتِ عرب چھڑایا

میرا وطن وہی ہے میرا وطن وہی ہے

یونانیوں کو جس نے یہ سران کر دیا تھا سائے جہاں کو جس نے علم و ہنر دیا تھا

مٹھی کو جس کی حق نے زر کا اثر دیا تھا ترکوں کا جس نے ان ہیروں سے بھر دیا تھا

میرا وطن وہی ہے میرا وطن وہی ہے

ٹوٹے تھے جوتارے فارس کے آسمان سے پتھر تابوے کے جس نے چمکائے لکشاں سے

وہ کی لے سنی تھی دنیا نے جس مکان سے میرے رب کو اتنی ٹھنڈی ہوا جہاں سے

میرا وطن وہی ہے میرا وطن وہی ہے

بندے کلیم جس کے پر بت جہاں کھینا نوح نبی کا اگر ٹھہرا جہاں سفینا

رفت ہے جس زمیں کی نامِ فلک کا زینا جنت کی زندگی ہے جس کی فضا میں جینا

میرا وطن وہی ہے میرا وطن وہی ہے

نیا سوال

سچ کہہ دوں اے برہمن اگر تو برا نہ مانے تیرے صنم کہوں کب تک ہو گئے پرانے

اپنوں سے بے سیر رکھنا تو نے بتوں سے کیا
جنگِ جدل سکھایا واعظ کو بھی خدانے
تنگ آکے میں نے آخرِ دیر جسم کو چھوڑا
واعظ کا واعظ چھوڑا چھوٹے ترے فسانے

پتھر کی نورتوں میں سمجھا ہے تو خدا ہے

خاکِ وطن کا مجھ کو ہر ذرہ دیوتا ہے

ابغیر سیتے کے پڑے اک بار پھر اٹھاویں
سُنی پڑی ہوئی ہے مدت کے دل کی سبئی
دنیا کے تیرتھوں سے اونچا ہو اپنا تیرتھ
ہر صبح اٹھ کے گاتیں منتر وہ میٹھے میٹھے
بچھڑوں کو پھر ملا دیں نقشِ شوقِ آبی مٹا دیں
آہ اک نیا سوال اس دس میں بنا دیں
دامانِ آسمان سے اس کا کلس ملا دیں
سائے پُجاریوں کو مے پست کی ملا دیں

شکستی بھی شانتی بھی جھکتوں کے گیت ہیں

دھرتی کے باسیوں کی نکستی پریت ہیں

دِ اَغ

عظمتِ غالب ہے اک مدتِ پیوندِ زمیں
توڑ ڈالی موت نے غربت میں سینے آہ
مہدی مجروح ہے شہرِ خموشاں کا مکین
چشمِ محفل میں ہے اب تک کیفِ صبا آہ

آج لیکن سمنو اسرارِ چمن باتم میں ہے شمع روشن کچھ لہنی بزمِ سخن باتم میں ہے
بہل دلی نے باندھا اس چمن میں کشیا ہم نوا ہیں عجب دل بانغِ ہستی کے جہاں

چل بسا دُغ آہ بہت اس کی یہ پوش ہے

آخری شاعرِ جہان آباد کا خاصوش ہے

اب کہاں وہ بانگین وہ شوخی طرِ بیاں آگ تھی کاغذِ پیری میں جوانی کی نہاں
تھی زبانِ دُغ پر جو آرزو ہر دل میں ہے لیلیٰ معنی ہاں بے پردہ یاں محسوس میں ہے
اب سب کچھ کن پوچھے کا سکوتِ گل کارن کون سمجھے کا چمن میں نالہ بے بس کارن

تھی حقیقت سے نہ غفلت فکر کی پرواز میں

اسکھٹ سحر کی نشین پر پری پرواز میں

اور دکھلائیں گے مضمون کی بہین باریکیاں اپنے فکرِ نکستہ آرا کی فلکِ سیما بیاں
تمکھی دوراں کے نقشے کھینچ کر زلوا میں گے یا تختیل کی نئی دنیا میں دکھلائیں گے
اس چمن میں جس کے پیدا بہل شیراز بھی سیکڑوں ساحر بھی جس کے صاحبِ عجاز بھی
اُٹھیں گے آرزو ہزاروں شعر کے بُت خانے سے مے پلا میں گے نئے ساقی نئے پیمانے سے
بکتھی جائیں گی کتابِ دل کی تفسیریں بہت ہوں گی اے اب جانی اتیری تعبیریں بہت

۱۱۶
بانگِ دہلا

ہو ہو کھینچے گالی سکن عشق کی تصویر کو نہ

اٹھ کیا ناولنگسن مارے گا دل پر تیر کو نہ

اشک کے دانے زمینِ شعر میں بوتا ہوں میں تو بھی رولے خاکِ آبی داغ کو روتا ہوں میں

اے جہانِ باد اے سرمایہ بزمِ سخن! ہو گیا پھر آج پامالِ حسنِ ان تیرا چمن

وہ گلِ نجس ترا نصرتِ مثالِ بُو ہوا او جہاںِ داغ سے کاشتِ نذرِ بُو ہوا

تھی نہ شاید کچھ ششِ اسی وطن کی خاک میں وہ سرِ کامل ہوا پس کن کی خاک میں

اٹھ گئے ساقی جو تھے مے خانہ خالی رہ گیا

یادِ کارِ بزمِ دہلی ایک حال رہ گیا

ارزو کو خونِ روتا ہے بیدِ ادِ اجل مارتا ہے تیر تارِ مٹی میں صیتِ ادِ اجل

کھل نہیں سکتی شکایت کے لیے لیکن رہاں ہے حسنِ ان کا رنگ بھی حیرتِ قیامِ طہستان

ایک ہی قانونِ عالمِ صبر کے ہیں سب اثر

بوتے گل کا باغ سے گلچیں کا دنیا سے سحر

ابر

اٹھی پھر آج وہ پورے کالی کالی گھٹا سیاہ پوش ہو پھر پٹرسن کا

نہاں ہوا جو رخ مہرِ سزیرِ دامنِ ابر
 گرج کا شور نہیں ہے خموش ہے یہ گھٹا
 چمن میں کلم شاطِ دِ مِ لاتی ہے
 جو پھول مہر کی لہری سے سو چلے تھے اٹھے
 ہوا کے زور سے ابھرا، بڑھا، اڑا بادل
 اٹھی وہ اٹھٹاٹھا اب بڑسٹا بادل
 عجیب ہے کہ لہار کے نہالوں کا
 یہیں قیام ہو واہی میں پھرنے والوں کا

ایک پرندہ اور جنگلو

سرِ شام ایک مرغِ نغمہ پیرا
 چمکتی چیزاں دیکھی زمیں پر
 کہا جنگلو نے او مرغِ نوا ریزا
 تجھے جس نے چمک گل کو مہک دی
 لباسِ نور میں ستور ہوں میں
 کسی ٹہنی پہ بیٹھا گارہ تھا
 اڑا طائر اُسے جنگلو سمجھ کر
 نہ کہ بکس یہ منقارِ ہوس تیز
 اُسی اللہ نے مجھ کو چمک دی
 پتنگوں کے جہاں کا طور ہوں میں

چمک تیری بہشتِ گوشِ اُتر ہے چمک میری بھی فردوسِ نظر ہے
 پڑوں کو میرے قد ریتِ ضیاء دی تجھے اُس نے صدائے دلِ بادی
 ترمی منفِ کار کو گانا سکھایا مجھے گلزار کی شعل بنایا
 چمک بخشی مجھے آوازِ تجھ کو دیا ہے سوزِ مجھ کو، سازِ تجھ کو
 مخالف ساز کا ہوتا نہیں سوز جہاں میں ساز کا ہے ہم شیشِ سوز
 قیامِ بزمِ مستی ہے انھی سے ظہورِ اوج و پستی ہے انھی سے

ہم آہنگی کے محلِ جہاں کی
 اسی کے برابر اس بوستاں کی

بچہ اور شمع

کیسی حیرانی ہے یہ اے طفلِ پروانہ خواہ شمع کے شعلوں کو گھڑیوں کی تیار ہوتا ہے تو
 یہ مری آغوش میں بیٹھے ہوئے جنسِ بچہ کیا روشنی سے کیا بغلِ میری ہے تیرا مدعا؟

اس نظارے سے ترانہ تھا سادلِ حیران ہے
 یہ کسی دیکھی ہوئی شے کی مگر چپان ہے

شمع اک شعلہ ہے لیکن تُو سراپا نو ہے
آہ! اس محفل میں یہ عُمریاں ہے تُو مستور ہے
دستِ قدرت نے اسے کیا جانے کیوں عُمریاں کیا
شجہ کو خالِ تیرے کے فانوس میں پہناں کیا
نورِ تیرا چھپ گیا زیرِ نقابِ الہی
ہے غبارِ دیدہ بنیا حجابِ الہی

زندگانی جس کو کہتے ہیں فراہوشی ہے یہ

خوابِ غفلت ہے ہر سرتی سبے ہوشی ہے یہ

محفلِ قدرت کے اک دریائے بے پایانِ حُسن
آنکھ اُلٹی تھی تو ہر قطرے میں طوفانِ حُسن
حُسن کو ہستاں کی کہیت ناک خاموشی میں ہے
مہر کی ضوِ ستری شب کی بسیہ پوشی میں ہے
اسماں صبح کی آئینہ پوشی میں ہے
شام کی ظلمت شفق کی گلِ فروشی میں ہے
عظمتِ دریں کے مٹتے ہوئے آثار میں
طفلابِ ناشناکی کوششِ لغتار میں
سائنِ صحنِ گلشن کی ہم آوازی میں ہے
نٹھ نٹھے طائروں کی اشیاں سازی میں ہے
چشمہ لُہار میں دریا کی آوازی میں حُسن
شہرِ صحرا میں ویرانے میں آبادی میں حُسن
روح کو لیکن کسی گم گشتہ شے کی ہے ہوا
ورنہ اس صحرا میں کون نالاں ہے مثلِ حُسن!

حُسن کے عام جلوے میں بھی بے تاب ہے

زندگی اس کی مثالِ ماری بے آب ہے

کنارِ راوی

سکوتِ شام میں مجھ سے رو ہے راوی
 نہ پوچھ مجھ سے جو ہے کیفیتِ مرے دل کی
 پیامِ جد سے کا یہ زیرِ وجم ہوا مجھ کو
 جہاں تمام سوا جو دم ہوا مجھ کو
 سرِ کنارۂ آبِ رواں کھڑا ہوں میں
 خبر نہیں مجھے لیکن کہاں کھڑا ہوں میں
 شرابِ سُرخ سے رنگیں ہوا ہے ہر شام
 لیے ہے پیرِ فلکِ مستِ عرشہ دار میں جام
 عدم کو تافذِ روزِ یسز کا مہلا
 شفق نہیں ہے یہ سوج کے مچول ہیں لویا
 کھڑے ہیں دورِ عظمتِ فرائے تنہائی
 منارِ خوابِ گہ شہسوارِ چغتائی
 فسانہِ ستمِ انقلاب ہے یہ محل
 مقامِ لیا ہے سرِ وجموش ہے لویا
 رواں ہے سینہ دریا پہ اک سفید تیز
 سبکدوشی میں ہے شبنمِ گاہِ پستی
 جہازِ زندگی آدمی رواں ہے یونہی
 ابد کے بحر میں پیدا یونہی نہاں ہے یونہی

شکستے کی بھی آشنا نہیں ہوتا

نظر سے چھپتا ہے لیکن فنا نہیں ہوتا

الْحَاجَّةُ مُسَافِر

(بہ درگاہِ حضرت محبوبِ الہیؑ، دہلی)

فرشتے پڑھتے ہیں جس کو وہ نام ہے تیرا
بڑی جناب تیری فیض عام ہے تیرا
تکے عشق کے تیری ششیں ہیں قائم
نظامِ سحر کی صوست نظام ہے تیرا
تری لحد کی یار سے زندگی دل کی
سیح و خضر سے اُنچ مقام ہے تیرا
نہاں ہے تیری محبت میں نگہِ محبوبی
بڑی ہے شانِ بڑا استرام ہے تیرا

اگر سیاہ دلم، داغِ لالہ زارِ توام
وگر گشتِ چہینیم، گلِ سارِ توام

چمن کو چھوٹے نکلا ہوں شلِ نہتِ گل
ہوا ہے صبر کا منظور استحاں مجھ کو
چلی ہے لکے کے وطن کے نگار خانے سے
شرابِ علم کی لذت کشاں کشاں مجھ کو
نظر ہے ابر کرم پر درختِ صحرائیوں
کیا خدا نے مجھ تلجِ باغباں مجھ کو
فلانِ شہین صفت مہر مہوں زمانے میں
ترمی وصال سے عطا ہوئے نواں مجھ کو
مقامِ ہم سفر سے ہوا قسِ آگے
کہ سمجھے منزلِ مقصود کا واں مجھ کو

۱۲۲

بانگِ درا

۱۰۶

سرِ بانِ تسلیم سے کسی کا دل نہ دکھے
 دلوں کو چال کر سے شل شانہ جس کا اثر
 بنایا تھا جسے چن چن کے خارِ جس میں نے
 پھیرا رکھوں تدم تا رو پد رچہ بیس
 وہ شمع بارگہ حنا ندانِ مرتضوی
 نفس سے جس کے کھلی میری ازو کی مکی
 دعا یہ کر کہ حنا وندِ آسمانِ بزی
 وہ میرا یوسفِ ثانی وہ شمعِ محسنِ عشق
 جلا کے جس کی محبت نے دفترِ سن تو
 ریاضِ ہر میں مانسِ گل ہے خند
 کہ ہے عزیز تر از جانِ وہ جانِ جاں مجھ کو

شگفتہ ہو کے گل کی پھول ہو جائے
 یہ تجھ سے سننے قبول ہو جائے



عزلیات



گلزارِ بہت بود نہ بیکانہ وار دیکھ ہے دیکھنے کی چپ نہ اسے بار بار دیکھ
 آیت ہے تو جہاں میں شالِ شرار دیکھ دم دے نہ جائے ہستی ناپا تدار دیکھ
 مانا کہ تیری دیک کے قابل نہیں میں تو نہیں عاشق دیکھ مرا منتظر دیکھ
 کھولی ہنرِ قریب نے آنکھیں تری اگر
 پرہ گزر میں نقشِ شکرِ نفیسے یار دیکھ



نہ آتے نہیں اس میں تکرار کیا تھی مکر و عد کرتے ہوئے عار کیا تھی
 تمہارے پیامی نے سب را ز کھولا خطا اس میں شبے کی سرکار کیا تھی
 بھری بزم میں اپنے عاشق کو مارا تری آنکھ سستی میں شہار کیا تھی!

تامل تو تھا اُن کو آنے میں قاصد مگر یہ بت طے نہ انکار کیا تھی
کھینچے خود بخود جانب طور موسیٰ کشش تیری اے شوق دیدار کیا تھی!

کہیں ذکر رہتا ہے قبال تیرا
فسوں تھا کوئی تیری گفتار کیا تھی



عجب اعظم کی دین اری ہے یارب! عداوت ہے اسے سارے جہاں سے
کوئی اب تک نہ یہ سمجھا کہ انساں کہاں جاتا ہے آتا ہے کہاں سے
وہیں سے رات کو ظلمت ملی ہے چمکتا ہے نے پائی ہے جہاں سے
ہم اپنی دردمندی کا فسانہ سُنا کرتے ہیں اپنے راز و اں سے

بڑی باریک ہیں اعظم کی چالیں
لرز جاتا ہے آوازِ اذان سے



لاؤں وہ تنکے کہیں سے اشیانے کے لیے بجلیاں بے تاب ہوں جہن کو جلانے کے لیے
وائے ناکامی فلاںے تاک کر توڑاں سے میں نے جس ڈال کو مارا اشیانے کے لیے

آنکھ مل جاتی ہے ہفتاد و دو تکتے تری
 ایک پیمانہ ترا سائے زمانے کے لیے
 دل میں کوئی اس طرح کی آرزو پیدا کروں
 لوٹ جائے آسمان میرے مٹانے کے لیے
 جمع کر خرمین تو پہلے دانہ دانہ چُن کے تو
 اسی نکلے کی کوئی بجلی جلانے کے لیے
 پاس تھانا کا می صیاد کھائے ہم صغیر
 ورنہ میں اور اڑ کے آتا ایک دانے کے لیے!

اس چمن میں مرغِ دل گائے نہ ازاد می کالیت
 آہ! گشتن نہیں ایسے ترانے کے لیے



کیا کہوں اپنے چمن میں جدا کیونکر ہوا
 اور اس حیرتِ دام نہوا کیونکر ہوا
 جاتے حیرتِ بڑا سائے زمانے کا ہوں میں
 مجھ کو یہ خلعت شرافت کا عطا کیونکر ہوا
 کچھ دکھانے دیکھنے کا تھا تقاضا طور پر
 کیا خبر ہے تجھ کو اے دل فصیلا کیونکر ہوا
 ہے طلبِ بے مدعا ہونے کی بھی اک مدعا
 مرغِ دل و امِ مست سے ہا کیونکر ہوا
 دیکھنے والے یہاں بھی دیکھ لیتے ہیں تجھے
 پھر یہ وعدہ حشر کا صبرِ بزم کیونکر ہوا
 حُسنِ کامل پہنچے ہو اس بے حجابی کا سبب
 وہ جو تھا پروں میں نہاں خود نکال کیونکر ہوا
 موت کا نسخہ ابھی باقی ہے اے درِ فراق!
 چارہ لرو دیوانہ ہے میں لا ووا کیونکر ہوا

تُو نے دیکھا ہے کبھی اے یہ عبرت کُل
ہو کے پیدا خال سے نگہیں قبا کیوں کر ہوا
پریش اعمال سے مقصد تھا رسوائی مری
ورنہ ظاہر تھا سبھی کچھ کیا ہوا کیوں کر ہوا

میرے ٹٹنے کا تماشا دیکھنے کی چیز تھی
کیا باتوں اُن کا میرا سامنا کیوں کر ہوا



انوکھی وضع ہے سارے زمانے سے نزلے ہیں
یہ عاشق کون سی بستی کے یارب رہنے والے ہیں
علاج درد میں بھی در کی لذت پہ مرتا ہوں
جو تھے چھالوں میں کانٹے نول سوئے نکالے ہیں
پھلا پھولا رہے یارب چمن میری امیڈ کا
جلد کا خون دے دے کر یہ ٹوٹے میں کپکپاتے ہیں
رلاتی ہے مجھے راتوں کو خاموشی ستاروں کی
نرالا عشق ہے میرا نزلے میرے نزلے ہیں
نہ پوچھو مجھ سے لذت خانانِ باد رہنے کی
نہیں بگنائی اچھی رنسیقِ اہ منزل سے
امید جو نے سب کچھ سلکھا رکھا ہے واعظ کو
ٹھہر جا لے شرزم بھی تو آخر ٹٹنے والے ہیں
یہ حضرت دیکھنے میں ہے سادے بھولے بھالے ہیں

مے اشعار اے اقبال کیوں پیارے نہ ہوں مجھ کو
مے ٹوٹے ہوئے دل کے یہ درگمیز نالے ہیں



ظاہر کی آنکھ سے نہ تماشا کرے کوئی
ہو دیکھنا تو دیدہ دل واکرے کوئی
منصور کو نہو الہام کو یا پیام موت
اب کیا لسی کے عشق کا دعویٰ کرے کوئی
ہو دید کا جو شوق تو آنکھوں کو بند کر
ہے دیکھنا یہی کہ نہ دیکھا کرے کوئی
میں انتہائے عشق ہوں تو انتہائے حسن
دیکھے مجھے کہ تجھ کو تماشا کرے کوئی
عذر آفرین جبرم مجتہد ہے حسن دوست
محشر میں عذر تازہ نہ پیدا کرے کوئی
چھپتی نہیں ہے یہ نگہ شوق ہم نشین
پھر اور کس طرح انھیں دیکھا کرے کوئی
اڑ بیٹھے کیا سمجھ کے بھلا طور پر حکیم
طاقت ہو دید کی تو تقاضا کرے کوئی
نظارے کو یہ جنبشیں شگاہ بھی رہے
زنگس کی آنکھ سے تجھے دیکھا کرے کوئی

کھل جائیں کیا مئے ہیں تمنائے شوق میں
دو چاروں جو سیری تمنا کرے کوئی



کہوں کیا آرزوئے بے دلی مجھ کو کہاں تک ہے
مے بازار کی رونق ہی سووائے زیاں تک ہے
وہ کس جوں فروغ مے سے جو گلزار بن جاوے
ہوائے گل فراق ساقی نامہر باں تک ہے

۱۲۸
بانگ درا
۱۱۲

چمن افروز ہے صیاد میری خوشنوائی تک
 وہشت خال ہوں فیض پریشانی سے صحر ہوں
 جرسن نالہ خوابیدہ ہے میرے ہر گڑے میں
 سکون دل سے سامانِ کشود کار پیدا کر
 چمن زار محبت میں خموشی موت ہے بے بدل
 جوانی ہے تو ذوق دید بھی لطفِ تنہا بھی
 رہی بجلی کی بے تابانی سو میرے آشیان تک ہے
 نہ پوچھو میری وسعت کی نہیں آسمان تک ہے
 یہ خاموشی مری وقتِ حیل کا رواں تک ہے
 کہ عقد و خاطر لہر و آب کا اب رواں تک ہے
 یہاں کی زندگی پابندی رسمِ فغان تک ہے
 ہمارے گھر کی آبادی قیامِ مہمان تک ہے

زمانے بھر میں سوا ہوں مگر اے لائے نادانی!

سمجھتا ہوں کہ میرا عشق میرے ازواں تک ہے



جنھیں میں ڈھونڈتا تھا آسمانوں میں مینوں میں
 حقیقت اپنی آنکھوں پر نمایاں جب جاتی اپنی
 اگر کچھ آشنا ہو تا مذاقِ حبسِ سانی سے
 کبھی اپنا بھی نظارہ لیکے تو نے اے مجنون
 مہینے وصل کے گھڑیوں کی صوت اڑتے تھے
 وہ نکلے میرے طلعتِ خانہ دل کے مکینوں میں
 مکان نکلا اچھلے خانہ دل کے مکینوں میں
 تو سنک آستانِ کعبہ جا ملتا حبسینوں میں
 کہ سیلی کی طرح تو خود بھی ہے محلِ شینوں میں
 مگر گھڑیاں جدائی کی لڑائی ہیں مہینوں میں

مجھے روکے گا تو اے نا خدا کیا غرق ہونے سے

چھپا یا حسن کو اپنے کلیم اللہ سے جس نے

جلا سکتی ہے شمع شہ کو موجِ نفسِ ان کی

متناورِ دل کی ہو تو کر خدستِ فقیروں کی

نہ پوچھانِ خرقہ پوشوں کی ارادت ہو تو دیکھ ان کو

ترستی ہے نگاہِ نازِ جس کے گھٹائے کو

کسی ایسے شے سے ٹھونک اپنے خرمِ دل کو

محبت کے لیے دل ڈھونڈ کوئی ٹوٹنے والا

سراپا حسن بن جاتا ہے جس کے حسنِ عاشق

پھٹل اٹھا کوئی تیری ادائے نامعِ فنا پر

نمایاں ہو کر لکھلا دے کبھی ان کو جمال اپنا

خمش اے دل ابھری محفل میں چلانا نہیں اچھا

۱۳۰

بانگِ درا

۱۱۲

کہ جن کو ڈوبنا سو ڈوب جاتے ہیں سفینوں میں

وہی نازِ آفریں ہے جلوہ پیرِ نازِ سینوں میں

الہی الیا چھپا سوتا ہے اہلِ دل کے سینوں میں

نہیں ملتا یہ کو ہر بادشاہوں کے خزانوں میں

یہ بیٹھا لیے بیٹھے ہیں اپنی استینوں میں

وہ رونقِ انجمن کی ہے انھی خلوتِ گزینوں میں

کہ خورشیدِ قیامت بھی تو میرے غمِ شہِ چینوں میں

یہ وہ ہے جسے لکھتے ہیں نازلِ اہلِ بینوں میں

بھلائے دلِ حسین ایسا بھی ہے کوئی حسینوں میں

ترازتہِ ہاڑھ چڑھ کے سب نازِ آفرینوں میں

بہت مدت سے چرچے ہیں کے باریکِ بینوں میں

ادبِ پہلا قریب ہے محبت کے قرینوں میں

برا سمجھوں انھیں مجھ سے تو ایسا ہو نہیں سکتا

کہ میں بھی تو ہوں اقبال اپنے نگلہ چینوں میں



ترے عشق کی انتہا چاہتا ہوں مری سادگی دیکھ لیا چاہتا ہوں
 ستم ہو کہ ہو وعدہ بے حجابی کوئی بات صبر آزما چاہتا ہوں
 یہ جنت مبارک ہے زاہدوں کو کہ میں آپ کا سامنا چاہتا ہوں
 ذرا سا تو دل ہوں مگر شوخ تہن وہی لمن ترانی سنا چاہتا ہوں
 کوئی دم کا مہماں ہوں لے ایل محفل چراغِ سخن ہوں بجھا چاہتا ہوں

بھری بزم میں از کی بات کہہ دی

بڑا بے ادب ہوں سزا چاہتا ہوں



گشاہ دست کرم جب بے نیاز کرے نیاز مند نہ کیوں عاجزی پہ نیاز کرے
 بٹھاکے عرش پہ رکھا ہے تو نے اعظما خدا وہ کیا ہے جو بندوں کے احترام کرے
 مری نگاہ میں وہ رند ہی نہیں ساقی جو پوشیاری ہستی میں امتیاز کرے
 مدام کوشش بیل ہے یہ ساز ہے ایسا جو پوشکتہ تو پیدا نوئے راز کرے
 کوئی یہ پوچھے کہ واعظ کا کیا بڑتا ہے جو بے عمل یہ بھی حمت ہے نیاز کرے

سخن میں سوز، الہی کہاں سے آتا ہے
یہ چیز وہ ہے کہ پتھر کو بھی کداز کرے
تمیز لالہ و گل سے ہے نالہ بے بس
جہاں میں نہ کوئی چشم امتیاز کرے
غروں زہد نے سکھلا دیا ہے واعظ کو
کہ بندگانِ خدا پر زباں دراز کرے

چو اہو ایسی کہ ہندوستان سے لے اقبال
اڑا کے مجھ کو غبارِ حجاز کرے



سختیاں کرتا ہوں دلِ پُرخیر سے غافل ہوں میں
ٹائے کیا اچھی لہی ظالم ہوں میں جاہل ہوں میں
میں جہی تک تھا کہ تیری جلوہ پیرانی نہ تھی
جو نہود حق سے سٹ جاتا ہے وہ باطل ہوں میں
علم کے دریا سے نہ کھلے غوطہ زن کو ہر بدست
وائے محرومیِ اخرف چہ لبِ ساحل ہوں میں
ہے مری قلت ہی کچھ میری شرافت کی دلیل
جس کی غفلت کو ملک روتے ہیں غافل ہوں میں
بزمِ ہستی اپنی آرائش پہ تو نازاں ہو
تو تو اک تصویر ہے محفل کی اور محفل ہوں میں

دھونڈتا پھر تا ہوں اے اقبال اپنے آپ کو
آپ ہی کو یا سا فر آپ ہی منزل ہوں میں





مجنوں نے شہر چھوڑا تو صحرا بھی چھوڑ دے
 واعظ اقبال ترکے ملتے ہیں مراد
 تقسید کی روش سے تو بہتر ہے خود نشی
 مانند خامہ تیری باں پر ہے حرفِ غیر
 لطفِ کلام لیا جو نہ ہو دل میں دردِ عشق
 شبنم کی طرح ٹھولوں پہ وہ اور چمن سے چل
 ہے عاشقی میں رسمِ الگ سے بیٹھنا
 سوداگری نہیں یہ عبادتِ خدا کی ہے
 اچھا ہے دل کے ساتھ ہے پاسبانِ عقل
 جینا وہ لیا جو ہو نفسِ غیب پر مدد
 شوخی سی ہے سوالِ مکر میں اے کلیم
 نقطے کی پوس ہو تو سیلی بھی چھوڑ دے
 دنیا جو چھوڑ دی ہے تو عقبی بھی چھوڑ دے
 رستہ بھی ڈھونڈنا خضر کا سودا بھی چھوڑ دے
 بیگانہ شے پہ نازشیں بے جا بھی چھوڑ دے
 بسمل نہیں ہے تو تو ترپت با بھی چھوڑ دے
 اس باغ میں قیام کا سوا بھی چھوڑ دے
 بت خانہ بھی حرم بھی کلیسا بھی چھوڑ دے
 اے بے خبر! جزا کی تمنا بھی چھوڑ دے
 لیکن کبھی لکھی اسے تنہا بھی چھوڑ دے
 شہرت کی زندگی کا بھر سا بھی چھوڑ دے
 شرطِ رضا یہ ہے کہ تقاضا بھی چھوڑ دے

واعظ ثبوت لاتے جو مے کے جواز میں

اقبال کو یہ ضد ہے کہ پینا بھی چھوڑے

(۱) جود.....
 سید بنیاد امیر امیر (۱) و جم
 (۲) سید بنیاد امیر امیر (۱) و جم
 (۳) سید بنیاد امیر امیر (۱) و جم
 (۴) سید بنیاد امیر امیر (۱) و جم
 (۵) سید بنیاد امیر امیر (۱) و جم
 (۶) سید بنیاد امیر امیر (۱) و جم
 (۷) سید بنیاد امیر امیر (۱) و جم
 (۸) سید بنیاد امیر امیر (۱) و جم
 (۹) سید بنیاد امیر امیر (۱) و جم
 (۱۰) سید بنیاد امیر امیر (۱) و جم

۱۳۲
 بانگ درا
 ۱۱۸

حصہ دوم

(۱۹۰۵ء سے ۱۹۰۸ء تک)

۱۱

انصاف و عدل کی راہ میں
محبوب و محترم ہوں گے

تو دینداران و حکیمان و دانش خاکی مل - ~~و~~ خردمند و خردمند و خردمند
پتان کرد مل و نزه مل و کرب مل - ~~و~~ بد مل و بد مل و بد مل
آری خردمند و خردمند و خردمند - ~~و~~ خردمند و خردمند و خردمند

خوارزمی در بیان این روش

در سطر اول از میان طرف راست

افسوس کہ جس

1144

بانگے را

11

محبت

عروسِ شب کی زلفیں تھیں ابھی ناشام سے
 قرآنِ لباسِ نو میں بیکار سا لگتا تھا
 ابھی امکانِ عظمت خانے سے ابھری ہی تھی دنیا
 کمالِ نظمِ سستی کی ابھی تھی ہت اگوا
 سنا ہے عالمِ بالا میں کوئی کہیں لگتا تھا
 لکھا تھا عرش کے پائے پہ الٰہِ کافِ نسخہ
 نگاہیں نال میں رستی تھیں لیکن کیا لڑکی
 بڑھا تبیحِ خوانی کے بہانے عرش کی جانب
 پھر ایسا فکرِ بزل نے اُسے میدانِ امکان میں
 چمک تار سے مانگی چاند سے دُعا جگر مانگا
 تڑپ بجلی سے پائی حور سے کہیں گئی پائی
 ذرا سی پھر بوہت سے شانِ بے نیازی کی
 ستارے آسمان کے بے خبر تھے لذتِ رم سے
 نہ تھا واقف ابھی کر و شمسِ اربعینِ سلم سے
 مذاقِ زندگی پوشیدہ تھا پہلے عالم سے
 بیوید اٹھی بلینے کی تنہا چشمِ حاتم سے
 صفا تھی جس کی خالِ پائین بڑھ کر ساغرِ جم سے
 چھپاتے تھے فرشتے جس کو چشمِ روحِ آدم سے
 وہ اس نسخے کو بڑھ کر جانتا تھا اہمِ عظم سے
 تنائے کی آخر برآئی سعیِ پیسم سے
 چھپے کی لیا کوئی شے بارگاہِ حق کے محرم سے
 اڑائی تیر کی تھوڑی سی شب کی زلفِ برہم سے
 حرارتِ لی نفسِ سحرِ سحرِ ابنِ مریم سے
 ملک سے عاجزی افتاد کی تقدیرِ شبنم سے

۱۳۷
 داتا گنج بخش
 ۱۲۱

پھر ان اجزا کو لکھو لاپشہ حیوان کے پانی میں
موتوں نے یہ پانی ہستی نوخیز پر چھڑکا
مرتب نے محبت نام پایا عرش اعظم سے
گرہ لکھولی سہرنے اس کے گویا کارِ عالم سے
ہوئی جنبش عیان ذروں نے لطفِ خواب کو چھوٹا
گلے ملنے لگے اٹھ اٹھ کے اپنے اپنے سہم سے

خرام ناز پایا آفتابوں نے ستاروں نے
چٹک غنچوں نے پانی داغ پائے لالہ زاروں نے

حقیقتِ حُسن

خدا سے حُسن نے اک روز یہ سوال کیا
ملا جواب کہ تصویرِ حُسن ہے دنیا
جہاں میں کیوں نہ مجھے تُو نے لازوال کیا
شبِ وازِ عدم کا فسانہ ہے دنیا
وہی حسیں ہے حقیقتِ زوال ہے جس کی
فلکِ چمِ ہوا، اخترِ سحر نے سُنی
کسین قریب تھا، کیفیتِ گو قمر نے سُنی
سحر نے مارے سے سن کر سنائی شبنم کو
بھرتے پھول کے آنسو پیامِ شبنم سے
چمن سے واما ہوا موسمِ بہار لیا
شبِ سیر کو آیا تھا سو گوار لیا

پسام

عشق نے کرویا تجھے ذوقِ تمش سے آشنا
بزمِ کوشلِ شمعِ بزمِ حاصلِ سو ساز و
شانِ کرم پہ ہے مدارِ عشقِ کرہِ شائے کا
ویرِ حرم کی قید کیا جس کو وہ بے نیاز و
صوتِ شمعِ نور کی ہستی نہیں قبائے
جس کو خدا نہ دہر میں کر یہ جہاں لداڑے
تائے میں وہ قمر میں وہ جہد وہ کھرمیں وہ
چشمِ نظارہ میں نہ ٹوٹے مرے امتیازے
عشق بندِ بال ہے رسمِ مرہ نیاز سے
حسن ہے مستِ ناز اگر تو بھی جابِ نازے

پیرِ مغانِ فرنگ کی مے کا نشاط ہے اثر
اس میں وہ کیفِ غم نہیں مجھ کو تو خانہ ساز
تجھ کو خبر نہیں ہے کیا! بزمِ ٹہن بدل لیتی
اب خدا کے واسطے ان کو مے مجاز و

سوامی ام سیرتھ

سہمِ بغلِ دریا سے ہے اے قطرِ قے تبا تو
پہلے کو ہر تھا بہت اب کو ہر نایاب تو
آہ لھولا کس اواسے تو نے رازِ رنگِ بو
میں ابھی تک ہوں اسیرِ تسیارِ رنگِ بو

مٹ کے غوغا زندگی کا شور شراب محشر بنا
 یہ شرارہ مجھ کے آتش خانہ آذر بنا
 نفی ہستی ال کر شمر ہے دل آگاہ
 لائے دریا میں نہاں موتی ہے 'اللا اللہ' کا
 چشم نابینا سے مخفی معنی انجسام ہے
 تھم لئی جس دم تڑپ سیلاب سیم خام ہے
 توڑ دیتا ہے ہستی کو ابراہیم عشق
 پوشش کا دار ہے گویا ہستی تنہا عشق

طلبہ علی لڑھ کا لکھ کے نام

اوروں کا ہے پیام اور میرا پیام اور ہے
 عشق کے درمیں کھڑے کلام اور ہے
 طاہر زریں دام کے نالے تو سن چکے ہو تم
 یہ بھی سنو کہ نالہ طائر بام اور ہے
 اتنی تھی کوہ سے صہدار از حیات ہے سب کوں
 کہتا تھا سورنا تو اں لطف خرام اور ہے
 جذبِ حرم سے ہے فروغِ انجمنِ حجاز کا
 اس کا مقام اور ہے اس کا نظام اور ہے
 مست ہے عیشِ جاوہاں فوقِ طلبِ الرنہم
 شمعِ سحر یہ کہ لئی سوز ہے زندگی کا ش
 گروش آوی ہے اور گروشِ عام اور ہے
 عنم لہ نمود میں شرطِ دوام اور ہے

بادہ ہے نیم راسل ابھی شوق ہے ناسا بھی
 رہنے و چشم کے سر پہ خشتِ کلیا بھی

۱۲۰

بانگِ درا

۱۲۲

خستِ صبح

ستارہ صبح کا روتا تھا اور یہ کہتا تھا علی نگاہ مگر فرصتِ نظر نہ ملی

ہوئی ہے زندہ دمِ آفتاب کے پرشے اماں مجھی کو تیرا مہینِ سحر نہ ملی

بساط لیا ہے بھلا صبح کے ستارے کی

نفسِ حباب کا، تابندگیِ شرارے کی

کہا یہ میں نے کہ اے زیورِ حسین سجرا غمِ فنا ہے تجھے لُنبہِ فلک سے اتر

ٹپکِ بند ہی کرؤں سے ہر شہِ بنم مرے یا ضحیٰ سخن کی فضا ہے جاں پُر

میں باغباں ہوں محبتِ بہار ہے اس کی

بنامِ شالِ ابدِ پائدار ہے اس کی

حُسن و عشق

جس طرح ڈوبتی ہے شستیِ سیمینِ سر نورِ عرشید کے طوفان میں منگنا حُسن

جیسے ہو جاتا ہے لُلمِ نورِ کلمے کے لُلمِ نخل چاندنیِ رات میں متا کجاہمِ رنگِ کنول

۱۲۱
باقی ہے در
۱۲۵

جسودہ طور میں جیسے یہ مہضاتِ کلیم
سوجہ نکست گلزار میں غنچے کی شمیم

ہے ترے سہیل محبت میں یونہی دل میرا

تو جو محفل ہے تو ہنگامہ محفلِ جوں میں
حُسن کی برق ہے تو عشق کا حاصلِ جوں میں
تو سحر ہے تو مرے اشک ہیں شبنم تیری
شامِ غربت ہوں اگر میں تو شفقِ تو میری
مرے دل میں تری زلفوں کی پریشانی ہے
ترمی تصویر سے پیدا مری حیرانی ہے

حُسنِ کامل ہے ترا، عشق ہے کامل میرا

ہے مرے باغِ سخن کے لیے تو باوہسا
میرے بے تابِ تخیل کو دیا تو نے فستار
جب سے آباد ترا عشق ہوا سینے میں
نئے جوہر ہوئے پیدا مے اتینے میں
حُسن سے عشق کی فطرت کو ہے تھرکا کمال
تجھ سے سرسبز ہوئے میری امیدوں کے نہال

قندِ ہوپا آسودہ منہ دل میرا

.... لی لو د میں بلی دلیہ لہ

تجھ کو دوز ویدہ نگاہی یہ سکھا دی کس نے
رمزِ آغازِ محبت کی بتا دی کس نے
پہرہِ اداسے تری پیدا ہے محبت کیسی
نیلی آنکھوں سے چلتی ہے فکاوت کیسی

۱۲۲

بانگِ درا

۱۲۶

دیکھتی ہے کبھی ان کو کبھی شرماتی ہے
 اکلمہ تیری صفت آئینہ حیران ہے کیا
 مارتی ہے انھیں پونہچوں سے عجب ناز ہے یہ
 شوخ تو ہولی تو گودی سے تاریں گے تجھے
 کیا تبس ہے تجھے کس کی تنائی ہے
 خاص انسان سے کچھ حسن کا احساس نہیں
 شیشہ دہر میں ماندے ناب ہے عشق
 دل ہر ذرہ میں پوشیدہ کس ہے اس کی
 کبھی اٹھتی ہے کبھی لیٹ کے سوجاتی ہے
 نور آگاہی سے روشن تیری پہچان ہے کیا
 چھڑے غصہ ہے یا پیار کا انداز ہے یہ
 گر لیا ٹھول جو سینے کا تو ماریں گے تجھے
 آہ! کیا تو بھی اسی چیز کی سودائی ہے
 صورتِ دل ہے یہ ہر چیز کے باطن میں سکھیں
 رُوح خورشید ہے خونِ گلِ مستاب ہے عشق
 نوریہ ہے کہ ہر شے میں جھلک ہے اس کی

کہیں سامانِ سترت کہیں سازِ غم ہے
 کہیں گوہر ہے کہیں اشک کہیں شبنم ہے

کلی

جب لکھاتی ہے بحرِ عارضِ رنگیں اپنا
 جلدو آتشِ مہر ہے یہ صبح کے مغازے میں
 کھول دیتی ہے کلی سینہ زریں اپنا
 زندگی اس کی ہے خورشید کے پیمانے میں

سائے مہر کے دل چیر کے کھدیتی ہے
کس قدر سینہ شگافی کے منے لیتی ہے

مے خورشید کبھی تو بھی اٹھا اپنی نقاب
بہرِ نظارہ تڑپتی ہے نگاہ بے تاب
تیرے جلوے کا شہین جو مے سینے میں
عکس آباد تو یہ راسے کتنے میں
زندگی ہو ترا نظارہ مے دل کے لیے
روشنی ہو تیری گوارہ مے دل کے لیے
ذرہ ذرہ ہو مرا پھر طرب اندوز حیات
ہو عیاں جو ہر اندیشہ میں پھر سوز حیات
اپنے خورشید کا نظارہ کروں دُور سے میں
صفتِ غنچہ ہم آغوش ہوں نور سے میں

جانِ مضطر کی حقیقت کو نمایاں کر دوں
دل کے پوشیدہ خیالوں کو بھی عیاں کر دوں

چاند اور تارے

ڈرتے ڈرتے دمِ حیرے
تارے کہنے لگے تیرے
نظارے رہے وہی فلک پر
ہم تھک بھی گئے چوک چمکے
کام اپنا ہے صبح و شام چلنا
چلنا، چلنا، مدام چلنا

۱۲۲

بانگِ دل

۱۲۸

بے تاب ہے اس جہاں کی ہمشے کہتے ہیں جسے سکون نہیں ہے
رہتے ہیں ستم کش سفر سب تاکے انسان شجرِ حشر سب

ہو گا کبھی ستم یہ سفر کیا
منزل کبھی آئے گی ظن کیا

کہنے لگا چاند، نیم شبینو اے مریع شب کے خوش چینو!
جُنبش سے ہے زندگی جہاں کی یہ رسم قدیم ہے یہاں کی
ہے دوڑتا شہب زمانہ کھا کھا کے طرب کا تازیانہ

اس وہ میں متام بے محل ہے پوشیدہ قرار میں اجل ہے
چلنے والے نکل گئے ہیں جو ٹھہرے ذرا، نکل گئے ہیں
انجام ہے اس خرام کا حُسن آخان ہے عشق، نہتِ حُسن

وصال

جُستجو جس گل کی ٹرپاتی تھی اے بے بل مجھے خوابِ قسمت سے آخرِ گل کیا وہ گل مجھے
خود ٹرپاتا تھا، چمنِ الوں کو ٹرپاتا تھا میں تجھ کو جب رنگیں نواپاتا تھا، شرماتا تھا میں

سیرے پہلو میں دل مضطر نہ تھا سہما تھا
از تکاب جرم الفت کے لیے بے تاب تھا

نامرادی محفل گل میں مری مشہور تھی
صبح میری آہنہ در شب بیکور تھی

از نفس و سینه نگوں شتہ نشتر و شتم

زیر خاموشی نہاں غوغاے محشر و شتم

اب تاثر کے جہاں میں وہ پریشانی نہیں
اہل طُشَن پر گراں سیری غزل خوانی نہیں

عشق کی گرمی سے شعلے بن گئے چھلے مے
کھیلے ہیں بجلیوں کے ساتھ اب نلے مے

غازہ الفت سے یہ خال سیہ آئینہ ہے
اور آئینے میں عکس ہمدیم ویرینہ ہے

قید میں آیا تو حاصل مجھ کو آزادی ہوئی
دل کے لٹ جانے سے سیے گھر کی آبادی ہوئی

ضو سے اس نور شید کی اختر مرآتابندہ ہے
چاندنی جس کے غبار راہ سے شرمندہ ہے

یک لطف کردی آداب فنا آمختی

اے خنک روزے کہ خاشاک مرا واسختی



سُلیٰ

جس کی نمود و بکھی چشم ستارہ ہیں نے
خورشید میں، قمر میں، تاروں کی انجمن میں
صوفی نے جس کو دل کے غلّت کدے میں پایا
شاعر نے جس کو دیھا قدرت کے بانگین میں
جس کی چمک ہے پیدا، جس کی مہک ہویدا
شبِ نیم کے موتیوں میں، مچھلوں کے پیرہن میں
صحرا کو ہے بسایا جس نے سکوت بن کر
ہنگامہ جس کے دم سے کاشانہ چمن میں
ہر شے میں ہے نمایاں یوں تو جمال اس کا
انکھوں میں ہے سُلیٰ تیری جمال اس کا



عاشق ہر جاتی



ہے عجب مجموعہ اصدائے قہسِ بال تو
 تیرے ہنگاموں سے اے دیوانہ رنگیں نوا
 ہم شیش تاروں کا ہے تُو رفعتِ پرانے سے
 عین شغلِ مے میں پیشانی ہے تیری بھڑیز
 مثلِ بونے گلِ لباسِ رنگے عریان ہے تو
 جانبِ منزلِ واں بے نقشِ پاماندِ موج
 حُسنِ انالی ہے بحبِ تیری فطرت کے لیے
 تیری ہستی کا ہے آئینِ تعسّفِ تن پر مدّا
 ہے حسینوں میں فنا ناشناختیرِ خطاب
 رونقِ ہنگامہ محفل بھی ہے تنہا بھی ہے
 زینتِ گلشن بھی ہے آتشِ صحرا بھی ہے
 اے زمیں فرسا، قدمِ تیرا فلکِ پیا بھی ہے
 کچھ ترے مسک میں رنگِ شربِ دنیا بھی ہے
 ہے تو حکمتِ آفریں لیکن تجھے سوا بھی ہے
 اور پھر اُفتِ اوّشلِ حاصلِ دریا بھی ہے
 پھر عجب ہے کہ تیرا عشقِ بے پروا بھی ہے
 تو کبھی ایک آستانے پر جبیں فرسا بھی ہے؟
 اتنے ملوثِ کیش! تو مشہور بھی سوا بھی ہے

لے کے آیا ہے جہاں میں عادتِ سیاب تو

تیری بجاتی کے صدقے ہے عجب بے تاب تو

۱۲۸

بانگِ درا

۱۳۲

عشق کی آشفگی نے کر دیا صحر ہے
 ہر تاروں اس کے پہلو رنگ پر پہلو کا
 دل نہیں شاعر کا، ہے کیفیتوں کی رستخیر
 آرزو ہر کیفیت میں اک نئے جلوے کی ہے
 گو حسین باز ہے ہر لحظہ مقصود نظر
 بے نیازی سے ہے پیدا میری فطرت کا نیا
 موجب کہیں تاشائے شاربست
 ہر تقاضا عشق کی فطرت کا جو بس خموش
 جستجو گل کی لیے پھرتی ہے اجڑا میں مجھے
 زندگی اُفت کی درونجا میوں سے ہے مری
 سچا اگرچہ تھو تو افلاسِ تختیل ہے وفا
 فیض سانی شبِ نیم آسمان طرفِ دل دریا طلب
 مجھ کو پیاد کر کے اپنا کھتہ چسپا کیا

مُشتِ خال ایسی نہاں زیرِ قبا رکھتا ہوں میں
 سینے میں ہے کالوئی تر شاہوار رکھتا ہوں میں
 کیا خبر تجھ کو دُورِ دینِ سینہ کیا رکھتا ہوں میں
 مضطربِ جنِ دل کُوں نا آشنا رکھتا ہوں میں
 حُسنِ مے مضبوطِ پیمانِ وفا رکھتا ہوں میں
 سوزِ سازِ جستجو مثلِ صبا رکھتا ہوں میں
 ہونہر سکتا کہ دل برقِ آشنا رکھتا ہوں میں
 آہِ ابدہ کاملِ تحبلی مدعا رکھتا ہوں میں
 حُسنِ بے پایاں ہے درِ ولادوار رکھتا ہوں میں
 عشق کو آزادِ دستورِ وفا رکھتا ہوں میں
 دل میں ہر دم اک نیا محشرِ پیا رکھتا ہوں میں
 تشنہِ اتم ہوں تشنہِ زیرِ پا رکھتا ہوں میں
 نقشِ حُسنِ اپنے مصوے کا رکھتا ہوں میں

محفلِ مستی میں حبِ ایسا تنابِ علو تھا حسن
پتھرِ کس لے نہ تھا رکھتا ہوش

دربِ باباں طلبِ پیوستہ می کو شمیم

سوجِ بحیم شکستِ خویش بر پوشیم

کوششِ ناتمام

فرقتِ آفتاب میں کھاتی ہے پیچ و خمِ صبح
چشمِ شفق ہے خوں فشاں اخترِ شام کے لیے

رہتی ہے قیسِ روز کو سیلی شام کی ہوس
اخترِ صبح مضطربِ تابِ و ام کے لیے

کہتا تھا قطبِ آسمان قافلہٴ نجوم سے
ہم ہرگز میں ترس گیا لطفِ غم کے لیے

سوتوں غمِ ندیوں کا شوق بھر کا ندیوں کو عشق
موجبہٴ بحر کو تپشِ ماہِ تمام کے لیے

حُسنِ ازل کہ پروہ لالہ و گل میں ہے نہاں
کہتے ہیں بے قرار ہے جلوۂ عام کے لیے

رازِ حیات پوچھ لے خضرِ خجستہ گام سے

زندہ ہر ایک چیز ہے کوششِ ناتمام سے



نوائے غم

زندگانی ہے مری مثلِ بابِ غاموش
جس کی ہر رنگ کے غموں سے ہے لبرِ زائغوش
بربطِ کون مکان جس کی خموشی نیشا
جس کے ہر تار میں ہیں سیکڑوں غموں کے مزا
محشرِ تانِ نو کا ہے امیں جس کا سکوت
اور منت کشش ہنگامہ میں جس کا سکوت

آہ! اتیہد محبت کی بر آتی نہ کبھی

چوٹِ مضراب کی اس ساز نے کھائی نہ کبھی

گمراہی ہے نسیمِ چمنِ طور کبھی
سمتِ گردوں سے چوائے نفسِ حور کبھی
چھیرا ہستہ سے دیتی ہے مرا تارِ حیات
جس سے ہوتی ہے ہمارا روح گرفتارِ حیات
نغمہ یاس کی دھیمی سی صدا اٹھتی ہے
اشک کے قاف سے کو بانگِ دُراٹھتی ہے

جس طرح رفعتِ بہنم ہے مذاقِ رم سے

میری فطرت کی بلندی ہے نوائے غم سے



عشرتِ امروز

نہ مجھ سے کہہ کہ اہل ہے پیامِ عیش و سرور
 نہ کھینچ نکتہ کیفیتِ شرابِ طہور
 فراقِ حور میں ہوں غم سے ہلکا نہ تو
 پر ہی کو شیشہء الفنا میں اُتار نہ تو
 مجھے فرقتِ ساقی جمیل نہ کر
 بیانِ حور نہ کر، ذکرِ سبیل نہ کر
 مقامِ امن ہے جنت، مجھے کلام نہیں
 شبابِ آہ! کہاں تک اُمیدوار ہے
 وہ حُسنِ کیا کہ جو محتجِ چشمِ بیاہو
 وہ عیشِ عیش نہیں جس کا انتظار ہے
 نوؤ کے لیے منت پذیر ہوا ہوں

عجیب چیز ہے احساسِ زندگانی کا
 عقیدہءِ عشرتِ امروز ہے جوانی کا

انسان

قدرت کا عجیب یہ ستم ہے!

انسان کو راز جو بنایا
 راز اس کی نگاہ سے چھپایا

۱۵۲

بانگِ درا

۱۳۶

بے تاب ہے ذوقِ آگہی کا کھلتا نہیں بھیدِ زندگی کا

حیرتِ آغاز و انتہا ہے

اسی نے کئے گھر میں اور کیا ہے

ہے گرمِ حرامِ موجِ دریا دریا سوئے بھر جاوہِ پیمیا

بادل کو ہوا اڑا رہی ہے شانوں پہ اٹھلتے لا رہی ہے

تارے مستِ شرابِ تقدیر زندانِ فلک میں پایہ زنجیر

خورشید، وہ عابدِ سحر خیز لانے والا پیامِ بر خیز

مغرب کی پہاڑیوں میں چھپ کر پیتا ہے مے شفق کا ساغر

لذتِ گیسرِ وجود پر شے سرستِ مے نمود پر شے

کوئی نہیں غم گسارِ انساں

کیا تلخ ہے روزگارِ انساں

جلوۂ حُسن

جلوۂ حُسن کہ ہے جس سے متنابے تاب پالتا ہے جسے اغوشِ تخیل میں شباب

ابدی بنتا ہے عیالم فانی جس سے
 جو سکھاتا ہے ہمیں سربہ لریباں ہونا
 ایک افسانہ نگہیں ہے جوانی جس سے
 منظر عیالم حاضر سے لریزاں ہونا
 دور ہو جاتی ہے اوراق کی خامی جس سے
 عقل لرتی ہے تاثر کی غلامی جس سے

آہ! موجود بھی وہ حسن کہیں ہے کہ نہیں
 خاتم دہر میں یارب وہ نگہیں ہے کہ نہیں

ایک شام

(دریلے نیلر، ہائیڈل برگ کے کنارے پر)

خاموش ہے چاندنی قمر کی
 شامیں ہیں خاموش ہر شجر کی
 وادی کے نوافروش خاموش
 گسار کے سبز پوش خاموش
 فطرت بے پوش ہو گئی ہے
 آنکھوں میں شب کے سولہتی ہے
 کچھ ایسا سکوت کافسوں ہے
 نیکر کا حنہ ام بھی سکوں ہے
 تاروں کا خاموش کارواں ہے
 یہ قافلہ بے درواں ہے
 خاموش ہیں کچھ دوست و دریا
 قدرتے ہر مڑتے میں گویا

اے دل! تو بھی خموش ہو جا
آغوش میں غم کو لے کے سو جا

تنہائی

تنہائی شب میں ہے حُزنی کیا انجم نہ تیں سے نیم شیں کیا؟
یہ فطرتِ آسمانِ خاموش خوابید زمینِ جانِ خاموش
یہ چاند، یہ دشتِ دُریہ لہسا فطرت سے تم نہ مستن زار
موتی خوش رنگ، پیارے پیارے یعنی تیرے آسوں کے تارے

کس شے کی تجھے ہوس ہے اے دل!
قُدرت تری نیم نفس ہے اے دل!

پیامِ عشق

سُن اے طلبِ کارِ درویشِ دلو! میں نازِ ہوں، تو نیاز ہو جا
میں غمِ زنوی سوماتِ دل کا ہوں، تو سرِ پایا نیاز ہو جا

نہیں ہے وابستہ زیرِ گردوں کمالِ شانِ سکندری سے
 تمام سماں ہے ترسے کسینے میں تو بھی آتینہ ساز ہو جا
 غرض ہے پیکارِ زندگی سے کمالِ پائے ہلالِ تیرا
 جہاں کا فرضِ قدیم ہے ثورِ ادا ہشتالہ ساز ہو جا
 نہ ہو قناعت شعارِ چین اسی سے قائم ہے شانِ تیری
 و فورِ گل ہے اگرچہ سن میں تو اور دامنِ دراز ہو جا
 گئے وہ ایام، اب زمانہ نہیں ہے صحرا نورِ دیوں کا
 جہاں میں مانندِ شمع سوزاں میانِ محفلِ کداز ہو جا
 وجودِ انداد کا مجبازی ہے ہستی قوم ہے حقیقی
 فدا ہو ملت یہ یعنی آتشِ زینِ طلسمِ مجاز ہو جا
 یہ ہند کے فرستہ سازِ قبائلِ آزری کر رہے ہیں گویا
 بچا کے دامنِ بتوں سے اپنا غبارِ راہِ حجاز ہو جا



فراق

تلاشِ گوشہ عزلت میں پھر رہا ہوں میں
یہاں پہاڑ کے دامن میں آنکھیں پائی ہیں
شکستہ گیت میں چشموں کے دلبری ہے کمال
وہ ملتے طفلا کی گفتار آزما کی مثال
ہے تختِ لعلِ شفق پر جلوِ حسنِ شام
بہشتِ دیدہ بینا ہے حسنِ منظرِ شام
سکوتِ شامِ جدائی ہوا بہانہ مجھے کسی کی یاد نے سکھلا دیا ترانہ مجھے
یہ کیفیت ہے مری جانِ شکیبا کی
مری مثال ہے طفلِ صغیر تنہا کی
اندھیری رات میں کرتا ہے وہ سرد آغاز
صدا کو اپنی سمجھتا ہے غیب کی آواز
یونہی میں دل کو پیام شکیب دیتا ہوں شبِ فراق کو گویا فریب دیتا ہوں

عبدالقادری کے نام

اٹھ کہ ظلمت ہوئی پیدا افقِ حنا و پر
 ایک نہ یاد ہے مانند سپند اپنی بساط
 اہلِ محفل کو کچھ سادیں شریقتِ عشق
 جلوہ یوسفِ گم گشتہ دلہا کران کو
 اس پس کو سبقِ آئینِ نو کا دے کر
 رختِ جاں بت کہہ چس سے اٹھالیں اپنا
 دیکھ بابرِ بے ہوا نامتِ لیلیٰ بیکار
 بادہ دیرینہ ہوا گرم ہوا یہ کہ لدا
 گرم رکھتا تھا ہمیں سڑی مغرب میں جواغ
 شمع کی طرح جیسے بنم کہ عالم میں
 بزم میں شعلہ نوا آتی ہے اُجبالا کریں
 اسی پنگامے محفلِ تنہ و بالاکریں
 سنگِ امروزی کو آئینہ بن کر کریں
 تپشِ آلودہ تراز خونِ زلیخا کریں
 قطرہ شبنم بے پایہ کو دریا کریں
 سب کو محورِ رخِ سدا می و سلیلی کریں
 قفس کو آرزوئے نو سے شناسا کریں
 جگر شیشہ و پیانہ و سینا کریں
 چیر کر سینہ اُسے وقفِ تماشا کریں
 خوب بدیں دیدِ غیب کار کو بنیا کریں

”ہر چہ در دل گذر و وقفِ زبانِ اردو شمع
 جوستن نیست خیال کے کہ نہاں اردو شمع“

صفت

(جزیرہ سسلی)

روئے اب دل لھول کر لے دیدِ خونناہ بیا
وہ نظر آتا ہے تہذیبِ حجازی کا مزا
تھایہاں منگامہ ان صحرائیں نوں کا بھی
بحرِ بازی گاؤ تھا جن کے سفینوں کا بھی
زلزلے جن سے شہنشاہوں کے درباروں میں تھے
بجلیوں کے اشیانے جن کی تلواروں میں تھے
اک جہانِ تازہ کا پینام تھا جن کا ظہور
لکھاتی عصرِ کائن کو جن کی تیغ ہاں سب
مردِ عالم زندہ جن کی شویشِ کسم ہوا
آدمی آزاد زنجیر تو ہم سے ہوا

غلغلوں کے جس لذت گیر تک لوش ہے

کیا وہ تکبیر ہمیشہ کے لیے خاموش ہے؟

آہ اے سسلی بسند کی ہے تجھ سے آبرو
رہنما کی طرح اس پانی کے صحرا میں ہے تو
زیب سے خال سے خسارِ دریا کو رہے
تیری شمعوں سے تسلی بحرِ پیا کو رہے
پوشِ بک چشمِ مسافر پر تر اظنہِ مدام
موجِ رقعات سے یہ ساحل کی چٹانوں پر مدام

تو کبھی اس قوم کی تہذیب کا گوارہ تھا
حُسنِ عالم سوزِ جس کا آتشِ نظر تھا

نماکشِ شیراز کا بیلِ ہوا بے دادر
داغِ رویا خون کے آنسو جب ان کا دیر
اسماں نے دُعا کی تھی ناطہ جب برباد کی
ابنِ بدروں کے دلِ ناشائستہ کی یاد کی
غمِ نصیبِ اقبال کو بخشا گیا ماتم ترا
چُن لیا تھی دینے وہ دل کہ تھا محرم ترا

ہے ترے آثار میں پوشیدہ کس کی داستان
تیرے حُسن کی خموشی میں ہم اندازِ بیاں
دروا پنا مجھ سے کہہ نہیں بھی سراپا دروہوں
جس کی تو منزل تھا میں اس کا دُعا کی کرو پو
زنگِ تصویرِ بہن میں بھر کے لٹکا دے مجھے
قصہِ ایامِ سلف کا کہہ کے تڑپے مجھے

میں ترا شخفِ سوتے ہندوستان لے جاؤں گا
خود یہاں و تاجپوں اُلوں گا وہاں رُلاؤں گا



عزلیات



زندگی انساں کی اک دم کے سوا کچھ بھی نہیں
 گل تبسم کہہ ہا بخت زندگانی کو مگر
 دم ہوا کی موج ہے دم کے سوا کچھ بھی نہیں
 شمع بولی بار یہ عنسم کے سوا کچھ بھی نہیں
 راز ہستی راز ہے جب تک کوئی محرم نہ ہو
 کھل گیا جس دم تو محرم کے سوا کچھ بھی نہیں
 زائرانِ کعبہ سے قبل یہ پوچھے کوئی
 کیا حرم کا تحفہ نہ مزم کے سوا کچھ بھی نہیں



الہی عقلِ خجستہ پے کو ذرا سی دیوانی سلھاوے
 ملا محبت کا سو مجھ کو تو بولے صبح ازل فرشتے
 اسے سووائے بخنیہ کاری مجھے سر پر ہنسی ہے
 مثالِ شمع مزار ہے تُو ترمی کی انجمن نہیں ہے

۱۶۱
 بانگ درا
 ۱۲۵

یہاں کہاں ہم نفس مستیزدینِ ناستہ ہے لے لے
 وہ چیز تو مانگتا ہے مجھے کئے زیرِ پرچ کُن نہیں ہے
 نرالا ہے جہاں کے اس کو عرب کے معمار نے بنایا
 بنا ہے حصارِ ملت کی اتحادِ وطن نہیں ہے
 کہاں کا انا کہاں کا جانا فریب ہے امتیازِ عقوبتی
 نو دہائے میں ہے ہماری کہیں کا وطن نہیں ہے
 مدیرِ مخزن سے کوئی اقبالِ عالم میرا پیام لے دے
 جو کا کچھ لکھ رہی ہیں میں انھیں ابرق سخن نہیں ہے



زمانہ دیکھے گا جب مرے دل سے محشر اٹھے گا نعتِ کوکا
 مری خموشی نہیں ہے گویا مزار ہے حرفِ آرزو کا
 جو موجِ دریا لکلی یہ کہنے سفر سے قائم ہے شانِ میری
 گھر یہ بولا صد فاشیٰ ہے مجھ کو سامانِ آبرو کا
 نہ ہو طبیعت ہی جن کی قاتل وہ تربیت سے نہیں بنتی
 ہوا نہ سرسبز رہ کے پانی میں عکسِ سرو کُنارِ جو کا
 کوئی دل ایسا نطفہ نہ آیا نہ جس میں خوابیدہ ہوتا
 الہی تیرا جہان کیا ہے، نگارِ حنہ ہے آرزو کا

کھسلا یہ مر کر کہ زندگی اپنی تھی طلسم ہو بس سراپا
جسے سمجھتے تھے جسم خالی غیب ارتھا کو بے آرزو کا

اگر کوئی شے نہیں ہے نہاں تو کیوں سراپا تلاش میں
ننگہ کو نظارے کی تناس ہے، دل کو سودا ہے جستجو کا
چمن میں گھسیں سے غنچہ کہتا تھا، اتنا بیدار کیوں ہے انسا

ترمی نگاہوں میں تپے بستم شکستہ ہونا مرے سب کو کا
ریاض ہستی کے فترے سے ہے محبت کا جلوہ پیدا

حقیقتِ گل کو تو جو سمجھے تو یہ بھی سمیاں ہے رنگ بو کا

تمام مضمون مرے پرانے، کلام میرا خطا سراپا

ہنر کوئی دیکھتا ہے مجھ میں تو عیب ہے میرے عیب جو کا

سپاس شرطِ ادب ہے ورنہ کرم ترا ہے ستم سے بڑھ کر

ذرا سا ال دل دیا ہے وہ بھی فریب خوروہ ہے آرزو کا

کمالِ وحدت عیاں ہے ایسا کہ نولِ نشتر سے تو جو چھیرے

یقین ہے مجھ کو لرے رل گل سے قطرہ انسان کے لہو کا

کیا ہے تفتید کا زمانہ مج زخمت سفر اٹھاتے
 ہوئی حقیقت ہی جب نمایاں تو کس کو یا راہے گفست کو کا
 جو گھر سے اقبال دور ہوں میں تو ہوں نہ محزون عزیز میرے
 مثال کو ہر وطن کی فرقت کمال ہے یہی آبرو کا



چمکتی سیریں بلی میں آتش میں شرار میں
 بلند سی آسمانوں میں زمینوں میں تری ہی پستی
 شریعت کیوں نمایاں کیر سو ذوق تکلم کی
 جو ہے بیدار نساں میں وہ لہری غنید سو تمام
 مجھے ٹھونکا ہے سوزِ قطرہ اشکِ محبت نے
 نہیں جنسِ ثوابِ آخرت کی آرزو مجھ کو
 سکونِ ناشناختہ اسے سامانِ ہستی ہے
 تڑپ کس دل کی یارِ چھپکے ابھی سے پارے میں
 جھکاتے ہی بید چاند میں موج میں تارے میں
 روانی بھر میں فست و لی تیری کنارے میں
 چھپا جاتا ہوں اپنے دل کا مطلب تارے میں
 شجر میں مھول میں حواں میں شجر میں ستارے میں
 غضب کی آگ تھی پانی کے چھوٹے شرارے میں
 وہ رو کر مچھل میں نے نفع دیکھا ہے خسارے میں
 تڑپ کس دل کی یارِ چھپکے ابھی سے پارے میں

صدائے تنہائی سُن کے اقبال میں چپ رہا
 تقاضوں کی کہاں طاقت ہے مجھ فرقت کے ملے میں

۱۶۲

باقی ہے در

۱۶۸



یوں تو اے بزمِ جہاں بولکش تھے نگارے تر
 ال ذرا افسردگی تیرے تماشاؤں میں تھی
 پالنی آسودگی کوئے محبت میں وہ خال
 مدّتوں آوارہ جہمت کے صحراؤں میں تھی
 کس قدر اے مے تجھے رسمِ حجاب کی پسند
 پروہ انکور سے نکلی تو میناؤں میں تھی
 حسن کی تاثیر پر غالب نہ آسکتا تھا علم
 اتنی نادانی جہاں سائے انماؤں میں تھی
 میں نے اے اقبال کوپ میں اُسے صوبہ
 بات جو ہندوستان کے ماہِ سیماؤں میں تھی



مثال پر تو مے طوفِ جام کرتے ہیں
 یہی نہ سازِ ادا صبح و شام کرتے ہیں
 خصوصیت نہیں کچھ اس میں اے کلیم تری
 شجرِ حبر بھی خدا سے کلام کرتے ہیں
 نیا جہاں کوئی اے شمع اڑھوٹے کی یہاں
 ستم کششِ پیشِ ناتم کرتے ہیں
 بھلی ہے ہم نفسِ اس چمن میں خاموشی
 کہ خوشنواؤں کو پابندِ دام کرتے ہیں
 غرض نشاطِ شغلِ شراب سے جن کی
 حلال چیز کو یا حرام کرتے ہیں
 بھلا نہ بھلی تری ہم سے کیونکر اے وعظا
 کہ ہم تو رسمِ محبت کو عام کرتے ہیں

الہی سے پیر پرانِ حق پوش میں کیا کہ الٰہی سے جانوں کو رام کرتے ہیں
 میں اُن کی محفلِ عشرت کے کانپ جاتا ہوں جو گھر کو پھونک کے دنیا میں نام کرتے ہیں
 ہرے ہو وطنِ مازنی کے سیدانوا جہاز پر سے تمہیں ہم سلام کرتے ہیں

جو بے نماز کبھی پڑھتے نہیں سزا اقبال
 ہمارے دیر سے مجھ کو امام کرتے ہیں



مارچ ۱۹۰۷ء

زمانہ آیا ہے بے حجابی کا، عام دیدار یار ہوگا
 سکوت تھا پردہ دار جس کا، وہ راز اب آشکار ہوگا
 گزر گیا اب وہ دور ساقی کہ چھپ کے پیتے تھے پینے والے
 بنے گا سارا جہان سحرِ ناز، ہر کوئی بانِ خوار ہوگا
 کبھی جو آوارہ جنوں تھے وہ بستیوں میں پھر آئیں گے
 برہنہ پائی وہی رہے گی، مگر نیا حشر زار ہوگا

۱۲۶

باقی ہے در

۱۵۰

سنا دیا گوش منتظر کو جب از کی خاشی نے آخر
 جو عہدِ سہراتیوں سے باندھا لیا تھا، پھر اُستوار ہوگا
 نکل کے صحرا جس نے رومالی سلطنت کو اُٹھ دیا تھا
 سنا ہے یہ قدسیوں میں نے وہ شیر پھر ہوشیار ہوگا
 کیا مرا تذکرہ جو ساقی نے بادہ خواروں کی انجمن میں
 تو پیرِ حینانہ سن کے کہنے لگا کہ منہ پھٹ ہے خوار ہوگا
 دیارِ مغرب کے رہنے والو! خدا کی بستی دکاں نہیں ہے
 کھرا جسے تم سمجھ رہے ہو، وہ اب زبرِ کم عیار ہوگا
 تمہاری تہذیب اپنے پنجہ سے آپ ہی خوشی کے کی
 جو شاخِ نازک پہ آشیانہ بنے گا، ناپائدار ہوگا
 سفینہٴ برکِ گل بنائے گا قافلہٴ مورتا توں کا
 ہزار موجوں کی چوٹ کشش مگر یہ دریا سے پار ہوگا
 چمن میں لالہ دکھاتا پھرتا ہے داغِ اپن کھلی کھلی کو
 یہ جانتا ہے کہ اس دکھاوے سے دل جلوں میں شمار ہوگا

جو ایک تھالے نگاہ ٹوٹنے ہزار کر کے ہمیں دکھایا
 یہی الکلیفیت تیرے سیری تو پھر کے استبار ہوگا
 کہا جو قمری سے میں نے اک دن یہاں کے ازاد پایہ گل ہیں
 تو غنچے کہنے لگے ہمارے چمن کا یہ راز وار ہوگا
 خدا کے عاشق تو ہیں ہزاروں بنوں میں پھرتے ہیں مارے مارے
 میں اُس کا بند بنوں گا جس کو خدا کے بندوں سے پیار ہوگا
 یہ رسم بزم فنا ہے اے دل ابلت ہے جنبشِ نظر بھی
 رہے لی کیا آبرو ہماری جو تو یہاں بے قرار ہوگا
 میں طلعتِ شب میں لے کے نکلوں گا اپنے در ماندہ کارواں کو
 شرفشاں ہوگی آہِ سیری نفسِ عاشقِ بار ہوگا
 نہیں ہے غم سے راز نمود کچھ بھی جو مدعا تیری زندگی کا
 تو اُن نفس میں جہاں سے مٹنا تجھے مثالِ شرار ہوگا
 نہ پوچھ قبیل کا ٹھکانا ابھی وہی کیفیت ہے اُس کی
 کہیں سرگزار بھیج ستم کشِ منتِ رن ہوگا

خدمت سوم

(۱۹۰۸ء سے)



۱۶۹

بانگ درا

۱۵۲

(۲) سرزمین دنی را بخور و تم رفته است - درین در شمع کپور و عسل و هزاران صفت
 پاک و در او شگفتان و بزرگوارانم - خالق ملک و پادشاه بر او کار و بر
 رتبه و درخت کرم و فراوانم و تنجدار - تعلیم عالم و بر کس ملکوت پرورد
 دگر از تو بپا بر رتبه و شرفی عادت به
 مدینه مدینه و کفر و کفر و عادت به

(۳) جز باریت نامم گویند از نام تو (ای کرانت و اگر مقدار بر بندازم)
 یخیز و در هر حال و در هر حال - لایزال و بر تری و عذاب و عاز
 نادر است و در هر یک از نام تو - خفته و بخت و بخت و بخت و بخت
 چنانچه خفته و خفته و خفته و خفته و خفته و خفته و خفته و خفته
 و خفته و خفته و خفته و خفته و خفته و خفته و خفته و خفته

(۴) سرزمین و سرزمین و سرزمین و سرزمین - سرزمین و سرزمین و سرزمین و سرزمین
 سرزمین و سرزمین و سرزمین و سرزمین - سرزمین و سرزمین و سرزمین و سرزمین
 سرزمین و سرزمین و سرزمین و سرزمین - سرزمین و سرزمین و سرزمین و سرزمین
 سرزمین و سرزمین و سرزمین و سرزمین - سرزمین و سرزمین و سرزمین و سرزمین
 سرزمین و سرزمین و سرزمین و سرزمین - سرزمین و سرزمین و سرزمین و سرزمین
 سرزمین و سرزمین و سرزمین و سرزمین - سرزمین و سرزمین و سرزمین و سرزمین
 سرزمین و سرزمین و سرزمین و سرزمین - سرزمین و سرزمین و سرزمین و سرزمین

بلا و اسلام

سُرمیں دلی کی سچو دل غم دیدہ ہے دُستِ فتنے میں لہو اسلاف کا خوابیدہ ہے
پاک اس اُجڑے گھمستاں کی نہ ہو لکڑیاں خانقاہِ عظمتِ اسلام ہے یہ سرزمین
سوئے ہیں اس خال خالی غم کے تاجدار نظمِ عالم کا راجہ جن کی حکومت پر مدار

دل کو ٹپاتی ہے اب تک گمراہی کی لاد
جل چکا حاصل مگر محفوظ ہے حاصل کی لاد

بے نیات کا ہر گمراہ ان با بھی اس کراست کا ملحق وہ ہے بند ابھی
یہ چمن وہ ہے کہ تھا جس کے لیے سامانِ ناز لالہ صحرے کہتے ہیں تہذیبِ باز
خال اس سب کی ہو لکڑیاں نہ ہندو شرام جس نے دیکھے جاشیناں میں سے کہ قدم

جس نے غنچے تھے چمن سامانِ وہ گلشن ہے یہی
کانپتا تھا جن سے کروا ان کا دفن ہے یہی

ہے زمینِ قرطبہ بھی دیدہٴ سلم کا نور
ظلمتِ مغرب میں جو روشن تھی مثلِ شمعِ طور
بُجھ کے بزمِ ملتِ ہند پریشاں کر لیتی
اور دیا تہذیبِ حاضر کا منہ زراں کر لیتی

قبرِ اس تہذیب کی یہ سرزمینِ پاک ہے

جس سے نالِ گلشنِ یورپ کی گلِ نمِ نال ہے

خطۂ قسطنطنیہ یعنی قصہ کا دیا
مہدی اُمت کی سطوت کا نشانِ پائدا
صوتِ خالِ سم یہ سرزمین بھی پاک ہے
استانِ سندر کے شہِ لولاک ہے
نحستِ گل کی طرح پاکیزہ ہے اس کی ہوا
ثربتِ ایوب انصاری سے آتی ہے صدا

اے سمانِ ملتِ اسلام کا دل ہے شہر

سیکڑوں صدیوں کی کشتِ نوح کا حاصل ہے شہر

وہ زمیں ہے تو گراے اب گہِ مصطفیٰ
دید ہے کعبے کو تیری حجِ اکبر سوا
خاتمِ ہستی میں تو تاباں ہے مانندِ نجیہ
اپنی عظمت کی مِلاوت گاہ تھی تیری زمیں
تجھ میں احستِ اس شہنشاہِ معظّم کو ملی
جس کے اہن میں امانِ قوامِ عالم کو ملی
نامِ لیوا جس کے شاہِ منشادِ عالم کے ہوئے
جانشینِ قصیر کے وارثِ مسندِ جم کے ہوئے
ہے اگر قومیتِ اسلام پابندِ مقام
پہنچ ہی بنیاد ہے اس کی نہ فارس ہے نہ شام

۱۷۲

بانگِ درا

۵۶

اے شربِ دیسِ مسلم کا تو ماوا ہے تو نقطہ جاذبِ تاثر کی شعاعوں کا ہے تو

جب تک باقی ہے تو دنیا میں باقی ہم بھی ہیں

صبح ہے تو اس چمن میں گھرِ شبنم بھی ہیں

ستارہ

قمر کا خوف کہ ہے خطرہِ بحرِ تجھ کو مالِ حسن کی کیا بل لیتی خبر تجھ کو؟

مبارع نور کے لٹ جانے کا ہے ڈر تجھ کو ہے کیا ہر اس فنا صورتِ شمر تجھ کو؟

زمین سے فوراً اسماں نے گھر تجھ کو مثالِ ماہِ اڑھائی قبائے زر تجھ کو

غضب سے پھر تری تھی سی جان ڈرتی ہے!

تمام رات تری کانپتے کزرتی ہے

چمکنے والے مساندرِ عجب یہ بستی ہے جواج ایک کانے دوسرے کی پستی ہے

اصل ہے لاکھوں ستاروں کی اک ولادتِ مہر فنا کی پسند میں زندگی کی مستی ہے

وداعِ غمِ چر میں ہے از آفرینِ شکر گل عدمِ عدم ہے کہ آئینہِ درستی ہے!

سکونِ محال ہے قدرت کے کارخانے میں ثبات ایک تغیر کو ہے ملنے میں

دوستارے

اے جو قراں میں دوستارے کہنے لگا ایک دوسرے سے
یہ وصل مدام ہو تو کیا خوب انجام ختم مدام ہو تو کیا خوب

تھوڑا سا جو سب بے غلک ہو

ہم دونوں کی ایک ہی چمک ہو

لیکن یہ چھ سال کی قسمت پیغام منداق تھی سراپا
گروشن ماروں کا ہے مستدر ہر ایک کی راہ ہے مقدر

ہے خواب شباتِ آشنائی

آئین جہاں کا ہے بُدائی

گورستانِ شاہی

آسمانِ بادل کا پنہ ختمِ دیرینہ ہے کچھ عطرِ سببِ حسینِ ماہ کا آئینہ ہے
چاندنی بھکی ہے اس نظرِ خاموش میں صبحِ صبا تو سو رہی ہے رات کی آغوش میں

۱۷۲

باقی ہے در

۱۷۸

کس قدر اشجار کی حیرت فزا ہے خاشی بربطِ قدت کی دھیمی سی نوا ہے خاشی

باطنِ مہرِ ذرہ عالم سرا پا درو ہے

اور حشاموشی لبِ بستی پہ آہِ سُر ہے

آہِ اجولاں کا عالمِ غیر یعنی وہ حصار روشن پر اپنے اٹھاتے سیکڑوں صدیوں کا بابا
زندگی سے تھا کبھی سوا بے سنان ہے نیم موشی اس کے ہنگاموں کا گورستان ہے

اپنے سُگانِ کُنن کی خال کا دلدادہ ہے

کوہ کے سرِ پشالِ پاسبانِ ستاد ہے

ابر کے رُزن سے ہالائے بزمِ آسماں ناطقِ عالم ہے نجمِ بزمِ بزمِ آسماں
خالِ بازویِ مسرتِ دنیا کا منہ مٹا ہے دستانِ کامیابِ انساں کی ہے ازبرِ آ
ہے ازل سے سیا فرسوتے منزلِ جا رہا آسماں سے نفتِ لابون کا تماشا بھیتا
گو سکونِ ممکن نہیں عالمِ مریخت کے لیے فتحِ خوانی کو ٹھیس ہے مہرِ کئیے

زنگِ آبِ ندی سے گلِ بداسن ہے زمیں

سیکڑوں خوش شہتہ تہذیبوں کا دفن ہے زمیں

خوابِ گے شاہوں کی ہے مینزلِ حسرتِ فزا دیدہ عبرتِ اخراجِ اشکِ کللوں کراوا

ہے تو کورستان مگر یہ خال لڑوؤں کا پیہ ہے
 اہ بال برشتہ قسمت قوم کا سٹریہ ہے
 مقبروں کی شان حیرت آفریں ہے اس قدر
 جنبشِ مرثکاں سے ہے چشم تماشا کو حد

کیفیت ایسی ہے ناکامی کی اس تصویر میں
 جو اثر سکتی نہیں اتنی تہ تحت میں

سوئے ہیں خاموشن آبادی کچھ گاموں کے دور
 مضطرب لکھتی تھی جن کو آرزوئے جمہور
 قبر کی عظمت میں ہے ان فہستابوں کی چھک
 جن کے دروازوں پر رہتا تھا جبیں ترغاب
 کیا یہی ہے ان شہنشاہوں کی عظمت کا مال
 جن کی تدبیرِ جہاں مانی سے ڈرتا تھا زوال
 عربِ فغفور می دنیا میں کہ شانِ قصیری
 مل نہیں سکتی غنیم موت کی پوش کبھی

بادشاہوں کی بھی نشستِ عمر کا حاصل ہے گو
 جاوہِ عظمت کی گویا آخری منزل ہے گو

شورشِ زہم بکریا غموں کی تختِ تیریا
 دروہنِ دانِ جہاں کا مالہ شبِ کیریا
 عرصہ پہکار میں پنہاں شمشیر کیا
 خون گولہ مارنے والے فوجِ کیریا

اب کوئی آواز سوسوں کو جگا سکتی نہیں
 سینہ سوراں میں جانِ فہستہ آسکتی نہیں

روح ہشت خال میں جست کش سدا ہے
کوچہ گروئے ہو اجس دم نفس سدا ہے
زندگی انساں کی ہے ناست مرغ خوشنوا
شاخ پر ٹھیک لونی دم چھپایا اڑ گیا
اے! لیا آئے ریاض و ہر میں ہم لیا لے
زندگی کی شاخ سے پھوٹے گلے، مچھالے

موت ہر شاہ و لدائے خواب کی تعبیر ہے

اس تم لڑکا ستم انصاف کی تصویر ہے

سلسلہ ہستی کا ہے انکسار پیدا کنار
اور اس دہائے بے پایاں کی جو بس میں نہا
اے ہوسن خون کہ ہے یہ زندگی بے اعتبار
یہ شرارے کا تسم خیر آتش سوا
چاند جو صہوت گریہی کا ال اعجاز ہے
پہنے سیما بی قب محو نہ ام ناز ہے
چرخ بے نجم کی دہشت نال وعت میں مگر
بیکسی اس کی کوئی دیکھے فراقت سحر

اں فرسا ابر کا ٹکڑا ہے جو ہست تاب تھا

آخری آنسو ٹپک جانے میں جو بس کی فنا

زندگی اقوام کی بھی ہے یونہی بے اعتبار
زنگہارے فرت کی تصویر ہے ان کی ہسا
اس زباں خانے میں کوئی ملت لڑوں و قات
رہ نہیں سکتی ابد تک بار ووشن روزگار
اس قدر قوموں کی بربادی سے ہے خولر جہاں
دیکھتا ہے عتسائی سے ہے منظر حبال

ایک صہوت پر نہیں تھا کسی شے کو قرا
ذوقِ جدت سے ہے ترکیبِ پنج روزگار

ہے ملکینِ ہر کی زینت ہمیشہ نامِ نو

ماورِستی رہی استنِ اقوامِ نو

ہے ہزاروں قافلوں سے آشنا یہ لہر
چشمِ کوہِ نور نے دیکھے ہیں کتنے تاجو

مصرِ بابل مٹ گئے، باقی نشان تک بھی یہ
دفترِستی میں ان کی داستان تک بھی نہیں

آدیا مہسرا کی جہل کی شام نے
عظمتِ یونان و روم لوٹ لی ایام نے

آہِ مسلم بھی زمانے سے یونہی رخصت ہوا

اسماں سے آبرِ آذاری اٹھا برسا گیا

ہے گلِ گلِ صبح کے اشکوں سے موتی کی لڑی
کوئی سوج کی کرنِ چشم میں ہے الجھی ہوئی

سینہ سوراٹنے احوں کے لیے لہوا ہے
کس قدر پیارا لبِ جوہر کا لطف ہے

محوِ زینت سے صنوبرِ جو بہارِ آئینہ ہے
غنیہ گل کے لیے باو بہارِ آئینہ ہے

نعرہ زن رہی ہے کوئلِ باغ کے کاشانے میں
چشمِ انساں کے نہاں تپوں کے عزت خانے میں

اوپر بلِ مطربِ رنگیں نوائے گلستاں
جس کے دم سے زندہ ہے گویا ہوائے گلستاں

عشق کے ہنگاموں کی اڑتی ہوئی تصویر ہے
خاصہ قدرت کی کیسی شوخ تحریر ہے

باغ میں خاموش جلسے گھستان لوگوں کے ہیں واوی کھسار میں نعرے شبان لوگوں کے ہیں
 زندگی سے یہ پرانا خال اس سمور ہے موت میں بھی زندگانی کی تڑپ سمور ہے
 چٹیاں بھولوں کی لڑتی ہیں اس طرح دستِ طفلِ خُفت سے زنجیر کھلونے جس طرح

اس نشاط آباد میں جو عیش بے انداز ہے

ایک غم یعنی غمِ ملت ہمیشہ تازہ ہے

دل ہمارے یادِ عہدِ فرستے سے خالی نہیں اپنے شاہوں کو یہ اُمت بھولنے والی نہیں
 اشکِ باری کے بہانے ہیں یہ اُجڑے بامِ در گریہِ پیسہ سے بیابانِ ہمارے چشمِ تر
 دہر کو دیتے ہیں موتی ویدہ لڑیاں کے ہم آخری ماہِ دل میں ال لڑے ہوئے طوفانِ ہم
 ہیں ابھی صندِ ہائے اس کی آغوش میں برق ابھی باقی ہے اس کھینچ خاموش میں
 واوی گل خالِ صحرا کو بنا سکتا ہے خواب کے اُتار دہقان کو جگاسکتا ہے

ہو چکا کو قوم کی شانِ جدِ جلالی کا ظہور

ہے مگر باقی ابھی شانِ جدِ جلالی کا ظہور



نمود . صبح

ہو رہی ہے نیرِ امانِ اُشُق سے آشکا
 پانچکا فرصت درودِ فصلِ نجم سے سپر
 آسماں نے آمدِ خورشید کی پاؤں خبر
 شعلہ خورشید کو یا حاصل اس کھیتی کا
 ہے وہاں نجمِ سحر جیسے عبادت خانے سے
 کیا سماں ہے جس طرح آہستہ آہستہ کوئی
 مطلع خورشید میں مضی سے ہر یوں مضمونِ صبح
 ہے تیرِ دامنِ باوجودِ استلاطِ آئینہ صبح
 صبح یعنی خستہ پوشیزہ لیل و نہا
 کشتِ خاور میں ہو اے آفتابِ تیسرے کا
 محلِ پروازِ شب باندہ حاسرِ دوشِ غبار
 بوترے تھے سہاگنِ کونوں کے جوتاؤں کے شرار
 سب سے پیچھے جاتے کوئی عابدِ شبِ زندہ
 کھینچتا ہو میان کی ظلمت سے تیغِ آبِ وار
 جیسے خلوت گاہِ دنیا میں شرابِ خمیش کو
 شورشنِ ناقوسِ آوازِ اذان سے ہمنار

جلے کوئل کی اذان کے طائرِ انجمنِ سنج

ہے تو تم ریزتِ نونِ سحر کا تار



تضمین بر شعر انجسی شاملو

ہمیشہ صوبت باو سحر آوارہ رہتا ہوں محبت میں سچ منزل سے بھی خوشتر جاوہ پیمانی
 دل بیتاب جا پہنچا دیار پیسہ خبر میں میسر ہے جہاں دمان درو نہا شکیبائی
 ابھی ناشناختے لب تھا صرف آرزو میرا زباں ہونے کو تھی منت پذیر تاب گویائی
 یہ مقدس صدا آتی جسم کے پہنے الوں کو شکایت تجھ سے ہے اتنے ناک آئین آبائی
 ترا قیس کیونکر ہو گیا سوز و دوس ٹھنڈا کہ لیلیٰ میں تو میرا بت تک ہی انداز لیلیائی
 نہ تحسّم لا الہ تیری زمین شور سے ٹھوٹا زمانے بھر میں سوا ہے تیری فطرت کی نازائی
 تجھے معلوم ہے غافل کہ تیری ندی کیا ہے گنشتی ساز معسوم نو اہل تے کلیسائی
 ہونی ہے تربیت آغوش بیت اللہ میں تیری دل شوید ہے لیکن سنم خانے کا سوائی

”وفا دوستی ازما بکار و گیراں کمی“

ربوومی کوہرے ازما نثار و گیراں کمی“



فلسفہ غم

(میاں فضل حسین صاحب پیر سٹرائیٹ لارڈ لاہور کے نام)

گوسرا یا کیفِ عشرت ہے شرابِ زندگی اشک بھی رکھتے ہیں میں سحابِ زندگی
موجِ غم پر رقص کرتا ہے جبابِ زندگی ہے الم کا سُورہ بھی حُزبِ کتابِ زندگی
ایک بھی تپتی الرکم ہو تو وہ گل ہی نہیں
جو خزانِ نادر دیدہ ہو ٹھیل وہ ٹھیل ہی نہیں

ارتک کے خون سے نکلیں ہر دل کی استیا نغمۂ انسانیت کامل نہیں یہ ازرقاں
دیدہ بنیا میں داغِ غم چراغِ سید ہے روح کو سامانِ زینتِ آہ کا آئینہ ہے
حادثاتِ غم سے ہے انسان کی فطرتِ کمال غافل ہے آئینہ دل کے لیے لردِ ملا
غمِ جوانی کو جگا دیتا ہے لطفِ خواب سے سازِ یہ بیدار ہوتا ہے اسی مضراب سے
طاہر دل کے لیے غمِ شہرِ پرواز ہے راز ہے انسان کا دل غمِ انکشافِ راز ہے

غم نہیں غم، رُوح کا ال نغمۂ خاموش ہے
جو سُرِ دُورِ بلیستری سے ہمِ انجوش ہے

۱۸۲

بانگِ درا

۱۶۶

شام جس کی آشنائے نالہ یارب نہیں
 جلوه پیر جس کی شب میں شگے کو نہیں
 جس کا جام دل شکستیم سے ہے آشنا
 جودامت شربتیں عشرت ہی ما
 ہاتھ جس پس کا ہے محفوظ نول خار سے
 عشق جس کا ہے خبر سے کسے آزار سے
 کلفتیم اگرچہ اس کو روش ہے دوسے
 زندگی کا راز اس کی آنکھ سے سوسے

اے کہ نطنم سر کا اور اسے حاصل تجھے

کیون آسان جو غم اندوہ کی منزل تجھے

ہے ابد کے نسخہ دیرینہ کی تہیہ عشق
 عقل انسانی ہے فانی زندہ حب و عیش
 عشق کے خورشید شام اہل شربت ہے
 عشق ہو ز زندگی ہے تہا ابد پائند ہے
 رخصت محسوس کا مقصد ہوتا اگر
 جوش اُفت بھی لعل عشق سے کرجاتا سفر
 عشق کو محسوس کرنے سے کرجاتا نہیں
 روح میں غم بن کے ہستائے کرجاتا نہیں

ہے بقاء عشق سے پیدا محبوب کی

زندگانی ہے ہم آشتی محبوب کی

آتی نئے جی بین کو سے گاتی ہوئی
 اسماں کے طایروں کو نغمہ سکھاتی ہوئی
 آتہ روشن اس کا صوت بخارجہ
 گرے ادوی کی چٹائی پر چو جاتا ہے چو

نہر جو تھی اس کے گہر پیسے پہن گئے
یعنی اس اُفتاد سے پانی کے تارے بن گئے
جسے سیلاب اُن بھٹ کر پریشان ہو گئی
مضطرب بوندوں کی اک دنیا نمایاں ہو گئی
ہجرانِ قطروں کو لیکن وصل کی تعلیم ہے
بقیم پرچہ نہ ہی جو مثل تارِ سیم ہے
ایک صہیت میں ہے سروانِ زندگی
اگر کے رقص سے سچویم نوح انساں بن گئی

پستی عالم میں ملنے کو جداسوتے ہیں ہم

عارضی فرقت کو دائم جان کر روتے ہیں ہم

مرنے والے مرتے ہیں لیکن فنا سوتے نہیں
یہ حقیقت میں کبھی ہم سے جدا سوتے نہیں
عقل جس دم دہر کی آفات میں محصور ہو
یا جوانی کی اندھیری ات میں ستور ہو
دہن دل بن گیا ہو زخم کا خیمہ شر
راہ کی ظلمت سے ہو شکل سو منہ نزل سفر
خضرِ ہمت ہو گیا ہو آرزو سے گوشگیر
فکرِ عجب جز ہو اور خاموش آوازِ ضمیر
واوہی ہستی میں کوئی ہم نہ تک بھی ہو
جاوہ کھلانے کو جلنے کا شر تک بھی ہو

مرنے والوں کی جبینِ روشن ہے اس ظلمات میں

جس طرح تارے چمکتے ہیں اندھیری ات میں



پُھول کا تحفہ عطا ہونے پر

وہ ستِ نازِ گلشن میں جا سکتی ہے کلی کلی کی زباں سے دُعا نکلتی ہے

”الہی! پُھولوں میں وہ انتخاب مجھ کو کرے

کلی سے رشکِ گلِ آفتاب مجھ کو کرے“

تجھے وہ شاخ سے توڑیں! زینے نصیب تھے تڑپتے رہ گئے گلزار میں رقیب تھے

اُٹھاکے صدرِ وقتِ رُصال تک پہنچا ترمی حیات کا جو ہر کمال تک پہنچا

مراکنول کہ تصدق ہیں حسنِ جِ اہلِ نظر مے شباب کے گلشن کو ناز ہے حسنِ بچ

کبھی یہ پُھول ہم آغوشِ برقِ عافیت ہوا کسی کے دامنِ رنگیں سے آشنا نہ ہوا

شگفتہ لڑنے سے لے لی کبھی ہر آسے

فسرہ دکھتے گلچیں کا منتظر آسے



ترانہ ملی

چین و عرب ہمارا ہندوستان ہمارا
توحید کی مانند سینوں میں ہے ہمارے
دنیا کے بت لڑوں میں پہلا وہ لکھنؤ کا
تینوں کے کھلے میں ہم مل کر جواں ہوتے ہیں
مغرب کی ادویوں میں گونجی اذان ہماری
باطل سے دہنے والے اے آسمان نہیں ہم
اے گلستانِ اندلس! وہ دن ہیں تجھ کو
اے موجِ جبل! تو بھی پہچانتی ہے ہم کو
اے ارضِ پاک! تیری حرمت پہ کھٹکے ہم
سالارِ کارواں ہے میرے حجاز اپنا
مسلم ہیں ہم، وطن ہے سارا جہان ہمارا
آسمان نہیں مٹانا نام و نشان ہمارا
ہم اس کے پاسباں ہیں وہ پاسباں ہمارا
خنجرِ ملال کا ہے قومی نشان ہمارا
تھمتانہ تھا کسی سے سیلِ رواں ہمارا
سوار کر چکا ہے تو آتشِ آسمان ہمارا
تھا تیری ڈالیوں پر جب اشیاں ہمارا
اب تک ہے تیرا دریا افسانہ خواں ہمارا
ہے خوں تری گلوں میں اب تک واں ہمارا
اس نام سے ہے باقی آراجم باں ہمارا

اقبال کا ترانہ بانگ درا ہے گویا

ہوتا ہے جہادِ پیمائشِ کارواں ہمارا

۱۸۶

بانگ درا

۱۶۰

وطنیت

(یعنی وطن بحیثیت ایک سیاسی تصوّر کے)

اس دور میں کے اور نئے عالم اور ہے جسم اور
ساقی نے بنالی روشِ لطف و ستم اور
مسلم نے بھی یہ کر لیا اپنا جسم اور
تہذیب کے آزر نے ترشوائے جسم اور

ان بازو ہندوؤں میں اس کے وطن ہے

جو پیر میں اس کا ہے ہندو مذہب کا کفن ہے

یہ بت کہ ترشید تہذیب فی ہے غارت گر کاشت نہ دین نبوی ہے
بازو ترا تو حید کی قوت سے قوی ہے اسلام ترا ویسے تو مصطفوی ہے

نظارہ دیرینہ زمانے کو دکھائے

اصطفا فوی خال میں اس بت کو ملا دے

ہو قیدِ امت می تو نتیجہ ہے تباہی
ہے ترک وطن سنتِ محبوب لہی
رہ جسم میں آزاد وطن صورتِ ماہی
دے تو بھی نبوت کی صداقت پہ گواہی

گنہگار سیاست میں وطن اور پی کھچے

ارشاد نبوت میں وطن اور پی کھچے

اقوام جہاں میں ہے قابت تو اسی سے
تسخیر ہے مقصود تجارت تو اسی سے
خالی ہے صداقت سے سیاست تو اسی سے
کنزور کا لہر ہوتا ہے غارت تو اسی سے

اقوام میں مخلوق خدا بنتی ہے اس سے

قومیت اسلام کی جڑ لگتی ہے اس سے

ایک حاجی مدینے کے راستے میں

قافلہ لوٹا لیا صحرا میں اور منزل ہے دور
اس بیابان یعنی بھر خشک کا ساحل ہے دور
ہم سفر میرے شکار و شہ نہ رہن ہوتے
بچ گئے جو ہوئے بے دل سوئے بیت اللہ پھر
اُس بخاری نوجوان نے کس خوشی سے جان دی
موت کے زہر اب میں پاتی ہے اُس نے زندگی
خجھر رہن اُسے گویا ہلال عید تھا
ہاتے شرب و دل میں لب پر نعرہ توحید تھا
خوف کہتا ہے کہ شرب کی طرف تنہا نہ چل
شوق کہتا ہے کہ تو مسلم ہے بے باک نہ چل
بے یارت سوئے بیت اللہ پھر جاؤں گا کیا
عاشقوں کو روزِ محشر منہ نہ دکھلاؤں گا کیا

خوفِ جان کھتا نہیں کچھ دشتِ پیائے حجاز
 ہجرتِ مدفونِ شرب میں یہی مخفی ہے از
 گوسلاست محلِ شامی کی ہمارے میں ہے
 عشق کی لذت مگر خطروں کی جان کا ہی ہے
 اہ! یہ عمتِ زیاں انہیں کیا چالا ہے
 اور تاثر آدمی کا کس قدر بے باک ہے

قطرہ

کل ایک شوریدہ خواب گاہِ نبیؐ پر رو کے کہہ رہا تھا
 کہ مصر و ہندوستان کے مسلم بنائے ملتِ ہمارے ہیں
 یہ زائرِ انجمنِ مغرب ہزار رہا ہر بنیٰ ہمارے
 ہمیں بھلا ان سے اسطے کیا جو تجھ سے نسا سنا رہے ہیں
 غضب ہیں یہ مُرشدانِ خود ہیں خدا تری قوم کو بچائے
 بگاڑ کر تیرے مسدوموں کو یہ اپنی عزت بنا رہے ہیں
 نئے کا قبّہ ال کون ان کو یہ نجس ہی بدل لئی ہے
 نئے زمانے میں آپؐ کو پرانی باتیں سنا رہے ہیں

شکوہ

کیوں یاں کاربنوں سود فراموش ہوں فکر نہ کرنا کروں محو غم و خوشی ہوں
نارے بیل کے سنوں اور پتہ تن گوش ہوں ہم نوائیں بھی گئی گل ہوں خاموش ہوں
جراتِ آمو زمری تپ سخن ہے مجھ کو

شکوہ اللہ سے خالم بدہن ہے مجھ کو

ہے سب شیوہ تسلیم میں مشہور ہیں ہم قصہ درو سناتے ہیں کہ مجبور ہیں ہم
سازِ خاموش ہیں فریاد سے سسور ہیں ہم نالہ آتا ہے اگر لب پہ تو معذور ہیں ہم

اے خدا بشکوہ اربابِ وفا بھی سن لے

خو کر جس سے تھوڑا سا کلام بھی سن لے

تھی تو موجود ازل سے ہی تیری اسے قدیم پھول تھارے ہیں چہ نہ پرشیاں تھی شمیم
شرطِ انصاف ہے اے صاحبِ الطافِ عظیم بوئے گل پھیتی کس طرح جو ہوتی نہ شمیم

140
بانگ درا
142

ہم کو جمعیتِ خاطر یہ پریشانی تھی
ورنہ امتِ تیرے محبت کی دیوانی تھی؟

ہم سے پہلے تھا عجیب تیرے جہاں کا منظر
کہیں مسجود تھے چہرے کہیں مسجود شجر
خوگر پیکر محسوس تھی انساں کی نظر
مانت سا پھر کوئی اُن دیکھے حند اللو لوند

تجھ کو معلوم ہے لیتا تھا کوئی نام ترا؟
قوتِ بازوئے سلم نے کیا کام ترا

بس ہے تھے یہیں سلجوق بھی تورانی بھی
اہلِ چین میں ایران میں ساسانی بھی
اسی سوئے میں آباد تھے یونانی بھی
اسی دنیا میں یہودی بھی تھے نصرانی بھی

پر ترے نام پہ تلوار اٹھائی کس نے
بات جو بڑی ہوئی تھی وہ بنائی کس نے

تھے ہیں ایکے سے کراؤں میں
خشکیوں میں کبھی لڑتے کبھی دریاؤں میں
دیں اذانیں کبھی یورپ کے کلیساؤں میں
کبھی افیتہ کے پتے چمے صحراؤں میں

شانِ آنکھوں میں نہ جھپتی تھی جہاں داروں کی
کلمہ پڑھتے تھے ہم چھاؤں میں تلواروں کی

ہم جو جیتے تھے تو جنگوں کی مصیبت کے لیے
اور مرتے تھے ترے نام کی عظمت کے لیے
تھی کچھ تیغ زنی اپنی حکومت کے لیے
سرخ پھرتے تھے کیا دہریوں کی لٹ کے لیے؟

قوم اپنی جو زر و مال جہاں پر مرتی
بُت فروشی کے عوض بُت شکنی کیوں کرتی

مل نہ سکتے تھے الرجنک میں اڑ جاتے تھے
پاؤں شیروں کے بھی میدان سے اٹھ جاتے تھے
تجھ سے سرکش ہو ا کوئی تو بگڑ جاتے تھے
تیغ کیا چینیئے ہم تو پ سے لڑ جاتے تھے

نقش توحید کا ہر دل پہ بٹھایا ہم نے

زیرِ خیمہ بھی یہ پیام سنایا ہم نے

توہی کہو گے کہ اٹھاڑا درخیز کس نے
شہرِ قصیر کا جو تھا اس کو کیا سر کس نے
توٹے مخلوق خداوندوں کے پیکر کس نے
کاٹ کر رکھ دیے نقار کے لشکر کس نے

کس نے ٹھنڈا کیا آتشِ کدہِ ایران کو؟

کس نے پھر زندہ کیا تذکرہِ یزداں کو؟

کون سی قوم فقط تیری طلب گار ہوئی
اور تیرے لیے زحمت کشں بیکار ہوئی
کس کی شمشیر جہاں لیر جہاں دار ہوئی
کس کی تجھ سے دنیا تری بیدار ہوئی

کس کی سیت صنم سے ہوئے رہتے تھے
منہ کے بل لڑکے ہو اللہ احد کہتے تھے

آگیا عین لڑائی میں اگر وقت نماز
قبلہ ہو گئے میں بوسہ جی قوم حجاز
ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود ایاز
نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز
بندہ و صاحب محتاج و غنی ایک ہوئے

تیری سکر میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے
مفضل کون و مکاں میں سحر شام بھی
مے توحید کو لے کر صفت جام پھر
کوہ میں دشت میں لے کر ترا پیغام بھی
اور سلوم ہے تجھ کو کبھی ناکام پھر
دشت تو دشت ہیں دریا بھی نہ چھوٹے ہم نے
بحر طلمات میں ڈرا دیے لھوٹے ہم نے

صفحہ دہر سے ہاسل کو بٹایا ہم نے
نوع انسان کو غلامی سے چھڑایا ہم نے
تیرے کعبے کو جبینوں سے بٹایا ہم نے
تیرے قرآن کو سینوں سے لٹایا ہم نے
پھر بھی ہم سے یہ طعنے کہ وفادار نہیں
ہم وفادار نہیں تو بھی تو ولدِ انہیں!

امتیں اور بھی ہیں ان میں گناہ بھی ہیں
عجز والے بھی ہیں مست مے پندار بھی ہیں
ان میں کامل بھی ہیں غافل بھی ہیں شیار بھی ہیں
سیکڑوں ہیں کہ تم سے نام سے بیزار بھی ہیں

رحمتیں ہیں مئی غیار کے کاشانوں پر

برق لرتی ہے تو بیچارے مسلمانوں پر

بت صہنم خانوں میں کہتے ہیں مسلمان گئے
ہے خوشی ان کو کہ کعبے کے نگہبان گئے
منزل پر سے اونٹوں کے حُدی خوان گئے
اپنی بعلوں میں دباے ہوئے آن گئے

خندہ زن کفر ہے احساس تجھے ہے کہ نہیں

اپنی توحید کا کچھ پاس تجھے ہے کہ نہیں

یہ شکایت نہیں ہیں ان کے خزانے مسمور
نہیں محسن میں جنہیں بات بھی کرنے کا شوق
قہر تو یہ ہے کہ کافر کو ملیں جو قصور
اور بیچارے مسلمان کو فقط وعدہ حور

اب وہ الطاف نہیں سمجھ رہے عنایات نہیں

بات یہ کی ہے کہ پہلی سہی رات نہیں

کیوں مسلمانوں میں ہے دولت دنیا نایاب
تیری قدرت تو ہے جس کی نہ حد ہے حساب
تو جو چاہے تو اٹھے سینہ صحرا سے حباب
رہو دشت ہو سیلی زوہ موج سراب

طعن انخیار ہے رسوائی ہے ناوار ہے

کیا ترے نام پر مرنے کا عوض خوار ہے

بنی غیار کی اب چاہنے والی دنیا رہ لے اپنی لیے ایک خیالی دنیا

ہم تو رخصت ہوئے اوڑوں نے سنبھالی دنیا پھر نہ کہنا ہوئی توحید حسالی دنیا

ہم تو جیتے ہیں کہ دنیا میں انا م ہے

کہیں ممکن ہے کہ ساقی نہ ہے جام ہے

تیری محفل بھی لے چاہنے والے بھی لے شہ لی ابیں بھی لیں صبح کے نالے بھی لے

دل تجھے دے بھی گئے اپنا صلا بھی لے آگے بیٹھے بھی نہ تھے اور نکالے بھی لے

اے عشاق، گئے وعدہ مند لے کر

اب انھیں ٹھونڈ چرائیں رخ زیبائے کر

دروسیلی بھی ہو ہی سہی کپڑو بھی ہو نجد کے دشت و جبل میں ہم آہو بھی ہو

عشق کا دل بھی ہو ہی سہی جادو بھی ہو انت احمد مرسل بھی ہو تو بھی ہو

پھر یہ از روئی غیب کیا معنی

اپنے شیداؤں پر یہ چشم غضب کیا معنی

تجھ کو چھوڑا کہ رسولِ عربی کو چھوڑا؟ بُت گری پیشہ کیا، بُت شکنی کو چھوڑا؟
عشق کو، عشق کی آشتی سے سری چھوڑا؟ رسمِ سلمان و اویس قرنی کو چھوڑا؟

اگل تجیر کی سینوں میں بی کھتے ہیں
زندگی مثلِ بلال حبشی کرکھتے ہیں

عشق کی خیر وہ پسلی سی اور ابھی نہ سی جاوہرِ پیائی تسلیم و رضا ابھی نہ سی
مضطربِ دل صفتِ قبلہ نہ ابھی نہ سی اور پابندِ آئینِ وفا ابھی نہ سی

کبھی ہم کئے کبھی غیروں سے شگسائی ہے
بات کہنے کی نہیں تو بھی تو ہر جاتی ہے

سرفراز یہ کیا دین کو کامل تو نے اک لشکرِ میناروں کے لیے دل تو نے
آتش اندوز کیا عشق کا حاصل تو نے پھونک دی گرمیِ خسار سے دل تو نے

آج کیوں سینے پہلے شہرِ آباد نہیں
ہم وہی سوختہ سماں ہیں تجھے یاد نہیں؟

وادِی نجد میں وہ شورِ سلاسل نہ رہا قیسِ دیوانہ نظارہٴ محفل نہ رہا
حوصلے وہ نہ رہے ہم نہ رہے دل نہ رہا گھر یہ چبڑا ہے کہ تُو رونقِ محفل نہ رہا

اے خوش آن روزگاری بھلائی

بے حجابانہ سوتے محفلِ بازارائی

بادہ شش غیر پیش میں لبِ جُبیٹھے سُنتے ہیں حجام کفِ نعلین کو کو بیٹھے

دور ہنگامہ گلزار سے یکسو بیٹھے تیرے دیوانے بھی ہیں منتظرِ ٹھو بیٹھے

اپنے پروانوں کو پھر ذوقِ خود افروزی دے

برقِ دیرینہ کو فرمانِ جگر سوزی دے

قومِ آوارہ عنان تائبے پھر سوتے حجاز لے اڑا بس بے پروا کو مذاقِ پرواز

مضطربِ باغ کے سرِ غنچے میں ہوتے نیا تو ذرا چھیر تو دے تشنہ مضراب سے ساز

نغمے بیتاب ہیں تاروں سے نکلنے کے لیے

طوِ مضطرب ہے اسی آل میں جلنے کے لیے

مشکدیں اُمتِ مرغِ خم کی آساں کر دے موبے بلیہ کو ہمدوشِ سلیمان کر دے

جنسِ نایابِ محبت کو پھر ازراں کر دے ہند کے دیشینوں کو مسلمان کر دے

جوتے خوں می چکد از حسرتِ دیرینہ ما

میں تپد مالہ نہ بشتِ کدہ سینہ ما

نوتے گل لے گئی برون چمن از چمن
کیا قیامت ہے کہ خود پھول ہیں غماز چمن!

عہد گل ختم ہوا ٹوٹ گیا ساز چمن
اڑ گئے ڈالیوں سے زمرہ پڑاز چمن

ایک سبیل ہے کہ ہے مجھ پر غم ایک

اس کے سینے میں ہے نغموں کا قلاطم ایک

قمریاں شاخ صنوبر سے گریزاں بھی نہیں
پتیاں پھول کی جھڑ جھڑ کے پریشاں بھی نہیں

وہ پرانی روشیں مانع کی ویراں بھی ہوئیں
ڈالیاں سپرین برگ کے غمیاں بھی ہوئیں

قید موسم سے طبیعت ہی آزاد اس کی

کاش گلشن میں سمجھت کوئی فرما دے اس کی

نطف مرنے میں سے باقی نہ مزا بیٹھنے میں
کچھ مزا ہے تو یہی خون جگر پیٹنے میں

کتنے بتاب ہیں جو ہر مرے آئینے میں
کس قدر جلوے تڑپتے ہیں مرے سینے میں

اس گلستاں میں مگر دیکھنے والے ہی نہیں

داغ جو سینے میں رکھتے ہوں وہ لائے نہیں

چاک اس بیل تنہا کی نوا سے دل ہوں
جاگنے والے اسی بانگِ دُرائے دل ہوں

یعنی پھر زندہ نئے عہدِ وفا سے دل ہوں
پھر اسی باوہِ دیرینہ کے پیار سے دل ہوں

عجمنی سے تو کیا ہے تو حجازی ہے مری
نغمہ ہندی سے تو کیا ہے تو حجازی ہے مری

چاند

اے چاند جس نے فطرت کی آبرو ہے طوفِ حیم خالی تیرے قلمِ خم ہے
یہ داغ سا تجو کی گیسے میں ہے نمایاں عاشق ہے تو کسی کا یہ داغ آرزو ہے؟
میں مضطربِ زمین پر، بیتابِ ثفلک پر تجھ کو بھی بستجو ہے مجھ کو بھی بستجو ہے

انساں ہے شمع جس کی انھل رہی ہے تیری؟

جس طرف ان چن منزل رہی ہے تیری؟

تو ڈھونڈتا ہے جس کو تاروں کی خاشی میں پوشیدہ ہے وہ شاید غوغائے زندگی میں
استادہ ہنرمیں ہے ہنرے میں سوراہا ہے بعل میں نغمہ زن ہے خواہش ہے کھلی میں
آب میں تجھے دکھاؤں سُخارِ روشن اس کا نہروں کے آئنے میں شبنم کی آرسی میں

صحرا و دشتِ درمیں کُھسار میں رہی ہے

انساں کے دل میں تیرے سُخار میں رہی ہے

رات اور شاعر

(۱)
رات

کیوں میری چاندنی میں بھرتا ہے تو پریشاں
خاموشی صورت گل ماند تو پریشاں
تاروں کے موتیوں کا شایہ ہے جو میری تو
پھل ہے کوئی میرے ریختے نور کی تو
یا تو مری جس کا تارا لرا ہوا ہے
رفت کو چھوڑ کر جو پستی میں جا گیا ہے
خاموشی ہو گیا ہے تار رہا ہے پستی
ہے میرے آئنے میں تصویر خواہ پستی
دریا کی تہ میں چشم لڑا ہے سولہی ہے
حال سے کاس کے موج بیتا ہے سولہی ہے
بستی زمیں کی لہریں گنگا مرے آفریں ہے
یوں سولہی ہے جیسے آباد نہیں ہے

شعرا کا دل ہے لیکن نا آشنا کون سے
ازاد رہ گیا تو کیونکر مرے فسون سے؟

(۲)

شاعر

میں ترے چاند کی لہریں میں لہرے بوتا ہوں
چھپ کے انسانوں سے ماند نہ رہتا ہوں

بانٹے در
۱۸۲

دن کی شورش میں نکلتے ہوئے گھبراتے ہیں
 مجھ میں فریاد جو پہاں ہے سناؤں کس کو
 عزتِ شب میں مرے اشک ٹپک جاتے ہیں
 تپشِ شوق کا نظارہ دکھاؤں کس کو
 برقِ امین کے سینے پہ پڑی روتی ہے
 دیکھنے والی ہے جو آنکھ لہساں روتی ہے
 صفتِ شمع لحدِ مردہ ہے محفلِ میری
 آہائے ات بڑی فوہ ہے نزلِ میری
 عہدِ حاضر کی ہوا اس نہیں ہے اس کو
 اپنے نقصان کا احساس نہیں ہے اس کو

ضبطِ پیغامِ محبت کے لکھ براتا ہوں
 تیرے تائبندہ ستاروں کو سنا جاتا ہوں

خبرم

سُوج نے جاتے جاتے شامِ سیدیا کو
 پہنا دیا شفق نے سونے کا سارا زیور
 طشتِ اُفت کے لے کر لائے کے پھول مارے
 قدرت نے اپنے گہنے چاندی کے سب اُتارے
 محلِ میں حاشی کے لیلے ظلمتِ آتی
 چمکے عروسِ شب کے موتی وہ پیارے پیارے
 وہ دور رہنے والے ہنگامہ جہاں سے
 کہتا ہے جن فوج اس اپنی زباں میں تارے

مخوفانہ مژبی تھی اس بن فلک کی
عرش بریں سے آئی آواز اک ملک کی

اے شب کے پاسانہ اے آسمان کے تارو! تائبہ قوم ساری کڑوں شیں تمھاری
چھیڑو سر و ایسا خال اٹھیں سونے والے رہبر بے قافلوں کی تاجبیں تمھاری
ایتنے قسمتوں کے تم کو یہ جانتے ہیں شاید صدائیں اہل زمین تمھاری

رخصت ہوئی خموشی تاروں بھری فضا سے
وسعت تھی آسمان کی مہر اس نواسے

حسن ازل سے پیدا تاروں کی دلبری میں جس طرح عکس گل پہ شبنم کی آرسی میں
اتین نو سے ڈرنا طرز کھن پہ اڑنا منزل یہی کٹھن ہے قوموں کی زندگی میں
یہ کاروان ہستی ہے تپتے زنگام ایسا قومیں لچل لیتی ہیں بس کی واوی میں
انکھوں سے ہیں ساری غائب ہزاروں خیم داخل ہیں وہ بھی لیکن اپنی برادری میں
اک عسمرین نہ سمجھے اس کو زمین والے جو بات پالتے ہم تھوڑی سی زندگی میں

ہیں جذبِ باہمی سے قائم لطفِ ام سارے
پوشیدہ ہے یہ نکتہ تاروں کی زندگی میں

سیرِ فلک

تھا نخیل جو ہم میرا اسماں پر چو گزر میرا
اڑتا جاتا تھا اور نہ تھا کوئی جاننے والا پسرخ پر میرا
تارے حیرت دیکھتے تھے مجھے رازِ سرِ بستہ تھا سفر میرا

حلقہٴ صبح و شام سے نکلا

اس پرانے نظام سے نکلا

کیا سناؤں تمہیں ارم کیا ہے خاتمِ آرزو تے دیدہ و گوش
شاخِ طوبیٰ نے پسند ریز طوبیٰ بے حجب بانہ خور جلوہ فروش
ساقیانِ بیل جامِ بدست پیئے والوں میں شورِ نوشا نوش
دو جنت کے آنکھ نے بھیج ایک تار یک خانہ ہر دو چشموش
طالعِ قیس کیسے لیلیٰ اُس کی تار کیوں سے پوش پوش
خُٹک ایا کہ جس کے شکر کردہ زمزم سر پر پور و پوش
میں نے پوچھی جو کیفیت اُس کی حیرت انگیز تھا جوابِ سروش

یہ ستانم خاکِ بستم ہے مارے نور سے تھی آغوش
شعلے جوتے ہیں ستار اس کے جن سے لڑاں ہیں مر عبرت کوش

اہل دنیا یہاں جو آتے ہیں

اپنے انگار ساتھ لاتے ہیں

نصیحت

میں نے قبائل سے ازراہ نصیحت کیا حامل روزہ ہے تو اور نہ پاسبان
تو بھی ہے شیوہ اربابِ بیا میں کامل دل میں بندن کی ہوئے لب پہ ترے کرجا
جھوٹ بھی مصلحتِ امیہ نہ ترا ہوتا ہے تیرا اندازِ تسنن بھی سراپا اعجاز
ختمِ تیر تری مدحِ سیر کا یہ ہے فکر روشن ہے ترا موجبِ آئینِ نیا
درِ حکام بھی ہے تجھ کو ستمِ محمود پالسی بھی تری چپیدہ از زلفِ ایا
اور لوگوں کی طرح تو بھی چھپا سکتا ہے پردہ خدمتِ دین میں ہو جس جاہِ کار
نظرِ آجالتے مسجد میں بھی توحید کے دن اثرِ وعظ سے جوتی ہے طبیعت بھی دل
دست پر در ترے ملک کے اخبار بھی ہیں چھٹیر نافرض ہے جن پر تری تشہیر کا سان

۲۰۲۲

بانگِ درا

۱۸۸

اس پر طرہ ہے کہ ٹو شمر بھی کہہ سکتا ہے
تیری مینے سخن میں ہے شراب شیر
جتنے اوصاف ہیں لٹکے وہ ہیں تجھ میں سبھی
تجھ کو لازم ہے کہ ہو اٹھ کے شریک تک و تان
غم سہیا نہیں اور پر بال بھی ہیں
پھر سب کیا ہے نہیں تجھ کو دماغ پر اُ

”حاقبت منزل ما وادی خاموشان است
حالی غلغله در کنبہ اندال اندا“

رام

لبریز ہے شراب حقیقت سے جا کہہ ہند
سب سنی ہیں خطہ مغرب کے رام ہند
یہ ہند یوں کے فکر فلک رس کا ہے اثر
رفت میں سماں سے بھی اونچا ہے جاہ ہند
اس دس میں جوتے ہیں ناراں ملک شریست
مشہور جن کے فم سے ہے دنیا میں نام ہند
ہے ام کے جو وہ ہندوستان کو نماز
ایل نطنہ سمجھتے ہیں اس کو امام ہند
اعجاز انس چراغ ہدایت کا ہے یہی
روشن تر از سحر ہے زمانے میں شام ہند

تلوار کا دھنی تھا شجاعت میں فرو تھا
پاکیزگی میں جوش محبت میں فرو تھا

موٹر

کیسی پتے کی بات جھگڑنے کل کہی
 موٹر ہے ذوالفقار علی خاں کا کیا خموش
 ہنگامہ آفسرین نہیں اس کا خرام نہ
 مانند برق تیز ہشال ہوا خموش
 میں نے کہا نہیں ہے یہ موٹر یہ منحصر
 ہے جاوہ حیات میں ہر تیز پا خموش
 ہے پاشک تہ تیغ فرماوے جس
 نکمت کا کارواں ہے ہشال صبا خموش
 مینا دام شورش قلعہ شل سے پاگل
 لیکن مزاج جام حرام آشنا خموش
 شاعر کے فکر کو پر پروازت مشی
 سطر یہ وار گرمی آواز حشاشی

انسان

منظر چمنستان کے زیبا ہوں کہ مازیبا
 محروم عمل زکس مجبور تماشا ہے
 رفتار کی لذت کا احساس نہیں اس کو
 فطرت ہی سنوبر کی محروم تماشا ہے
 تسلیم کی خاک ہے جو چیز ہے دنیا میں
 انسان کی ہر قوت سرگرم تقاضا ہے
 اس فتنے کو رہتی ہے سعت کی ہونٹم
 یہ ذرہ نہیں شاید سمٹا ہوا حرا ہے

چاہے تو بدل ڈالے سمیت چمنستان کی

یہ پستی و انا ہے بیسنا ہے تو انا ہے

خطبہ جوانانِ اسلام

کبھی نے جوانِ مسلم بتدبیر بھی کیا تو نے
 تجھے اس قوم نے پالا ہے انوشترِ محبت میں
 تمدنِ سرینِ حلاقِ امینِ داری
 سمانِ شترِ فخری کا رہا شانِ باری میں
 کدانی میں بھی اللہ والے تھے غور اتنے
 غرض میں کیا کہوں تجھے کہ صحرائیں کھاتے
 اگر چاہوں تو نقشہ کھینچ کر الفاظ میں لکھ دوں
 تجھے آبا سے اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی
 گنوا دہی سے جو سلاطینِ کیرٹ پائی تھی
 حکومت کا تو کیا رنارہ ال عارضی ہے تھی
 مگر وہ علم کے موتی کتے ہیں ابابکی
 ”غنیٰ وزیرِ پیرِ کعبہ اشاکن
 وہ کیا کروں تھا تو جس کا ہے ال ٹوٹا ہوا تارا
 کچل ڈالا تھا جس کا پوں میں تاجِ سارا
 وہ صحرائے عرب یعنی شترانوں کا گھوڑا
 ”باتِ نہایتِ خالِ خطِ حاجتِ تُو نے سارا“
 کہ منعم کو لدا کے ڈرنے شش کا نہ تھا یاد
 جہانِ جہاں اور جہاں مان و جہاں آرا
 مگر تیرے تخیلِ فنیوں سے وہ نظر آرا
 کہ تو کلفتِ روہ کو از تو ثابت وہ سیارا
 ثریا سے زمینِ آسمان نے ہم کو دے مارا
 نہیں دنیا کے آئینِ ستم سے کوئی چارا
 جو یسیرانِ یوسف میں تو دل سوتا ہے سیارا
 کہ نورِ یدِ اشرافِ شمسِ کُنِ چشمِ زلیخارا“

غزوة شوال

یا

ملاح عید

غزوة شوال! اے نور نگاہ روزہ دار
تیری پیشانی پہ تحریرِ پیامِ عید ہے
سرگزشتِ ملتِ بیضا کا تو آئینہ ہے
جس علم کے سائے میں تیغ آزمایا ہوتا ہے
تیری قسمت میں ہم غوغا کی ایت کی ہے
استنا پر ہے قوم اپنی وفا آئیں ترا
اگر تھے تیرے لیے مسلم سراپا انتظار
شام تیری کیا ہے صبحِ عیش کی تہیہ ہے
اے مہ نو باہم کو تجھ سے اُلفتِ دیرینہ ہے
دشمنوں کے خون سے نہجیں قیامت تھے ہم
حُسنِ روزافروں سے تیرے آبر و ملت کی ہے
ہے محبتِ خمیز یہ پیراہنِ سیمیں ترا

اوج لکڑوں سے فرا دنیا کی بستی دکھ لے
اپنی رفعت سے ہمارے گھر کی پستی دکھ لے

۲۰۸

بانگِ درا

۱۹۲

قافلے دیکھ اور ان کی برق رفتاری بھی دیکھ
 دیکھ کر تجھ کو افق پر ہم لٹاتے تھے لہر
 فرقہ آرائی کی زنجیروں میں ہیں مسلم اسیر
 دیکھ مسجد میں شکستِ رشتہ تسبیح شیخ
 کافروں کی مسلم آئینہ کا بھی ٹٹا رہا
 بارشِ سنگِ اوش کا تماشائی بھی ہو
 ہاں تعلقِ پیشی دیکھ ابرو والوں کی تو
 جس کو ہم نے آتشِ نطفِ تکلم سے کیا
 ساڑھنِ عشرت کی صدمہ مغرب کے یوانوں میں
 چاک لڑی ترکِ ناداں نے خلافت کی قبا

رہر دماندہ کی منزل سے سب زاری بھی دیکھ
 اے تھی ساغرِ ہمارے آج ناداری بھی دیکھ
 اپنی ازادی بھی دیکھ ان کی گرفتاری بھی دیکھ
 بُت کے مین بہمن کی پختہ نزاری بھی دیکھ
 اور اپنے مسلمانوں کی مسلم ازاری بھی دیکھ
 اُمتِ مرحوم کی آئینہ یواری بھی دیکھ
 اور جو بے آبرو تھے ان کی خوداری بھی دیکھ
 اُس حریف بے زباں کی گرمِ نزاری بھی دیکھ
 اور ایران میں فراتِ مائیم کی تیساری بھی دیکھ
 ساوا کی مسلم کی دیکھ اوروں کی عیاری بھی دیکھ

صُوتِ آئینہ سب کچھ دیکھ اور خاموش رہ
 شورِ شہرِ امروز میں محوِ سرود و دوش رہ



شمع اور شاعر

(فروری ۱۹۱۲ء)

شاعر

دوشس می نفتم بہ شمع منزل ویران خویش
گیوے تو از پر پروانہ وار و شانہ ا
درجہاں مثل چراغ لالہ صحرایم
نے نصیب محفل نے قسمت کاشانہ ا
ماتے ہنسند تو من ہم نفس می سوختم
در طواف شعلہ ام بالے نہ زد پروانہ ا
می تپد صد جلوہ در جان امل و سر و من
بر نمی خیزد ازین محفل دل دیوانہ ا

۲۱۰

بانگ درا

۱۹۱۲

از کجبا این آتش عالم سوزاند و حتی
که کلب بے مایه را سوزد کلیم اوستی

شع

مجھ کو جو موجِ نفس دیتی ہے پیغامِ اجل
لب اسی موجِ نفس سے ہے نوا پیرا ترا
میں تو جلتی ہوں کہ ہے مضمحل مری فطرت میں سوز
تو سوزاں ہے کہ پروانوں کو چوسد و اترا
گر یہ سماں میں کہ سیسے دل میں ہے طوفانِ اشک
شبِ نیم فشاں تو کہ بزمِ گل میں ہو چہ چا ترا
گل بہ دامن ہے مری شب کے لہو سے میری صبح
ہے ترے امروز سے نا آشنا فردا ترا
یوں تو روشن ہے مگر سوزِ دروں کھٹا نہیں
شعلہ ہے پیشِ چراغِ لالہ صحرایا ترا

سوچ تو دل میں، لعقب ساقی کا ہے زیبا تجھے؟
 انجمن پیاسی ہے اور پیمانہ بے صہب اترا!
 اور ہے تیرا شمار آئینِ نلت اور ہے
 زشتِ رُوتی سے ترمی اتنی نہ ہے رسوا ترا
 کعبہ پہلو میں ہے اور سو اتنی بُت خانہ ہے
 کس قدر شوریدہ سر ہے شوق بے پروا ترا
 قیس پیدا ہوں ترمی محفل میں! یہ ممکن نہیں
 تنگ ہے صحرا ترا، محل ہے بے لیدا ترا
 اے دریا بند، اے پروردہ آغوشِ موج!
 لذتِ طوفاں سے ہے نا آشنا دریا ترا
 اب نو اپیرا ہے کیا، گلشنِ ہوا برہم ترا
 بے محفل تیرا ترقم، نغمہ بے موسم ترا
 تھا جنھیں ذوقِ تماشا، وہ تو رخصت ہو گئے
 لے کے اب تُو وعدہ دیدارِ عم آیا تو کیا

انجمن سے وہ پُرانے شعلہ آسام اٹھ گئے
 ساقیاء محفل میں تُو آتش بجام آیا تو کیا
 آہ، جب گلشن کی جمعیت پریشاں ہو چلی
 پھول کو بادِ باری کا پیام آیا تو کیا
 آخر شب دید کے قابل تھی سہل کی تڑپ
 صبح دم کوئی اگر بلائے بام آیا تو کیا
 مجھ کیسے وہ شعلہ جو مقصودِ ہر پروانہ تھا
 اب کوئی سوداگی سوزِ تمسام آیا تو کیا
 پھول بے پروا ہیں، تو گرم نوا ہو یا نہ ہو
 کارواں بے جس ہے آوارِ درا ہو یا نہ ہو
 شمع محفل ہو کے توجب سوز سے خالی رہا
 تیرے پروانے بھی اس لذت سے سگانے رہے
 رشتہ الفت میں جب ان کو پرست تھا تو
 پھر پریشاں کیوں تری تسبیح کے دانے رہے

شوق بے پروا کی، فکرِ فلکِ پیما کی
 تیری محفل میں نہ دیوانے نہ نراناں رہے
 وہ جگر سوزی نہیں، وہ شعلہ شامی نہیں
 فائدہ پھر کیا جو گردشِ شعریٰ پرانے رہے
 خیر، تو ساقی سی لیکن پلائے گاکے
 اب نہ وہ مے کش ہے باقی نہ میخانے ہے
 رو رہی ہے آج اک ٹوٹی ہوئی مینا سے
 کل تک گردش میں جس ساقی کے پیمانے رہے
 آج ہیں خاموش وہ دشتِ جنوں پوچھناں
 رقص میں سیلی رہی، سیلی کے دیوانے رہے
 وائے ناکامی! مستی کا رواں جاتا رہا
 کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا
 جن کے ہنگاموں سے تھے آباد ویرانے بھی
 شہرِ ان کے مٹ گئے آبادیاں بن پوتھیں

سطوتِ توحید قائم جن سازوں سے ہوئی
 وہ سازیں ہند میں نذر برہمن ہو گئیں
 دہر میں عیش و ام آئیں کی پابندی سے
 موج کو آزادیاں سامانِ شیون ہو گئیں
 خود تجلی کو مستاجن کے نظاروں کی تھی
 وہ نگاہیں نا اُمید نورِ امین ہو گئیں
 اڑتی پھرتی تھیں ہزاروں بلبلیں گلزار میں
 دل میں کیا آئی کہ پابندِ نشین ہو گئیں
 وسعتِ کردوں میں تھی ان کی تڑپِ نظارہ سوز
 بجلیاں اسودہ دامنِ حشر میں ہو گئیں
 دیدہٴ خوبار ہو منت کش گلزار کیوں
 اشکِ پریم سے نگاہیں گل بہ دامن ہو گئیں
 شامِ غم لیکن خبر دیتی ہے صبحِ عید کی
 ظلمتِ شب میں نظر آئی کرنِ اُمید کی

مژدہ لے پیانہ بردارِ خمستانِ حجاز
 بعدِ مدت کے ترے ندوں کو پھر آیا ہے ہوش
 نفتِ خود داری بہلے باؤۃِ غیب تھی
 پھر دکاں تیری ہے لبریز صدائے ناؤ نوش
 ٹوٹنے کو ہے طلسمِ ماہِ سیما یں بند
 پھر سلیمی کی نطرتِ دیتی ہے پیغامِ خروش
 پھر یہ غوغا ہے کہ لاساقی شرابِ خانہ ساز
 دل کے شگامے سے مغرب کے کر ڈالے خموش
 نفیرِ پیرا ہو کہ یہ سنگامِ حنِ مویشی ہیں
 ہے بحر کا آسمانِ خورشید سے مینا بدوش
 و عنیم و کیر بسوز و طیراں راہِ رسمِ بسوز
 نفستِ روشنِ حدیثے کرتوانی وارِ گوش
 کہہ گئے ہیں شاعریِ جزویست از پیغمبری
 ہاں سناؤ محفلِ ملت کو پینامِ سروش

آنکھ کو بیدار کر دے وعدہ دیدار سے
زندہ کر دے دل کو سوزِ جوہرِ گفتار سے

رہزنِ ہمت ہوا ذوقِ تن آسانی ترا

بحرِ محبت صحرا میں تو، گلشن میں مثلِ جوہر ہوا

اپنی اصلیت یہ قائم تھا تو جمعیت بھی تھی

چھوڑ کر گل کو پریشاں کاروانِ بُوہوا

زندگی قطرے کی سکھلاتی ہے اسرارِ حیات

یہ کبھی گوہرِ کبھی شبنم، کبھی آنسو ہوا

پھر کہیں سے اس کو پیدا کر، بڑی دولت ہے یہ

زندگی کیسی جو دل بے گمانہ پہلو ہوا

ابرو باقی ترمی ملت کی جمعیت سے تھی

جب یہ جمعیت گئی، دنیا میں رسوا تو ہوا

فردِ قائم ربطِ ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں

موج ہے دریا میں اور سیرِ دریا کچھ نہیں

۲۱۷
ماہِ افرات
۲۰۱

پروہ دل میں محبت کو ابھی ستور رکھ
 یعنی اپنی مے کو رسوا صورتِ مینا نہ کر
 خمیہ زن ہو وادیِ سینا میں مانسہ کلیم
 شعلہ تھتیق کو غارت گر کا شانہ کر
 شمع کو بھی ہو ذرا معلوم انجامِ ستم
 صرف تعمیرِ حیرتِ خاکستر پروانہ کر
 تو اگر خود وار ہے منت کشِ ساقی نہ ہو
 عین دریا میں حبابِ آسانگوں پیمانہ کر
 کیفیتِ باقی پُرانے کوہ و صحرا میں نہیں
 ہے جنوں تیرا نیا پیدا نیا ویرانہ کر
 خال میں تجھ کو مُعتذر نے ملایا ہے اگر
 تو عصا افتاد سے پیدا مثالِ اندک
 ہاں، اسی شلخِ کُن پر پھر بنائے اَشیاں
 اہلِ کُشتن کو شہیدِ نغمہ ستانہ کر

اس چمن میں سپرو بھیل ہو یا تمسکِ نخل
 یا سراپا نالہ بن جا یا نواپیدانہ کر
 کیوں چمن میں بے صدا مثلِ رَمِ شبنم ہے تُو
 لبِ کشا ہو جا، سرو و بریطِ عالم ہے تُو
 آشنا اپنی حقیقت سے ہو لے دھتاں ذرا
 دانہ تو لھیتی بھی تو، باراں بھی تو، حاصل بھی تُو
 اہ، کس کی جستجو آوارہ رکھتی ہے تجھے
 راہ تو، رہرو بھی تو، رہبر بھی تو، منزل بھی تُو
 کانپتا ہے دل ترا اندیشہ طوفان سے کیا
 ناختہ اتو، بحر تو، بھرتی بھی تو، ساحل بھی تُو
 دیکھ اگر کوچہ چاکِ گریباں میں کبھی
 قیس تو، لیلی بھی تو، صحرا بھی تو، محفل بھی تُو
 وائے نادانی کہ تُو محتاجِ ساقی ہو گیا
 مے بھی تو، مینا بھی تو، ساقی بھی تو، محفل بھی تُو

شعلہ بن کر ٹھونکنے کا شاک غیر اللہ کو
 خوفِ باطل کیا کہ ہے عارتِ کرباں بھی تُو
 بے خبر! تُو جو ہر آئینہ ایام سے
 تُو زمانے میں خدا کا آخری پیغام ہے
 اپنی اصلیت سے ہوا گاہ اے غافل کہ تُو
 قطرہ ہے لیکن مثالِ بحرِ بے پایاں بھی ہے
 کیوں گرفتِ طلسمِ ہیچ مت داری ہے تُو
 دیکھ تُو پوشیدہ تجھ میں شوکتِ طوفاں بھی ہے
 سینہ ہے تیرا ہیں اُس کے پیامِ ناز کا
 جو نظامِ دہر میں پیدا بھی ہے نہاں بھی ہے
 ہفت کشور جس سے ہو تسخیر بے تیغ و تفتک
 تُو اگر سمجھے تو تیرے پاس وہ ساماں بھی ہے
 اب ملکِ شاہد ہے جس پر کوہِ فاراں کا سکوت
 اے تغافل پیشہ! تجھ کو یاد وہ پہیاں بھی ہے؟

تو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر لیا
 ورنہ کشن میں علاج تنگی واماں بھی ہے
 دل کی کیفیت ہے پیدا پر وہ تفسیر میں
 رکوت بینا میں مے مستور بھی، عریاں بھی ہے
 پھونک ڈالا ہے مری آتش نوائی نے مجھے
 اور میری زندگانی کا یہی سماں بھی ہے
 راز اس آتش نوائی کا مرے سینے میں دیکھ
 جلوہ تفتید میرے دل کے آئینے میں دیکھ
 آسماں ہو گا سحر کے نور سے آئینہ پوش
 اور ظلمات کی سیماں پا ہو جائے گی
 اس قدر ہو گی ترنم آئیں باد بہار
 نہمت خوابیدہ غنچے کی نوا ہو جائے گی
 آملیں گے سینہ چاکاں چمن سے سینہ چاک
 بزم گل کی ہم نفس باد صبا ہو جائے گی

شبِ بنم افشانی مری پیدا کرے گی سوز و سنا
 اس چمن کی ہر کلی درو آشنا ہو جائے گی
 دیکھ لو گے سطوتِ رفتارِ دریا کا مال
 موجِ مضطرب ہی اسے زنجیرِ پیر ہو جائے گی
 پھر دلوں کو یاد آجائے گا سینا مِ سجود
 پھر حبسِ خالِ حرم سے آشنا ہو جائے گی
 نالہ صیاد سے ہوں گے نوا سا مالِ سیور
 خونِ چیں سے کلی رنگیں قبا ہو جائے گی
 آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ اسکتا نہیں
 محوِ حیرت ہوں کہ دنیا کیل سے کیا ہو جائے گی
 شبِ کمریزاں ہو لی آخر جلوۂ خورشید سے
 یہ چمن معسور ہو گا نغمۂ توحید سے



مسلم

(جون ۱۹۱۲ء)

ہر نفس اقبال تیرا آہ میں ستو ہے
سینہ سوزاں ترا منیرا سے معمور ہے
نغمہ تہیہ تیری بربطِ دل میں نہیں
ہم سمجھتے ہیں یہ لیلیٰ تیری محل میں نہیں
گوش آوازِ سرورِ قدرت کا جو یا ترا
اور دل ہنگامہِ حاضر سے بے پروا ترا
قصہ گل ہم نوایاں پس سنستے نہیں
اہل محفل تیرا سینہ ہم اُن سنستے نہیں
اے درائے کاروانِ خفتہ پا با خاموش رہ
ہے بہت یاں آفریں تیری صدا خاموش رہ

زندہ پھر وہ محفلِ برینہ ہو سکتی نہیں
شمعِ روشن شبِ شینہ ہو سکتی نہیں

ہم نشینِ مسلم میں تو حید کا حال ہوں میں
ہم نشینِ مسلم میں تو حید کا حال ہوں میں
نبضِ حیات میں پیہرِ احرار اس کے ہے
اور علم کے تختِ جہاں اس کے ہے
حق نے عالم اس صداقت کے لیے پیدا کیا
اور مجھے اس کی حفاظت کے لیے پیدا کیا
وہر مرغِ غارت کربلِ پستی میں ہوا
حق تو یہ ہے عافیتِ ناموسِ پستی میں ہوا

میری ہستی پیر غنچ بیانی عالم کی ہے
 قسمتِ عالم کا سلم کو لب تابندہ ہے
 اشکارا ہیں ہی آنکھوں چ اسرار حیا
 کتب اسکتا ہے نسیم کا عارضی منظر مجھے
 یاس کے غنصر سے ہے آزاد یہ سار روزگار
 ہاں یہ سچ ہے چشم بر عہد نہیں ہستایوں میں
 یا عہد فرست میری خال کو اسیر ہے
 میرے سر جانے سے سوائی بنی آدم کی ہے
 جس کی تابانی سے افسون سحر شرمندہ ہے
 کہ نہ نہیں سکتے مجھے نومید بیکار حیا
 ہے بھر سا اپنی ملت کے مقدر پر مجھے
 فتح کامل کی خبر دیتا ہے جوش کارزار
 اہل محفل سے پرانی ہستیاں کہتا ہوں میں
 میرا ماضی میرے استقبال کی تفسیر ہے

سامنے رکھتا ہوں اس دو نشاط افزا کو میں
 دیکھتا ہوں دوش کے آئینے میں فردا کو میں

حضورِ اکرم ﷺ میں

گراں جو مجھ پر پہنکا مہر زمانہ ہوا
 قیو و شام و سحر میں برتو لی بسین
 جہاں سے باندھ کے رختِ سفر روانہ ہوا
 لطفِ کرم کہتے عالم سے آشنا نہ ہوا

۲۲۲

بانگِ درا

۲۰۸

فرشتے برقم رسالت میں لے گئے مجھ کو

حضور آیہ رحمت میں لے گئے مجھ کو

کہا حضور نے اے علیؑ بانیِ حجاز! کل کل ہے تری کرمی نواسے لداڑ

ہمیشہ سرخوش عالمِ ولایت تیرا

اڑا جو پستی دنیا سے تُو سوتے لڑوں

نکل کے بانیِ جہاں سب گنبد بُو آیا

ہمارے واسطے کیا تحفہ لے کے تُو آیا؟

”حضور! اوپر میں آسودگی نہیں ملتی تلاش جس کی ہے زندگی نہیں ملتی

ہزاروں لالہ گل ہیں یا ضررِ ہستی میں وفا کی بس میں جو بُو وہ کل نہیں ملتی

گھر میں نہ رکواں آجیسنہ لایا ہوں جو چیز اس میں ہے جنت میں بھی نہیں ملتی

جھلکتی ہے تیری امت کی آبرو اس میں

طرا بس کے شہیدوں کا ہے لہو اس میں“



شفا خانہ حجاز

اک پیشوائے قوم نے قہرِ سال کے کھلنے کو جدہ میں ہے شفا خانہ حجاز
ہوتا ہے ہر خیال کا فرقہ و فتنہ سنا ہے ٹولسی سے جو فسانہ حجاز
دستِ جنوں کو اپنے بڑھا جب کی طرف شہرِ توحید میں ہے یوانہ حجاز

دار الشفا والی الطحا میں چلیے

نبضِ مرضِ خبیثہ عیسیٰ میں چلیے

میں نے کہا کہ موت کے پردے میں حیات پوشیدہ جس طرح ہے حقیقتِ مجاز میں
تلخائے اجل میں جو عاشق کو بل گیا پایا نہ خضر نے عمرِ سہرا میں
اوروں کو دین حضورِ اسیعِ پیامِ ندلی میں موت ٹھونڈتا ہوں میں حجاز میں

آئے ہیں آپ کے شفا کا پیام کیا
رکھتے ہیں اہلِ درویشی سے کام کیا



۲۲۶

بانگِ درا

۲۱۰

جواب شکوہ

دل سے جواب نکلتی ہے اثر رکھتی ہے پر نہیں طاقت پرواز رکھتی ہے
قدسی اصل ہے رفعت نہ نظر رکھتی ہے خال سے اٹھتی ہے لڑو چکر رکھتی ہے
عشق تھا فتنہ کرو سرشیں چالاک مرا

آسمان چیریا نالہ بے بال مرا

پیر لڑوؤں نے کہا سب کے کہیں ہے کوئی بولے تیرے سرِ عرش ہیں ہے کوئی
چاند کتا تھا نہیں اہل زمیں ہے کوئی لکشاں کہتی تھی پوشیدہ ہیں ہے کوئی
کچھ جو سمجھا مرے شکوے کو تو رضاں سمجھا

مجھے جنت سے نکالا ہوا اس سمجھا

تھی شہزادوں کو بھی تیرا یہ وار ہے کیا عرشوں پر بھی کھڑا نہیں یہ وار ہے کیا
تیس عرش بھی اس کی تک و تاز ہے کیا آگئی خال کی خٹکلی کو بھی پرواز ہے کیا

غافل آداب کے سگان نہیں کیسے ہیں
شوخ و ستاخ یہ پستی کہیں کیسے ہیں

اس قدر شوخ کہ اللہ سے بھی برسے
عالمِ نفیس کے دامن سے منور ہے

تھا جو سحر و ملائکہ یہ وہی آدم ہے
ہاں مگر عجیب کئے اسرار سے محرم ہے

نہ ہے طقتِ گفتِ آریہ انہوں کو

بائے کرنے کا سلیقہ نہیں نادانوں کو

اتنی آواز عن انجم ہے کہ افسانہ ترا
اشکِ تاب سے لبِ شیریں پیمانہ ترا

اسماں کی ہر نوعِ فہرستانہ ترا
کشتِ شوخ زباں ہے دل دیوانہ ترا

شکرِ شکر کو گویا حسنِ اداسے تو نے

ہم سخن کر دیا بندوں کو خاکِ تو نے

ہم تو مائل بہ کرم ہیں کوئی سائل ہی نہیں
راہِ دکھلا میں لئے رہے منزل ہی نہیں

تربیتِ عام تو ہے جو ہر سائل ہی نہیں
جس سے تعمیرِ سوادِ عالم کی یہ نگاہ ہی نہیں

کوئی قابل ہو تو ہم شانِ کئی دیتے ہیں

ڈھونڈنے والوں کو دنیا بھی نئی دیتے ہیں

ہونکو نام خوب فٹوں کی تجارت کے
 کیا نہ سوچے جو مل جائیں صہم شہ کے
 صفحہ ہر طرہ بال و شیا کس نے؟
 نوع انسان کو عن لای چھڑا کس نے؟
 میرے کعبے جہینوں بسایا کس نے؟
 میرے شہر ان کو زمینوں لگایا کس نے؟
 تھے تو ابا و تمھارے ہی مکرمل لیا

ہاتھ پر ہاتھ دھڑے منتظر فرما ہوا
 کیا کہا بہرے ہر ماں ہے فقط وعدہ
 شکوے جا بھی کرے کوئی تو لازم ہے شعور
 عدل ہے فاطمہ ستری کا ازل سے دستور
 مسلم آئین جو اکافٹ تو ملے حور و قصور
 تم میں عیروں کا کوئی چنے والا نہیں
 جلوہ طور تو موجود ہے موسیٰ ہی نہیں

منفعت ایک ہے اس قوم کی نقصان بھی ایک
 ایک ہی سکا بنی دین بھی ایمان بھی ایک
 حرم مال بھی اللہ بھی شران بھی ایک
 کچھ بڑی بات تھی پرتے جو مسلمان بھی ایک
 فرقہ بندی ہے کہیں اور کسین فائیں ہیں
 کیا زمانے میں پہننے کی یہی باتیں ہیں

کون ہے تارکِ آئینِ رسولِ مختار؟ مصلحتِ وقت کی ہے کس کے عمل کا معیار؟
کس کی آنکھوں میں سما یہ شے سارِ اغیار؟ ہولنی کس کی زندہ نہ سلف سے بیزار؟

قلب میں سو نہیں رُوح میں احساس نہیں

کچھ بھی پیامِ محمدؐ کا تمہیں باس نہیں

جائے جوتے ہیں مساجد میں صفتِ آرا تو غریبِ زحمتِ وزہ جو کرتے ہیں گوارا تو غریب
نامِ یہ تلبے اگر کوئی بہارا تو غریبِ پردہ کھلتا ہے اگر کوئی تمہارا تو غریب

اُمرا نشہ دولت میں ہیں غافل ہم سے

زندہ ہے ملتِ بیضاً عرابِ کدوم سے

واعظِ قوم کی وہ بچختہ خیالی نہ رہی برقِ طبعی نہ رہی شعلہِ معتالی نہ رہی
رہ گئی رسمِ اذانِ رُوحِ بلالی نہ رہی فلسفہ رہ گیا تلختینِ غزالی نہ رہی

مسجدیں مریخِ خواں میں کھنکھاتی نہ رہی

یعنی وہ صاحبِ اوصافِ حجازی نہ رہی

شوہرے ہو گئے دنیا سے سلمانِ نابود ہم یہ کہتے ہیں کہ تجھے بھی کس مسلم موجود
وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود یہ مسلمان ہیں اجنبی دیکھ کے شرارتیں ہنود

یوں تو سید بھی ہو، مرزا بھی ہو، افغان بھی ہو

تم سبھی کچھ ہو، بتاؤ تو مسلمان بھی ہو!

دعوتِ یرتھی سلم کی صداقت بے باک
عدل اس کا تھا قومی لوٹ مراعات کے پاک

شجرِ فطرتِ سلم تھا حیاتِ نیک نال
تھا شجاعت میں وہ اک ہستی فوق الادراک

خود لدا زمی نیم لہفتیت صہبایش ہو

خالی از خوشی شن صوتِ مینایش ہو

ہر مسلمانِ گلِ طبل کے لیے نشتر تھا
اُس کے آئینہ ہستی میں عملِ جہر تھا

جہبِ رسا تھا اُسے قوتِ بازو پر تھا
تھے تھیں موت کا ڈر اُس کو خدا کا ڈر تھا

باپ کا علم نہ بیٹے کو الرا از بر ہو

پھر پر قابلِ میراثِ پدر کیونکر ہو!

ہر کوئی مستِ مے ذوقِ تن آسانی ہے
تم مسلمان ہو اب یہ اندازِ مسلمانی ہے!

حیدر می ہے پر نے دولتِ عثمانی ہے
تم کو اسلاف کے کیا نسبتِ حافی ہے؟

وہ زمانے میں ستر تھے مسلمان ہو کر

اور تم خوار ہوئے تارکِ شرآں ہو کر

تم ہو آپس میں غضب ناک وہ آپس میں کریم
چلتے سب ہیں کہ ہوں اوج شریا پر مستم
تم خطا کار و خطا ہیں وہ خطا پوش و کریم
پہلے دیا کوئی سپہ اتو کرے قلم سلیم

تختِ فغفور بھی اُن کا تھا، سریر کے بھی

یونہی باتیں ہیں کہ تم میں وہ حقیقت بھی؟

خود کشی شیعہ تمھارا، وہ سیو و خود ا
تم اخوت کے گریزان وہ اخوت پہ نثار
تم پوختہ اسرا پا، وہ سرا پا کردار
تم ترستے ہو ہلکی کو، وہ ہستیاں بہ کنا

اب تک یاد ہے قوموں کو حکایت اُن کی

نقش ہے صفحہ ہستی صیدِ اُقت اُن کی

مثلِ نخبِ اُفق قوم پہ پوشن بھی ہوئے
شوق پرواز میں مہجورِ شہین بھی ہوئے
بُتِ ہندی کی محبت میں بھمن بھی ہوئے
بے عمل تھے جی اُن دین کے بطن بھی ہوئے

ان کو تہذیب نے ہر شک سے آزاد کیا

لا کے کعبے صحنِ خانے میں آباد کیا

قینِ رحمت کش تنہا کی صحرا نہ رہا
شہر کی کھالے ہو اباد یہ سپاہ نہ رہا

وہ تو دیوانہ ہے ہستی میں ہے بیانہ رہا
یہ ضروری ہے حجابِ بُرخ لیلانہ رہا

گلہ جو رہے ہو، شکوہ بیدار نہ ہو

عشق آزاد ہے کیوں حسن بھی آزاد نہ ہو

عہدِ نوبرق ہے آتشِ زینِ سرخس ہے
امین اس کوئی صحرانہ کوئی کاشن ہے

اس نئی آگ کا اوقام نہیں لینا
فلتِ جستمِ رسلِ شعلہ بیدار ہے

آج بھی ہو جو براہِ شیم کا ایمان پیدا

آگ لڑ سکتی ہے اندازِ گستاں پیدا

دیکھ کر زنا پس چو نہ پریشاں مالی
کو کٹبِ بنچے شے شاخیں ہیں چکنے والی

خس و خاشاک سے ہوتا ہے گستاں خالی
گل بر انداز ہے سخنِ شداد کی لالی

زندگِ فردوس کا ذرا دیکھ تو غمتِ بلی ہے

یہ نکلتے ہوتے سوج کی عشقِ تابلی ہے

امتیں گلشنِ بہتی میں ٹہر چید بھی ہیں
اور مژمٹم بھی ہیں خزانِ مد بھی ہیں

سیکڑوں نخل ہیں کاہید بھی بالید بھی ہیں
سیکڑوں لطنِ چین میں ابھی پوشید بھی ہیں

نخلِ اسلام نوٹ ہے برو سندھی کا

پھل ہے یہ سیکڑوں صدیوں کی چینِ ہندی کا

۲۳۲

بادشاہی دربار

۲۱۸

پاک ہے کرو وطن سے سدا ماں تیرا تو وہ بوسے کے کہ ہر مصرعے کنگاں تیرا
 قافلہ ہونہ کے کا کبھی ویراں تیرا غیر یک بانہ درالچہ نہیں سا ماں تیرا
 نخل شمع استی و شعلہ و ویریشہ تو

عاقبت سوز و دیا اندیشہ تو

تو نہ مٹ جانے کا ایران کے مٹ جانے سے نقشہ کے کو تعلق نہیں سمانے سے
 ہے عیاں پوششِ تار کے افلاں سے پسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے
 کشتی حق کا زمانے میں سہارا تو ہے

عصرِ نورات ہے دھندلا سا ستارا تو ہے

ہے جو سنگام بہ پیا پوششِ بلغاری کا غافلوں کے لیے پیغام ہے بیداری کا
 تو سمجھتا ہے یہ سماں ہے دل آزاری کا امتحاں ہے ترے اشار کا، خود داری کا
 کیوں ہر اسماں ہے پھیل فرس اعدا سے
 نور حق تجھ نہ کے کا نفس اعدا سے

چشمِ اقوام سے مخفی ہے حقیقت تیری ہے ابھی نسلِ سستی کو ضرورت تیری
 زندہ رکھتی ہے زمانے کو حرارت تیری گو کہ قسمتِ امکاں ہے خلافت تیری

وقتِ فرصت ہے کہاں کا ہم بھی باقی ہے
نورِ حید کا اسم بھی باقی ہے

مثلِ بوقیہ کے غنچے میں پریشان ہو جا
رختِ بروش ہو اے چمنستان ہو جا
ہے تنک تار یہ تو درے سے بیابان ہو جا
نغمۂ موج سے ہر نگارِ طوفان ہو جا

وقتِ عشق سے ہر سہل کو بالا کروے
دہر میں اہم مستند سے اُجالا کروے

ہو نہ یہ پھول تو بے بل کا ترنم بھی نہ ہو
چمن دہر میں کلیوں کا تسم بھی نہ ہو
یہ نہ ساقی ہو تو پھرے بھی نہ ہو خم بھی نہ ہو
بزمِ توحید بھی دنیا میں نہ ہو، تم بھی نہ ہو

خمیہ افلاک کا استادہ اسی نام سے ہے
نبضِ ہستی تیشِ آماوہ اسی نام سے ہے

دشت میں امن کھسار میں میدان میں ہے
بھر میں موج کی آنکھوں میں طوفان میں ہے
چین کے شہزادے کی بیابان میں ہے
اور پوشیدہ سلمان کے ایمان میں ہے

چشمِ اقوامِ نبطِ ارہ ابد تک دیکھے
رفعتِ شانِ رفعتِ ملکِ فخرِ دیکھے

مردم چشم زمیں یعنی وہ کالی و نیل وہ تمھارے شہسپا پلنے والی و نیل
گرمی مہر کی پروردہ ہلالی و نیل عشق والے جسے کہتے ہیں ہلالی و نیل

تیش اندوز ہے اس نام سے پائے کی طرح
غوطہ زن نور میں ہے آنکھ کے تارے کی طرح

عقل ہے تیری ہر عشق ہے شمشیر تری مے درویش خدافت ہے جہانگیر تری
ماریوی اللہ کے لیے آگ ہے کجیر تری تو مسلمان ہو توقت یہ ہے تدبیر تری

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

ساقی

نشہ پلا کے لڑانا تو سب کو آتا ہے مزا تو جب ہے کہ لڑتوں کو تمھارے ساقی
جوابہ کش تھے پرانے وہ اٹھتے جاتے ہیں کہیں سے اک بھائے دوام لے ساقی!

کٹی ہے ات تو ہنگامہ شری میں ہی
سحر قریب ہے اللہ کا نام لے ساقی!

تعلیم اور اس کے نتائج

(تضمین بر شعریہ ملا عشری)

خوش تو ہیں ہم بھی انوں کی ترقی سے مگر لبِ خداں سے نکل جاتی ہے فراد بھی ساتھ
ہم سمجھتے تھے کہ لائے گی فراغت تعلیم کیا خبر تھی کہ چلا آئے گا الحاد بھی ساتھ
گھر میں پڑنے کے شیریں تو ہوتی جلد وہ نما لے کے آتی ہے مگر تیشہ فراد بھی ساتھ

”تحفہ مدیرِ ملفِ اریم و بکاریم ز نو
کانکشتہ تہم ز خجالت نتوان کرد و“

قربِ سلطان

تمیزِ حاکم و محکوم ہٹ نہیں سکتی مجال کیا کہ لگا کر چو شاہ کا چہروش
جہاں میں عیاج پرستی سے بندگی کا مال رضائے خواجہ طلب کن قباے رنگیں پوش
مگر غرض جو حصولِ رضائے حاکم ہو خطاب ملتا ہے منصبِ پست و قوم فروش
پرانے طرزِ عمل میں ہر پریشکلی ہے نئے اصول سے خالی ہے فکر کی آغوش

مزا تو یہ ہے کہ یوں زیرِ آسماں ریچے
 یہی اصول ہے سرمایہ سلوٹِ حیات
 گھر خوش پائل ہے تو تو بسم اللہ
 شرابِ بزمِ اسیرِ وزیرِ سلطان ہو
 پیامِ مرشدِ شیراز بھی مگر سن لے
 کہ ہے یہ سترِ نہاں خانہِ ضمیرِ سرِوش
 ”محلِ نورِ تجلی ستارے انور شاہ
 چو بے اوطاسی صوفی نیتِ کوش“

شاعر

جوئے سرورِ آفریں آتی ہے کوہِ سائے
 پی کے شرابِ لالہ لوں کے کدہ بہارے
 مستِ مہِ خرام کا سن تو دراپس تو
 زندہ وہی ہے کام کچھ جس کو نہیں قرارے
 پھرتی ہے ادویوں میں کیا دخترِ خوش خرام
 کرتی ہے عشقِ بازیاں سبزہ مرغزارے
 جامِ شرابِ فہ کے خم سے اڑاتی ہے
 پستِ بلند لڑکے طے لھیتوں جا پلاتی ہے

شاعر دل نواز بھی بات اگر کہے کھری
ہوتی ہے اُس کے فیض سے مرغِ زندگی ہری
شانِ خلیل ہوتی ہے اُس کے کلام سے عیا
کرتی ہے اُس کی قوم جیسا پناہ شعار آری
اہلِ زمین کو نوحہ زندگی دوام ہے
خونِ جگر سے تربیت پاتی ہے جو سخنوری

گلشنِ دہر میں اگر جوتے سے سخن نہ ہو
پھول نہ ہو کلی نہ ہو سبز نہ ہو چمن نہ ہو

نویسہ

۱۹۱۲ء

آتی ہے مشرق سے جہنگلِ دروہنِ سحر
منزلِ ہستی سے کرجاتی ہے خاموشی سفر
مخفی قدرت کا آخر ٹوٹ جاتا ہے سکوت
دیتی ہے ہر چیز اپنی زندگانی کا ثبوت
چھپاتے ہیں رپے پاکے پیغامِ حیات
باندھتے ہیں پھول بھی گلشن میں احرامِ حیات

مسلم خوابیدہ اٹھ کر آتا تو بھی ہو

وہ چمک اٹھا افق، کرمِ تقاضا تو بھی ہو

وسعتِ عالم میں یہ پیامِ بوشلِ آفتاب
دامنِ کڑوں سے کما پیدا ہوں یہ ارغِ سحاب

۲۲۰

بانگِ درا

۲۲۲

کھینچ کر خنجر لہر کا پھر سو سر گرم ستیز
پھر کھاتا ریلی باطل کو آداب گمیز
تو سراپا نور ہے خوشتر ہے عریانی تجھے
اور عریاں ہو کے لازم ہے خود افشانی تجھے

ہاں نمایاں ہو کے برق دیدہ خفاش ہے
اے دل کون مکان کے از مضمر فاش ہے

دعا

یارب اولِ مسلم کو وہ زندہ متا دے
پھر ادویِ فاراں کے ہر ذرے کو چمکا دے
محروم تماشا کو پھر دیدہ پسینا دے
بھٹکے ہوئے انہو کو پھر شمعِ حرم لے چل
پیدا دلِ بیاں میں پھر شورشِ محشر کر
اس دور کی ظلمت میں ہر قلب پریشاں کو
رفت میں مقاصد کو ہمدوشِ شریا کر
بے لوث محبت ہو بے باک صداقت ہو
جو قلب کو لہر مائے جُروح کو تڑپا دے
پھر شوقِ تماشا دے پھر فراقِ تقاضا دے
دیباچے جو کچھ میں اورں کو بھی لکھا دے
اس شہر کے خول کو پھر وسعتِ صحرا دے
اس محسوسِ خالی کو پھر شہا پہ لیا دے
وہ داغِ محبت دے جو چاند کو شرما دے
خود داریِ ساحل دے آزادویِ دریا دے
سینوں میں اُجالا کر دل صورتِ مینا دے

احساس عنایت کراہم مصیبت کا
امروز کی شورش میں اندیشہ فردا کے

میں بیل نالاجوں اک اُٹرے گھٹاں کا

تاثیر کا سال ہوں محنت کج کو داتا کے

عید پر شعر لکھنے کی فرمائش کے جواب میں

یہ شالامار میں اک برگِ زر کوکتا تھا
کیا وہ موسمِ گل جس کا راز دار ہوں میں
نہ پتا سال کریں مجھ کو زائرِ ابنِ چین
انھی کی شلخِ نشمین کی یادگار ہوں میں
ذرا سے پتے نے بیتاب کر دیا دل کو
چمن میں آگے سرِ اُغسٹیم ہار ہوں میں
خزاں میں مجھ کو رلاتی ہے یادِ فصلِ بہار
خوشی ہو عید کی لیونلر سو کو ا رہوں میں
اجار ہو گئے عہدِ کُن کے میخانے
گزشتہ بادہ پرستوں کی یادگار ہوں میں

پیامِ شمسِ مست ہیں سناتا ہے

ہلالِ عید ہماری ہنسی اڑاتا ہے



فاطمہ بنت عبد اللہ

عرب لڑکی جو طرابلس کی جنگ میں غازیوں کی پانی پلائی ہوئی شہید ہوئی

۱۹۱۲ء

فاطمہ! تو ابروئے امت مرحوم ہے ذرہ ذرہ تیری مشتِ خال کا معصوم ہے
یہ سعادتِ حورِ صحرائی تری قسمت میں تھی غازیانِ دین کی سقائی تری قسمت میں تھی
یہ جہادِ اللہ کے رستے میں بے تیغ و سپر ہے جسارتِ آفریں شوقِ شہادت کس قدر
یہ بھی بھائی گھسٹانِ خزاں منظر میں تھی ایسی چنگاری بھی تارِ بے اپنی خالستر میں تھی!

اپنے صحرا میں بہت اُٹھو بھی پوشیدہ ہیں

بجلیاں برسے ہوئے بادل میں بھی ابیدہ ہیں!

فاطمہ! گوشہٴ افشاں آنکھ تیرے غم میں ہے نغمہٴ عشرت بھی اپنے نالہٴ ماتم میں ہے
قص تیری خال کا لکنا شطرنجِ انگیز ہے ذرہ ذرہ زندگی کے سوز سے لبریز ہے
ہے کوئی نہنگ تیرے تیری بتِ خاموش میں پل ہی ہے ایک قومِ تازہ اس انگوشت میں
بے خبر ہوں چپان کی سبقتِ مقصد کے میں آفرینش دیکھتا ہوں اُن کی اس مرقعے میں

تازہ بخم کافضائے آسمان میں کلمہ
دید انسان کے محکم کجمن کی موج نور
جو ابھی ابھی سے غلٹ خانہ آیام سے
جن کی ضو نا آشنا ہے قید صبح و شام سے
جن کی تابانی میں انداز نہیں بھی تو بھی ہے
اور یہ کہ کتبت سیر کا پرتو بھی ہے

شبم اور ستارے

اک ات یہ کہنے لگے شبم سے ستارے
ہر صبح نئے تہجہ کو میسر ہیں نظارے
کیا جانے تو کتنے جہاں دیکھ چکی ہے
جو بن کے مٹے ان کے نشان دیکھ چکی ہے
زہر نے سنی ہے یہ خبر ایک ملک سے
انسانوں کی بستی ہے بہت دور فلک سے
کہ ہم سے بھی اس کشور پوش کافسانہ
گاتا ہے سحر جس کی محبت کا ترانہ

اے تار و نہ چھوچھو پستان جہاں کی
گلشن نہیں اک بستی ہے وہ آہ و فغاں کی
اتنی چہ بہاواں سچکٹ جانے کی خاطر
بے چاری کلی کھلتی ہے مڑھانے کی خاطر
کیا تم سے کہوں کیا چین منور زکلی ہے
نتھاسا کوئی شعلہ بے سوز کلی ہے

گلِ نالہ بے بس کی صدا سن نہیں سکتا
 ہیں مرغِ نوارِ زلفِ زارِ غضب ہے
 رہتی ہے سدا نرگسِ بیار کی تر آنکھ
 دلِ سوختہ لڑی نہ رہے ششاد
 تارے شہرِ آہ ہیں انساں کی زباں میں
 نادانی ہے یہ لہرِ زمیں طوفِ قمر کا
 دہن سے مے موتیوں کو چن نہیں سکتا
 اگتے ہیں تیرے سایہ گلِ خارِ غضب ہے
 دلِ طالبِ نیت روئے محرومِ نظرِ آنکھ
 زندانی ہے اور نام کو آزاد ہے ششاد
 میں لہریہ لڑوں جو گلستاں کی زباں میں
 سمجھا ہے کہ دریاں ہے وہاں داغِ جگر کا

بنیاد ہے کاشانہ عالم کی ہوا پر
 فرماؤ کی تصویر ہے قرطاسِ فضا پر

محاصرہ اور نہ

یورپ میں جس لٹری حق و باطل کی چھڑ لیتی
 لہرِ صلیب لڑو تیر حلقہ زن ہوتی
 مسلمان سپاہیوں کے ذخیرے تھے تمام
 آخر میں عسکرِ ترکی کے حکم سے
 حقِ خنجر آزمائی پہ مجبور ہو گیا
 شکر می حصہ دارِ ورنہ میں محصور ہو گیا
 روتے امیدِ آنکھ سے ستور ہو گیا
 آئینِ جنگِ شہر کا دستور ہو گیا

ہر شے ہوتی دُخیرہ لشکر میں منتقل
 لیکن فقیہ شہر نے جس دم سنی یہ بات
 شاپیں گدائے دانہ عصفور ہو گیا
 کرما کے مثل صاعقت طور ہو گیا
 دُقی کا مال شکرِ سلم پہ چسرم
 فتویٰ تمام شہر میں مشہور ہو گیا
 چھوٹی نہ تھی یہود و نصاریٰ کا مال فوج
 سلم خدا کے حکم سے مجبور ہو گیا

علامہ قادر رحمہ اللہ

زہیدہ قسطنطنیہ عالم جفا جو، کینہ پرورتھا
 دیا اہل حرم کو رقص کا فرماں ستم کرنے
 نکالیں شاہ تیموری کی آنکھیں نوکِ خنجر سے
 یہ انداز ستم کچھ کم نہ تھا آثارِ شہر سے
 شہنشاہی حرم کی نازنیاں سمن سے
 نہاں تھا حسن جن کا چشم مہرِ ماہِ اختر سے
 رواں دریائے خون شہزادیوں کے دیکھتے تھے
 کیا کھبرا کے پھر آواز دوسر کو بارِ ہنجر سے
 سبق آموز تابانی ہوں انجم جس کے جہر سے
 بنایا آہِ سامانِ طرب بیدار نے ان کو
 رزتے تھے دل نازک قدم مجبورِ خنیش تھے
 یونہی کچھ دیر تک مجھ نظر آنکھیں ہیں اس کی
 کمرے اٹھ کے تیغ جاں آستانِ آتش فشاں لھولی

۲۲۶
 باغیچہ دریا
 ۲۳۰

رکھا خنجر کو آگے اور پسہ کچھ سوچ کر لیٹا
 بجائے خواب کے پانی نے اُگل اس کی آنکھوں کے
 تقاضا کر رہی تھی عنید کو یا چشمِ احمر سے
 نظر شرارتی ظالم کی درویشیہ منظر سے
 پھر اٹھا اور تیموری حرم سے یوں لگا کہنے
 مرا مندر پہ سو جانا بناوٹ تھی، تکلف تھا
 یہ مقصد تھا مرا اس سے کوئی تیمور کی بیٹی
 مجھے غافل سمجھ کر مار ڈالے میرے خنجر سے

بکریہ از آخر کھل گیا سارے زمانے پر
 حیات نام ہے جس کا، کتنی تیمور کے گھر سے

ایک مکالمہ

اک مرغ سرانے یہ کہا مرغ ہوا سے
 گرتو ہے ہوا کیسے توڑ ہوں میں بھی ہوا کیسے
 پرواز، خصوصیت ہر صاحب پر ہے
 مجرّم حمیت جہوتی مرغ ہوا کی
 پرواز اگر تو ہے تو کیا میں نہیں پرواز
 ازاد اگر تو ہے نہیں میں بھی گرفت
 کیوں رہتے ہیں مرغ بن ہوا مائل بنداز؟
 یوں کہنے لگا سن کے یہ گفتار دل آزا
 حد ہے تری پرواز کی لیس کن سر پرواز
 کچھ شک نہیں پرواز میں آزا ہے تو بھی

واقف نہیں تو بہت مرغان ہوا سے تو خال شہین انھیں فُوس سے سڑکار

تو مرغ سرائی خوش از خال بختی

ماور صد دوانہ بہ نجم زوہ منقار

میں اور تو

مذاق دیدے نا آشتی نظر ہے مری تری نگاہ ہے فطرت کی رازواں پھر کیا

رہین شکوۂ ایام ہے زبان مری تری مراد پہ ہے دور آسمان پھر کیا

رکھا مجھے چین آوارہ مثل موج نسیم عطا فلک نے کیا تجھ کو آشیان پھر کیا

فروز ہے سو دے سہرا یہ حیات ترا مرے نصیب میں ہے کاوش زبان پھر کیا

ہوا میں تیرے پھرتے ہیں تیرے طیار مرا جہاز ہے محرم بادبان پھر کیا

قوی شدم چشما تو ان شدم چہ

چنین شدم چہ شد یا چنان شدم چہ

بہیج کو نہ دریں ہستیاں قرار ست

تو گر بہار شدی ما خزاں شدم چہ

۲۲۸

ہاگہ سے در

۲۳۲

تضمین بر سر ابو طالب کلیم

خوبے تجھ کو شعار صاحب شربت کا پس
کہہ رہی ہے زندگی تیری کہ تو مسلم نہیں
جس سے تیرے حلقہ خاتم میں گروں تھا اسیر
اے سلیمان تیری غفلت نے گنوا یا وہ نکمیں
وہ نشان سجدہ جو روشن تھا کولب کی طرح
ہو گئی ہے اُس سے اب آتشنا تیری جہیں
دیکھ تو اپنا عمل تجھ کو نظر آتی ہے کیا
وہ صداقت جس کی بے باکی تھی حیرت آفریں
تیرے آبا کی نگہ بھلی تھی جس کے واسطے
غافل اپنے اشیاء کے پھر آباد کر
ہے وہی باطل ترے کاشانہ دل میں مکھیں
نغمہ زن ہے طور حسن پر کلیم نکلتے ہیں

”سرکشی باہر کہ کردی ام او بایشدن
شعلہ ساں از ہر کجا برخاستی آنجاشیں“



شبلی حلی

مسلم سے ایک ذریعہ قہال نے کہا
 تیرے سر و فرستہ کے نفع سے علوم نو
 پتھر ہے اس کے واسطے موج نسیم بھی
 مردان کا رڈ ٹھونڈ کے اسباب حادثا
 پوچھ اُن سے جو چین کے ہیں دیرینہ ازوا
 مسلم کے کلام سے بے تاب ہو گیا
 کہنے لگا کہ دیکھ تو کیفیت خزاں
 خاموش ہو گئے چمنستان کے ازوا
 شبلی کو روئے ہے تھے ابھی اہل کلاستان
 حالی بھی ہو گیا سوتے فردوس نور و

دیوان جزوِ کل میں ہے سیرا و جو فرد
 تہذیب تیرے تافلہ طائے کُن کی لرو
 نازل بہت ہے آئینہ آبرو سے مرد
 کرتے ہیں چارہ شتم چرخ لا جو رو
 کیونکر ہوئی خزاں ترے گلشن بہم نبرد
 غماز ہو گئی عنہم پنہاں کی اہ سرد
 اوراق ہو گئے شجرِ زندگی کے زرد
 ساریہ لدا ز تھی جن کی نوائے درد
 حالی بھی ہو گیا سوتے فردوس نور و

”الکھنوں کو راہِ مرغ کہ پر سد ز باغباں
 بیل چغت و گل چشنید و صبا چہ لرو“

۲۵۰
 بانگ درا
 ۲۳۲

ارتقا

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
 حیات تعد مزاج وغیرہ شور و غوغا
 سکوتِ شام سے تا غمِ سحر کا ہی
 کشاکشِ نرم و کرماتِ پُرش و خراش
 مقامِ بہت و بہت و فشار و سوز و کشید
 اسی کشاکشِ بہیم سے زندہ ہیں اقوام
 چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی
 سرشتِ اس کی ہے شکل کشی جفا طلبی
 ہزارِ حرد ہائے فغانِ نیم شبی
 زخاںِ تریہ و زوڑوں تا بہ شیشہِ حلبی
 میانِ قطرِ قنسیان و آتشِ عنبی
 یہی ہے ارتقا و تابِ ملتِ عربی

”معاں کہ دائۂ انجور آب می سازند

ستارہ می شکنند آفتاب می سازند“



صدیق

اک دن رسول پاکؐ نے اصحاب کے کہا
 ارشاد من کے فرطِ طرب سے عمر اٹھے
 دل میں یہ کہہ رہے تھے کہ صدیقؑ ضرور
 لائے غرضکہ مال رسول امین کے پاس
 پوچھا حضورؐ فرما عالم نے اے عمر!
 رکھتا ہے کچھ عیال کی خاطر بھی تو نے کیا؟
 دس مال راہِ حق میں جموں تم میں مال دار
 اُس روز ان کے پاس تھے درہم کتنی ہزار
 بڑھ کر لکھے کا آج وقت دم میرا راہوار
 ایسا کی ہے دستِ نگر ابتدا سے کار
 اے وہ کہ جوشِ حق سے تڑپے دل کو ہے قرار
 مسلم ہے اپنے خویش و اقارب کا حق لڑا

کی عرض نصف مال ہے فرزندِ زن کا حق

باقی جو ہے وہ ملت بیضا پہ ہے نثار

اتنے میں وہ رسیقِ نبوت بھی گیا
 لے آیا اپنے ساتھ وہ مردِ وفائِ شریعت
 جس سے بنائے عشق و محبت ہے استوا
 ہر چیز جس سے چشمِ جہاں میں ہو اعتبار
 اس پر قمرِ شرم و شرفِ طر و حمار
 کہنے لگا وہ عشق و محبت کا راز دار
 بولے حضورؐ چلیے منکرِ عیال بھی

اے تجھ سے دیدہ مرہ و انجم فروغ گیر! اے تیری فاست باعثِ سکونِ روزگار!

پروانے کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس

جہدِ حق کے لیے ہے خدا کا رسول بس

تہذیبِ حاضر

تضمینِ برشعرِ فنی

حرارت ہے ہلاکیِ بادۂ تہذیبِ حاضر میں
کیا کرتے کو جھنڈے کے تابِ مستعار اس نے
نئے انداز پاتے نوجوانوں کی طبیعت نے
تغیر آگیا ایسا تدبیر میں تختِ سیل میں
کیا کلم تازہ پروازوں نے اپنا آشیانہ لکھ لیا
حیاتِ تازہ اپنے ساتھ لائی لذتیں کیا کیا
فروغِ شمع نو سے بزمِ مسلم جگمگا اٹھی
”تو اے پروانہ! اس خمِ خمی شمعِ محفلِ اری“

بھڑک اٹھا بھوکا بن کے مسلم کا ترخاکی
کوئی دیکھے تو شوخیِ آفتابِ جلوہ نما کی
یہ رعنائی، یہ بیداری، یہ آزادی، یہ بے باکی
پہنسی سمجھی گئی فطرت میں غنچوں کی جگر چاکی
مناظرِ دلکش ادا کلائی ساحر کی چالاکی
رقابت، خود فراموشی، ناشکیبائی، ہوشیاری
مگر کہتی ہے پروانوں سے میری کہنہ اور کی
چومِ آتشِ خود سو اگر سوئے داری“

والد مرحومہ کی یاد میں

وڑھ وڑھ دھڑکا زندانیِ تقدیر ہے
پردہٴ مجبوری و بے چارگیِ تدبیر ہے
اسماں مجبور ہے شمس و قمر مجبور ہیں
انجمِ سیلابِ پافتار پر مجبور ہیں
چے شکستِ انجامِ غنچے کا سب گھزار میں
سبزہ و گل بھی ہیں مجبور نہ گھزار میں
نغمہٴ بلبل ہو یا آوازِ خاموشیِ ضمیر
ہے اسی زنجیرِ عالمِ لیر میں ہر شے اسیر
آنکھ پر ہوتا ہے جب یہ سترِ مجبوری عیاں
خشب ہو جاتا ہے دل میں اشک کا سیلِ رواں

۲۵۲

بانگ درا

۲۳۸

قلبِ انسانی میں رقصِ عیش و غم رہتا نہیں
 نغمہ رہ جاتا ہے، لطفِ زیر و بم رہتا نہیں
 علم و حکمت رہنِ سامانِ اشک و آہ ہے
 یعنی اک الماس کا ٹکڑا دل آگاہ ہے
 گرچہ میرے باغ میں شبِ نیم کی شادابی نہیں
 آنکھ میری مایہ دارِ اشکِ عُقبالی نہیں
 جانستاروں آہ، میں آلامِ انسانی کا راز
 ہے نوائے شکوہ سے خالی مری فطرت کا ساز
 میرے لب پر قصۂ نسیمِ زلفی و وراں نہیں
 دلِ مرا حیراں نہیں، خنداں نہیں، گریاں نہیں
 پر تری تصویرِ قاصدِ گریہِ پیہم کی ہے
 آہ! یہ تردیدِ میری حکمتِ محکم کی ہے
 گریہِ سرشار سے بنیادِ جاں پائندہ ہے
 درد کے عرفاں سے عقلِ سنگدلِ شرمندہ ہے

موج دودِ آہ سے آئینہ ہے روشن مرا
 گنج آب اور دے سے مسور ہے دامن مرا
 حیرتی ہوں میں تری تصویر کے اعجاز کا
 رُخ بدل ڈالا ہے جس نے وقت کی پرواز کا
 رفتہ و حاضر کو گویا پاپا اس نے کیا
 عہدِ طفلی سے مجھے پھر آشنا اس نے کیا
 جب ترے دامن میں پکتی تھی وہ جانِ ناتواں

بات سے اچھی طرح محرم نہ تھی جس کی زباں
 اور اب چرچے ہیں جس کی شوخیِ گفتار کے
 بے بہا موتی ہیں جس کی چشمِ کوہِ بار کے
 علم کی سنجیدہ گفتاری، بڑھاپے کا شعور
 دنیوی اعزاز کی شوکت، جوانی کا غرور
 زندگی کی آوج کاہوں سے اتر آتے ہیں ہم
 صحبتِ مادر میں طفلِ سادہ رہ جاتے ہیں ہم

بے تکلف خندہ زن ہیں، فکر سے آزاد ہیں
 پھر اُسی کھوئے ہوئے فردوس میں آباد ہیں
 کس کو اب چوکا وطن میں آہ امیرا تظنار
 کون میرا خط نہ آنے سے رہے گا بے قرار
 خاکِ مرقد پر تری لے کر یہ مندر یاد آؤں گا
 اب دُعا ئے نیم شب میں کس کو میں یاد آؤں گا
 تربیت سے تیری میں انجسم کا ہم قسمت ہوا
 گھر میرے اجداد کا سرمایہ عزت ہوا
 دفتر ہستی میں تھی زرتیں ورق تیری حیات
 تھی سراپا دین و دنیا کا سبق تیری حیات
 عمر بھر تیری محبت میری خدمت کر رہی
 میں تری خدمت کے قابل جب ہوا تو چل بسی
 وہ جواں، قامت میں ہے جو صورتِ سرو بلند
 تیری خدمت سے ہوا جو مجھ سے بڑھ کر بہر مند

کار و بارِ زندگانی میں وہ ہم پہلو مرا
 وہ محبت میں تری تصویر، وہ بازو مرا
 تجھ کو مثلِ طفلِ بے دست و پا روتا ہے وہ
 صبر سے نا آتشِ نا صبح و ساروتا ہے وہ
 تخمِ جس کا تو ہماری کشتِ جاں میں بولتی
 شکرِ کتِ غم سے وہ اُلفت اور محکم ہو گئی

آہ! یہ دنیا، یہ ماتمِ حنائیٰ برنا و پیر
 آدمی ہے کس طلسمِ دوش و فردا میں اسیر
 کتنی مشکلِ زندگی ہے، کس قدر آساں ہے موت
 گلشنِ ہستی میں مانندِ نسیمِ ارزاں ہے موت
 زلزلے ہیں، بجلیاں ہیں، قحط ہیں، آلام ہیں
 کیسی کیسی دُخستراں مادرِ ایام ہیں!
 کلبۂ افلاس میں، دولت کے کاشانے میں موت
 دشت و در میں، شہر میں، گلشن میں ویرانے میں موت

موت ہے ہنگامہ آراشِ لڑیم خاموش میں

دُوب جاتے ہیں سفینے موج کی اغوش میں

نئے مجالِ شکوہ ہے، نئے طاقتِ کُفت ہے

زندگانی کیا ہے، اک طوقِ کلو افسار ہے

قفلے میں غیرِ فریادِ کچھ بھی نہیں

اک مستراحِ دیدہ ترکے سوا کچھ بھی نہیں

ختم ہو جائے گا لیکن امتحاں کا دور بھی

ہیں پس نہ پردہ کر دوں ابھی دور اور بھی

سینہ چاک اس گُلستاں میں لالہ و گل ہیں تو کیا

نالہ و سنہریاد پر مجبورِ بے بس ہیں تو کیا

جھاڑیاں جن کے قفس میں قید ہے آہ خزاں

سبز کر دے گی انھیں بادِ بہارِ جاوید

خُفتہ خاکِ پے سپر میں ہے شرارِ اپنا تو کیا

عارضی محفل ہے یہ مُشتِ غبارِ اپنا تو کیا

زندگی کی آگ کا انجم خاکستر نہیں
ٹوٹنا جس کا مست تدر ہو یہ وہ کوہر نہیں

زندگی محبوب ایسی دیدہ شدت میں ہے

ذوقِ حفظِ زندگی ہر چیز کی فطرت میں ہے

موت کے ہاتھوں سے مٹ سکتا اگر نقشِ حیات

عام یوں اس کو نہ کر دیتا لطفِ ام کا ثبات

ہے اگر ارزاں تو یہ سمجھو اجل کچھ بھی نہیں

جس طرح سونے سے جینے میں خلل کچھ بھی نہیں

آہِ غافل! موت کا راز نہاں کچھ اور ہے

نقش کی ناپائنداری سے عیاں کچھ اور ہے

جنتِ نظارہ ہے نقشِ ہوا بالائے آب

موجِ مضطر توڑ کر تعبیر کرتی ہے حباب

موج کے دامن میں پھر اس کو چھپا دیتی ہے یہ

کتنی بیدروی سے نقش اپنا مٹا دیتی ہے یہ

۲۶۰

بانگِ درا

۲۲۲

پھر نہ کر سکتی حباب اپنا اگر پیدا ہوا
 توڑنے میں اُس کے یوں ہوتی نہ بے پروا ہوا
 اس روش کا کیا اثر ہے ہیئت تعمیر پر
 یہ تو حجت ہے ہوا کی قوت تعمیر پر
 فطرت ہستی شہیدِ آرزو رہتی نہ ہو
 خوب تر پیکر کی اس کو جستجو رہتی نہ ہو
 آہ سیما پریشاں، انجسمِ لڑووں فروز
 شوخ یہ چنکاریاں، ممنونِ شب ہے جن کا سوز
 عقل جس سے سر بہ زانو ہے وہ مدتِ ان کی ہے
 سرگزشتِ نوعِ انساں ایک ساعتِ ان کی ہے
 پھر یہ انساں آں سوئے افلاک ہے جس کی نظر
 قدسیوں سے بھی ستارہ میں ہے جو پاکیزہ تر
 جو مثالِ شمع روشن محضِ قدرت میں ہے
 اسماں ال نقطہ جس کی وسعتِ فطرت میں ہے

جس کی نادانی صداقت کے لیے بیتا ہے
 جس کا ناخن ساز ہستی کے لیے مضراب ہے
 شعلہ یہ کمر سے لڑوؤں کے شراروں سے بھی کیا
 کم بہا سے آفتاب اپنا ستاروں سے بھی کیا
 آنکھیں کل کی آنکھ زیرِ خاک بھی بے خواہ ہے
 کس قدر نشوونما کے واسطے بے تاب ہے
 زندگی کا شعلہ اس دانے میں جو ستور ہے
 خوشنوائی، خوشنوائی کے لیے مجبور ہے
 سردیِ موت سے بھی افسردہ ہو سکتا نہیں
 خال میں دب کر بھی اپنا سوز کھوسکتا نہیں
 پھول بن کر اپنی تربت سے نکل آتا ہے یہ
 موت سے گویا قبائے زندگی پاتا ہے یہ
 ہے لمحہ اُس قوتِ اشْفیٰ کی شیرازہ بند
 ڈالتی ہے لہرِ دین لہروں میں جو اپنی کسند

۲۶۲

ہاتفِ دل

۲۶۲

موت، تجسید مذاق زندگی کا نام ہے
 خواب کے پرے میں بیداری کا ال پیغام ہے
 خاکِ پرواز کو پرواز میں ڈر کچھ نہیں
 موت اس فکشن میں جزِ سنجیدہ پر کچھ نہیں
 کہتے ہیں اہل جہاں دروِ اجل ہے لاووا
 زخمِ فرقتِ وقت کے مرہم سے پاتا ہے شفا
 دلِ مگر، غم مرنے والوں کا جہاں آباد ہے
 حلقہٴ زنجیرِ صبح و شام سے آزاد ہے
 وقت کے افسوں سے تھمتا نالہ ماتم نہیں
 وقتِ زحیم تیغِ فرقت کا کوئی مرہم نہیں
 سر پہ آجاتی ہے جب کوئی مصیبتِ ناہماں
 اشکِ پیہم دیدۂ انساں سے جوتے ہیں رواں
 ربط ہو جاتا ہے دل کو نالہ و سنہرا دے
 خونِ دل بہتا ہے آنکھوں کی سریشکِ باد سے

آدمی تابِ شکیبائی سے کو محسوس ہے
 اس کی فطرت میں یہ آلِ احساسِ نامعلوم ہے
 جو ہر انسانِ عدم سے آشنا ہوتا نہیں
 آنکھ سے غائب تو ہوتا ہے فنا ہوتا نہیں
 رختِ ہستی خاکِ عین کی شعلہ افشانی سے ہے
 سرورِ یہ آلِ اس لطیف احساس کے پانی کے ہے
 آہ، یہ ضبطِ فغاں غفلت کی خاموشی نہیں
 آگہی ہے یہ دلِ آسانی، فناِ خاموشی نہیں

پردہ مشرق سے جس دم جلوہ گر ہوتی ہے صبح
 داغِ شب کا دامنِ آفاق سے دھوتی ہے صبح
 لالہ افسردہ کو آتشِ قبّہ کرتی ہے یہ
 بے زباں طائر کو سرمستِ نوا کرتی ہے یہ
 سینہِ بے بیل کے زنداں سے سرودِ آزاد ہے
 سیکڑوں نعیموں سے باوجودِ بدمِ آباد ہے

۲۶۴

بانگِ درا

۲۶۸

خُفتِ تنگنِ لالہ زار و کوہسار و رُودبار
 ہوتے ہیں آخر عروسِ زندگی سے ہملنار
 یہ المرآتینِ ہستی ہے کہ ہو ہر شامِ صبح
 مرقدِ انساں کی شب کا کیوں نہ ہو انجِ صبح
 دامِ سیمینِ تخیل ہے مرا آفتابِ کیر
 کر لیا ہے جس سے تیری یاد کو میں نے اسیر
 یاد سے تیری دلِ دردِ آشنا مہمور ہے
 جیسے کعبے میں دُعاؤں سے فضا مہمور ہے
 وہ فرائض کا تسلسل نام ہے جس کا حیات
 جلوہ کا ہیں اُس کی ہیں لاکھوں جہانِ بے ثبات
 مختلف ہر نزلِ ہستی کی رسم و راہ ہے
 آخرت بھی زندگی کی ایک جولاں گاہ ہے
 ہے وہاں بے حاصلِ رشتِ اجل کے واسطے
 سازگار آب و ہوا تحنیمِ عمل کے واسطے

۲۶۵
 بانگِ درا
 ۲۲۹

نورِ فطرتِ خلقتِ پیکر کا زندانی نہیں
 تنگ ایسا حلفتِ افکارِ انسانی نہیں
 زندگانی تھی تری مہتاب سے تابندہ تر
 خوب تر تھا صبح کے تارے سے بھی تیرا سفر
 مثلِ ایوانِ سرِ مرقدِ شروازاں ہو ترا
 نور سے مسوریہ خالی شبستاں ہو ترا
 آسماں تیری لحد پر شبِ بنم افشانی کرے
 بسزۂ نورِ ستارے اس گھر کی تعجبانی کرے

شعاعِ افتاب

صبح جب میری نگہ سودائی نظر تھی
 میں نے پوچھا اس کے سرِ اظہار
 آسماں پر اک شعاعِ آفتاب آوارہ تھی
 تیری جانِ ناشکیبایاں کے کیسا اضطراب
 تو کوئی چھوٹی سی جہلی تھی جس کو آسماں
 کر رہا ہے خرمِ اقوام کی خاطر جواں

یہ تڑپے یا ازل سے تیری خوشی کیا ہے یہ
رقص ہے آوارگی ہے جستجو ہے کیا ہے یہ

”نفسہ ہنگامے ہیں میری سستی خاموش میں
پڑش پاتی ہے میں نے صبح کی آغوش میں
مضطرب ہر دم مری تقدیر لکھتی ہے مجھے
جستجو میں لذتِ تنویر رکھتی ہے مجھے
برقِ آتشِ خونہیں فطرت میں جاری ہوں میں
مہرِ عالم تاب کا پیغام بیداری ہوں میں
سُرمہ بن کر چشمِ انساں میں سماؤں کی یہ
راستی کے جو کچھ چھپا رکھا تھا دلکھلاؤں کی یہ

تیرے مستوں میں کوئی حویلی بشاری بھی ہے
سونے والوں میں کسی کو ذوقِ بیداری بھی ہے

غرفی

محل ایسا کیا تعمیر غرفی کے تختیل نے
تصدیق جس چہرے خاندانِ سینا و فارابی
فضائے عشق پر تحریر کی اس نے نوا ایسی
میسر جس پر آنکھوں کو اب تک اشکِ غنابی
مرے دل کے ایل دُن اُس کی تربتِ شکایتی
نہیں ہنگامہ عالم میں اب سامانِ بیستانی
مزاجِ اہلِ عالم میں تغیت سے کیا ایسا
کہ رخصت ہو گئی دنیا کے کیفیت و سیما بی

فغانِ نیم شب شاعر کی بارگوشِ جوتی ہے نہ ہوجبتِ چشمِ محفلِ آشنائے لطفِ بے خوابی
 کسی کا شعلہ فرماؤ نہ ظلمتِ بالینو کو کراں ہے شبِ ستونِ پیرِ سحر کی آسمانِ تابی
 صد اُترتے آئی "شکوۃ اہل جہاں" کم کو نوارِ تلخِ ترمی زُن چو فوقِ غم کم یابی
 حُدیٰ اُنیزِ ترمی خاں چو چمکِ اُراں بینی

ایک خط لے جا بس میں

ہوس بھی ہو تو نہیں مجھ میں بہت تکِ تازِ حصولِ جا ہے بستہ مذاقِ تلاش
 ہزار شکوہِ طبیعت ہے ریزہ کارِ مری ہزار شکوہ نہیں ہے دماغِ فتنہ تراش
 مے سخن سے لوں کی ہیں لہستیاں سرسبز جہاں میں چوں میں مثالِ سحابِ یاباش
 یہ عقدہ ہائے سیاست تجھے مبارک ہو کہ فیضِ عشق سے ناخن مر ہے سینہ خراش
 ہوائے بزمِ سلاسیں دلیلِ مُردہ ولی کیا ہے حافظِ رنگیں نوائے رازیہ فاش

"کرت ہواست کہ باخضر ہم نشین باشی
 نہاں ز چشمِ کُندِ چو آبِ حیاں باشی"



نانا

قوم نے سینا کو تم کی وار پڑا نہ کی
 اہ ابد قسمت ہے آوار حق سے خبر
 آشکار اس نے لیا جو زندگی کا راز تھا
 شمع حق سے جو منور ہو یہ وہ محفل نہ تھی
 اہ اشدور کے لیے ہندوستان غم خانہ ہے
 برہمن سرشک ہے اب تک مے پندار میں
 بت لہو پھر بعد مدت کے مگر روشن ہوا
 قدر پہچانی نہ اپنے کو ہر ایک دانہ کی
 غافل اپنے بھل کی شیرینی سے ہوتا ہے شجر
 ہند کو لیکن خیال فلسفے پر ناز تھا
 بارشِ حمیت چوئی لیکن زمین قابل نہ تھی
 دردِ انسانی سے اس بستی کا دل بگناہ ہے
 شمع کو تم جل رہی ہے محفلِ غیبِ ر میں
 نورِ ابراہیم سے اندر کا کھر روشن ہوا

پھر اٹھی آخر صدِ اوحید کی پنجاب سے
 ہند کو ال مردِ کامل نے جکایا خواب سے



کفر و اسلام

تضمین بر شعر سیر رضی دانش

ایک دن اقبال نے پوچھا کلیم طوے
 آتش نمرود ہے اب تک جہاں میں شعلہ ریز
 تھا جواب صاحب مینا کہ سلم ہے اگر
 ذوق حشر ہے تو پھر لازم ہے ایمان خلیل
 ہے اگر دیوانہ غائب تو کچھ پروا نہ کر
 عارضی ہے شان حاضر، سطوت غائب مدام
 شعلہ نمرود ہے روشن زمانے میں تو کب
 اے کہ تیرے نقش پائے اومی سینا چمن
 ہو گیا آنکھوں کے پنہاں کیوں ترا سو زکھن
 چھو کر غائب کو تو حاضر کا شیدائی نہ بن
 ورنہ خاسترے تیری زندگی کا پیہن
 منتظر رہ اومی فن راں میں جو لکھن
 اس وقت کو محبت سے ہے بھڑ جان و تن
 ”شمع خود را می کد از دوری آن سخن
 نور ما چوں آتش سنگ از نظر پنہان خوشست“



۲۴۰

بانگ درا

۲۵۲

بدل

لکھا ہے ایک مغربی حق شناس نے
 اہل مسلم میں جس کا بہت احترام تھا
 جولاں کہ سکندر رومی تھا ایشیا
 کہوں سے بھی طبع تر اس کا مقام تھا
 تاریخ کہہ رہی ہے کہ رومی کے سامنے
 دعویٰ کیا جو پس وارانے حتم تھا
 دنیا کے اس شہنشاہ انجم سپاہ کو
 حیرت سے دیکھتا فلک نسیل فام تھا
 آج ایشیا میں کس کوئی جانتا نہیں

تاریخ دان بھی اُسے پہچانتا نہیں

لیکن بدل، وہ حبشی اوجھستیر
 فطرت تھی جس کی نوز بہت سے سُستیر
 جس کا امیں ازل سے ہوا سینہ بدل
 محکوم اس صدا کے ہر شاہنشاہ فقیر
 ہوتا ہے جس کے اسودہ جسم میں اختلاط
 کرتی ہے جو غریب کو ہم پہلوتے ہیر
 ہے تازہ آج تک وہ نواتے جگر لداڑ
 صدیوں سے سن رہے ہیں جسے خوش چرخ ہیر

اقبال اس کے عشق کا فیض عام ہے

رومی فنا ہوا، حبشی کو دوام ہے

مسلمان اور تسلیم چٹ

تضمین برسر ملک قومی

مرشد کی یہ تسلیم تھی اسے تسلیم شوریہ
بدلی زلمے کی ہوا، ایسا نیست کر گیا
وہ شعلہ روشن تر غلٹ کر ریزاں جس سے تھی
شیدائی غائب نہ رہا دیوانہ سہو جو
ممكن نہیں اس مانع میں کوشش ہو بار آور تری
اس دور میں تسلیم ہے امراض ملت کی وا
رہبر کے ایسا سے ہوا تعلیم کا سو واجب
لیکن جانچتے رہیں دیکھئے زبوں بختی مری
لازم ہے ہر ہر کے لیے دنیا میں سامان سفر
تھے جو کراں قیمت کبھی اب میں ستاع کس مخز
کھٹ کر ہوا مثل شہر تاسے سے بھی کم نور تر
غالب ہے اب اقوام پر موجود حاضر کا اثر
فرسودہ ہے پھندا ترا، زیرک ہے مرغ تیز پر
ہے خون فاس کے لیے تعلیم شل نشتر
واجب ہے صحیح کردار پر تعمیل فرمانِ خضر
”رفتم کہ خار از پا شتم، محل نہاں شد از نظر
یک لحظہ غافل شتم و صد سالہ اسلم و رشد“



۲۷۲

بانگ درا

۲۵۶

پھولوں کی شہزادی

کلی سے کہہ رہی تھی ایک دُشمنمُکھستان میں
 رہی ہیں ایک مدت غنچہ ہائے باغِ صنواں میں
 تھکے مُکھستان کی کیفیت سرشار ہے ایسی
 نیک فرودوس دامن ہے میری چشم حیران میں
 سنہ پے کوئی شہزادی ہے حاکم اس مُکھستان کی
 کہ جس کے نقشِ پایے پھول جون بہا بیابان میں
 کبھی ساتھ اپنے اُس کے اتنا تک مجھ کو ٹوٹے چل
 چھپا کر اپنے دھن میں رنگِ موجِ ٹوٹے چل

کلی بولی سر ریا رہا رہی ہے وہ شہزادی
 درخشاں جس کی ٹھوکر سے پرنچ پھر بھی نکلیں جن
 مگر فطرت تری اُفتندہ اور حکیم کی شانِ اونچی
 نہیں ممکن کہ تو پہنچے ہماری ہم شیشیں جن
 پہنچ سکتی ہے تو لیکن ہماری شہزادی تک
 کسی کو درد کے مارے کا اشکِ اشیں جن
 نظر اُس کی پیامِ عید ہے اہلِ محترم کو
 بنا دیتی ہے کو ہر غمِ زووں کے اشکِ سیم کو

تضمین بر شعر صائب

کہاں اقبال تو نے بنایا اشیاں اپنا
 نوا اس باغ میں بسل کو ہے سامانِ سوائی

شرائے ادبی امین کے ثوبوتا تو ہے لیکن
 کل روز نفس سے بھی ہاں گل ہو نہیں سکتی
 قیامت ہے کہ فطرت گوئی اہل گلستاں کی
 دل کاہ جب ابید ہو جاتے ہیں سینوں میں
 نہیں ضبط نوا ممکن تو اڑ جا اس گلستاں سے
 کہ اس محفل سے خوشتر ہے کسی صحرائی تنہائی

”ہماں بہتر کہ سیلی دریا باں جلوہ کر باشد
 نثار و ننگناے شہر تاب حسن صحرائی“

فردوس میں ایک مکالمہ

ہاتف نے کہا مجھ سے کہ فردوس میں ال و ز
 اے آنکہ ز نور لہر نظم فکتاب
 کچھ کیفیت مسلم ہندی تو بیاں کر
 مذہب کی حرارت بھی ہے لچھے اس کی گوش میں
 باتوں سے ہوا شیخ کی حالی مست اثر
 حالی سے مخاطب ہوئے یوں سعدی شیراز
 دامن بہ چراغ مرہ خستہ زوہ امی باز
 و اماندہ منزل ہے کہ مصروف تک تاز
 تھی جس کی فلک سے زل بھی گرمی آواز
 رو رو کے لگا کہنے کہ اے صاحب اعجاز

۲۷۴

باقی ہے در

۲۵۸

جب پیر فلک نے ورق ایام کا لٹ
آیا ہے مگر اس کے عقیدوں میں تزلزل
وہیں ہو تو مستاصد میں بھی پیدا ہو بلندی
مذہب کے سہم انگلی اسرار ہے باقی
بنیاد لرز جاتے جو دیوار چمن کی
پانی نہ ملازم زم زم ملتے جو اس کو
یہ ذکر حضور شریب میں نہ کرنا
آئی یہ صدا، پاؤں کے تعلیم سے سراز
دنیا تو ملی ہٹا کر دیں لکیر پر از
فطرت ہے جانوں کی نہیں کسی نہ میں تاز
وہیں زخم ہے جمعیت ملتے ہے الر ساز
ظاہر ہے کہ انجہم فطرت کا ہے آغاز
پیدا ہیں نئی نوو میں الحاد کے انداز
سمجھیں نہ کہیں ہند کے سلم مجھے غماز

خُرماتواں یافت ازاں خار کشتیم
دییاتواں یافت ازاں پشتم کہ رشتیم
(سعدی)

مذہب

تضمین بر شعریز ابیدل

تعلیم پیر فلسفہ مغربی ہے یہ
پیدا نظر سے نہ ہوا شناتو کیا
نماواں ہیں جن کو ہستی غائب کی ہے تلاش
ہے شیخ بھی مثال برہمن صنم تراش

محوس پر پناہ عیسوی جڈ کی
 اس فور میں ہے شیشہ عقیقہ کا پاش پاش
 مذہب کے جس کا نام وہ ہے اک جنون خام
 جسے جس آدمی کے تختہ کیل کو انتقام
 کتا ملک ہے فلسفہ زندگی لچھ اور
 مجھ پر کیا یہ مرشد کامل نے راز فاش

”باہر کمال اند کے اشفتگی خوش است
 ہر چہ عقل کل شدہ امی بے جنوں مہاش“

جنابِ یرمول کا ایک واقعہ

صف بے تھے عرب کے جوان تیغ بند
 تھی منتظ جن کی عروس زمین شام
 اک نوجوان صورت سیاب مضطرب
 آکر ہوا ایسے عساکر سے ہم کلام
 اے بوجبید رخصت پیکار سے مجھے
 لبریز ہو گیا مرے صبر و سکون کا جام
 بے تاب ہو رہا ہوں فراق رسول میں
 اک دم کی زندگی بھی محبت میں ہے حرام
 جاتا ہوں میں حضور رسالت پناہ میں
 لے جاؤں گا خوشی سے الر سو کوئی پیام
 یہ ذوق و شوق دیکھ لے پر غم ہوئی وہ آنکھ
 جس کی نگاہ تھی صفت تیغ بے نیام
 بولا ایسے فوج کہ ”وہ نوجوان ہے تو“
 پیروں یہ تیرے عشق کا واجب ہے احترام

۲۷۶

بانگ درا

۲۶۰

پوری کرے خدا نے مستد تری مراد کتنا بلند تیری محبت کا ہے مقام
 پہنچے جو بارگاہِ رسولِ امیں میں تُو کرنا یہ عرض میری طرف سے پس از سلام
 ہم پر کرم کیا ہے خدا نے غیور نے
 پوئے پوئے جو وعدے کیے تھے حضور نے

مذہب

اپنی ہمت پر قیاس اقوامِ مغرب کے نہ کر خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمی
 اُن کی جمعیت کا ہے ملک و نسب پر انحصار قوتِ مذہب سے حکم ہے جمعیت تری
 دامن دیں ہاتھ سے چھوٹا تو جمعیت کہاں
 اور جمعیت ہوئی رخصت تو ہمت بھی لٹی

پیوستہ شخص سے ایمید بہار رکھ

ڈالی گئی جو فصلِ خزاں میں شجر سے ٹوٹ ممکن نہیں میری ہو سحابِ بہار سے
 ہے لازوال عہدِ خزاں اُس کے واسطے کچھ واسطہ نہیں ہے اُسے برل و بار سے

ہے تیرے گھڑاں میں بھی فصل خزاں کا دور
 خالی ہے جیب گل زر کا مل عیب سے
 جو غمزدن تھے خلوتِ اوراق میں طیور
 رخصت ہوتے تھے شجر سایہ دار سے
 شاخِ زبیدہ سے سبق اندوز ہو کہ تو
 نا آشنا ہے فتاعدہ روزگار سے
 رقت کے ساتھ رابطہ استوار رکھ
 پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ

شب معراج

اخترِ شام کی آتی ہے فلک سے آواز
 سجدہ کرتی ہے سحر جس کو وہ ہے آج کی رات
 رویک گام ہے ہمت کے لیے عرشِ بریا
 کہہ ہی ہے یہ سیلِ سان سے معراج کی رات

پھول

تجھے کیوں فکر ہے گلِ دلِ صدِ حالِ علیل کی
 تو اپنے پیرِ سچ کے چاک تو پہلے رفو کر لے
 تنہا ابروی ہو اگر گلزارِ ہستی میں
 تو کانٹوں میں الجھ کر زندگی کرنے کی خو کر لے
 صنوبرِ باغ میں آزاد بھی ہے پایہ گل بھی ہے
 انھی پابندیوں میں حاصلِ آزادی کو تو کر لے

تنگ بخشی کو ہتھکڑیاں پہنا کر حیات دے
نہیں یہ شانِ خود ارئی چمن سے توڑ کر تجھ کو
چمن غنچ پہ گل سے یہ کہہ کر اڑ گئی شبنم
اگر منظور ہو تجھ کو خزانِ اشنار ہونا
نہ رہت کشتِ شبنم رنگوں جام و سب کو کرے
کوئی ستار میں لکھ لے کوئی سب کو کرے
مذاق جو چھین ہو تو سپید رنگ کو کرے
جہان رنگ بوئے پہلے قطع آرزو کرے

اسی میں دیکھ کر ہر حالِ زندگی تیرا
جو تجھ کو زینتِ دامن کوئی آئینہ نہ کرے

شکایتیں

شفیق صبح کو دریا کا خرام آئینہ
برلِ گل آئینہ عارضِ زیلتے بہا
حسن آئینہ حق اور دل آئینہ حُسن
نغمہ شام کو خاموشی شام آئینہ
شاہدے کے لیے جملہ جام آئینہ
دلِ انساں کو ترا حُسنِ کلام آئینہ

ہے ترے فکرِ فلک سے کہاں ہستی
کیا تری فطرتِ روشن تھی مالِ ہستی

تجھ کو جب دیدارِ طلب نے ڈھونڈا
تا جب رشید میں رشید کو پہنا دیکھا

چشمِ عالم سے تو ہستی رہی ستوری
اور عالم کو تری آنکھ نے غریاں دیکھا

حفظ اسرار کا فطرت کو ہے سودا ایسا

رازِ واں بھرنے لڑکے کی کوئی پیدا ایسا

میں اور تو

یہ سلیقہ مجھ میں ظہیم کا نہ قرینہ تجھ میں خلیل کا

میں نوائے سوختہ درختوں تو پریدہ رنگ رسیدوں

مرا عیشِ غم مرا شہدِ غم مری بوہنم نفسِ عدم

وہم زندگی ہم زندگی غم زندگی ہم زندگی

ترنہ خال میں ہے اگر شر تو خیال فقر و غنا نہ

کوئی ایسی طرزِ طواف تو مجھے اپنے حرم سے بنا

گدہ جھائے و فانا کہ حرم کو اہل حرم سے ہے

یہ ستیزہ کاہِ جہاں تھی نہ حرفِ پیچیدگی نئے

کرم اے شہِ عرب و عجم کہ لٹھے ہیں منتظرِ کرم

میں ملکِ جاوے سامری تو قتلِ شوقِ ازسری

میں حکایتِ غمِ آرزو تو حدیثِ ماتمِ لبری

ترا دل حرمِ لہرِ مجسم ترا دینِ سیرۃ کا فری

غمِ غم نہ کہ غمِ غم نہ کھا لکھ لکھ لکھ لکھ لکھ لکھ

کہ جہاں میں ناںِ شعیر ہے ارقوتِ حمیدی

کہ ترے پتنگ کو پھر عطا ہو وہی شربتِ سمندی

کسی بیکے میں بیاں کروں تو کہ غم بھی بھری

وہی فطرتِ اسد اللہی وہی حربی وہی عنبری

وہ لکھ لکھ لکھ لکھ لکھ لکھ لکھ لکھ لکھ لکھ

اسیری

ہے اسیری اعتبار افزا جو ہر فطرت بند
قطرہ نیساں ہے ندانِ صدف کے ارجمند
مُشکِ اُفرحیر کیا ہے ال لہو کی بوند ہے
مُشک بن جاتی ہے ہو کر نافہ اہو میں بند
ہر لسی کی تربیت کرتی نہیں قدرت مگر
کم ہیں وہ طائر کہ ہیں دامِ قفس کے بہر مند

”شہرِ چراغ و زغن بندِ قید و صید نیست

اس سعادت قسمتِ شہباز و شاہیں کو داند“

درِ نوزہ خلافت

اگر ملک ہاتھوں سے جاتا ہے جاتے
تو احکامِ حق سے نہ کر بے وفائی
نہیں تجھ کو تاریخ سے الکی کیا
خلافت کی کرنے لگا تو کدائی
خریدیں نہ جس کو ہم اپنے لہو سے
مسلمان کو ہے ننگ وہ پادشائی

”مرا از شکستن چنان عار ناید

کہ از دیگران خواستن موسیائی“

ہمایوں (مشر بس شاہ دین مرحوم)

اے ہمایوں زندگی تیری سراپا سوز تھی تیری چنگاری چہ راغ انجمن افروز تھی
گرچہ تھا تیرا ترن حنا کی نزار و درہند تھی ستارے کی طرح روشن تیری طبع بلند
کس قدر بے باک دل اس ناتواں پیکر میں تھا شعلہ لکڑوں نور و اکُشتِ خالستر میں تھا
موت کی لکین دل و انا کو کچھ پروا نہیں شب کی خاموشی میں جز ہنگامہ فروا نہیں

موت کو سمجھے ہیں غافل خستہ نامِ زندگی
ہے یہ شامِ زندگی صبحِ دوامِ زندگی



۲۸۲
بانگِ درا
۲۶۶

خنسراہ

شاعر

ساحل دریا پہ میں اک راست تھا منظر
کوشہ دل میں چھپاتے اک جہان اضطراب
شب سکوت منرا، ہوا آلودہ، دریا نرم سیر
تھی نظیر حیراں کہ یہ دریا ہے یا تصویر آب
جیسے لہوارے میں سو جاتا ہے طفل شیر خوار
موج مضطر تھی کہیں گہرائیوں میں مست خواب

رات کے افسوں سے طائرِ آشیانوں میں اسیر
 انجمِ کمِ خدو گرفتارِ طلسمِ ماہِ ستاب
 دیکھتا کیا ہوں کہ وہ پیکِ جہاں میں پناہ
 جس کی پیری میں ہے مانسہ سحرِ رنگِ شباب
 کہہ رہا ہے مجھ سے اے جویئے اسرارِ ازل
 چشمِ دلِ وا ہو تو ہے تفتِ دیرِ عالمِ بے حجاب
 دل میں یہ سن کر بپا ہوا ہنکامہ محشر ہوا
 میں شہیدِ جستجو تھا، یوں سخنِ ستر ہوا
 اے ترمی چشمِ جہاں ہیں پر وہ طوفاں آشکار
 جن کے ہنکامے ابھی دریا میں سوتے ہیں خموش
 کشتیِ مسکین، و 'جانِ پال' و 'دیوارِ تسیم'
 علمِ موسیٰ بھی ہے تیرے سامنے حیرتِ فروش
 چھوڑ کر اباویاں رہتا ہے تو صحرانورد
 زندگی تیری ہے بے روز و شب و فردا و دوش

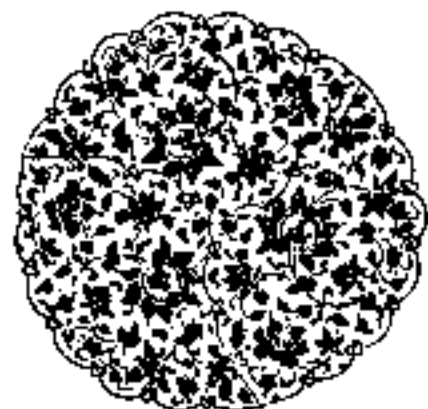
۲۸۴

بانگِ درا

۲۹۸

زندگی کا راز کیا ہے، سلطنت کیا چیز ہے
 اور یہ سرمایہ و محنت میں ہے کیسا خروش
 ہو رہا ہے ایشیا کا حرقہ ویرینہ چاک
 نوجواں اقوام نو دولت کے ہیں پیرایہ پوش
 گرچہ اسکندر رہا محروم آبِ زندگی
 فطرتِ اسکندری اب تک ہے گرم ناؤ نوش
 بیچتا ہے ہاشمی ناموس دینِ مصطفیٰؐ
 خال و نخوں میں مل رہا ہے ترکمان سخت کوش

اگل ہے، اولادِ ابراہیم ہے نمرود ہے
 کیا کسی کو پھر کسی کا امتحاں مقصود ہے!



جوابِ خضر

صحرا نوردی

کیوں تعجب ہے مری صحرا نوردی پر تجھے
یہ تگیا پوتے دما دم زندگی کی ہے دلیل
اے رہینِ حسانہ تُو نے وہ سماں دیکھا نہیں
گو نہ جتنی ہے جب فضلتِ دشت میں بانگِ حیل
ریت کے نیلے یہ وہ آہو کا بے پروا حنہ رام
وہ حشرِ بے برل و سماں وہ سفرِ بے سنگ و میل
وہ نمودِ اختِ سیلابِ پا پہ سنگِ گامِ سج
یاں سیاں بامِ کردوں سے جبینِ حیریل
وہ سکوتِ شامِ صحرا میں غروبِ آفتاب
جس سے روشن تر ہوئی چشمِ جہاں بینِ حلیل

اور وہ پانی کے چشمے پر مستام کارواں
 اہل ایساں جس طرح جنت میں لکڑیوں کی
 تازہ ویرانے کی سوداے محبت کو تلاش
 اور آبادی میں ٹونجیہ سیر کشت و خیال
 پختہ تر ہے گردش پیہم سے جاہم زندگی
 ہے یہی اسے بے خبر راز و وارم زندگی

زندگی

برتر از اندیشہ سود و زیاں ہے زندگی
 ہے کبھی جاں اور کبھی تسلیم جاں ہے زندگی
 تو اسے پیمانہ امروز و فردا سے نہ ناپ
 جاوہان پیہم دواں ہر دم جاں ہے زندگی
 اپنی دنیا آپ پیدا کر الرزندوں میں ہے
 ستر آدم ہے، خمیر کن فکاں ہے زندگی

زندگانی کی حقیقت کو پہن کے دل سے پوچھ
 جوئے شیر تویشہ و سنبھڑاں ہے زندگی
 بندگی میں لکھٹ کے رہ جاتی ہے اک جوئے کم اب
 اور آزادی میں بھر بے کراں ہے زندگی
 آشکارا ہے یہ اپنی قوتِ تسخیر سے
 کرچہ اک مٹی کے پیکر میں نہاں ہے زندگی
 قلزمِ ہستی سے تُو ابھر ہے مانندِ جناب
 اس زیاں خانے میں تیرا امتحاں ہے زندگی
 خام ہے جب تک تو ہے مٹی کا اک انبار تُو
 پختہ ہو جائے تو ہے شمشیر بے زہار تُو
 ہو صداقت کے لیے جس دل میں مرنے کی تڑپ
 پہلے اپنے پیکر خالی میں جاں پیدا کرے
 ٹھونک ڈالے یہ زمین و آسمانِ مستعار
 اور خاکِ تر سے آپ اپنا جہاں پیدا کرے

زندگی کی قوتِ پنہاں کو کروے آشکار
 تا یہ چنگاریِ فُورغِ جاوداں پیدا کرے
 خاکِ مشرق پر چمک جلتے مثالِ آفتاب
 تابخشاں پھر وہی غسلِ گراں پیدا کرے
 سوتے کروں نالہ شبِ کبیر کا بھیجے سفیر
 رات کے تاروں میں اپنے رازواں پیدا کرے
 یہ کھڑی محشر کی ہے، تو عرصہ محشر میں ہے
 پیش کر عتِ نفل، عمل کوئی اگر دفتر میں ہے

سلطنت

استاتوں تجھ کو رمزِ آیتِ اِنِّ الْاِنْسَانَ
 سلطنتِ اقوامِ غالب کی ہے ال جاوولری
 خواب سے بیدار ہوتا ہے ذرا محسوسِ مومِ الر
 پھر سلا دیتی ہے اُس کو حکمراں کی ساحری

جادوئے محسوس کی تاثیر ہے چشم ایاز
 دیکھتی ہے حلفت کر دین میں ساز دلبری
 خون اسر ایل آجاتا ہے آئینہ جوش میں
 توڑ دیتا ہے کوئی ٹوٹا ہوا طلسم سامری
 سروری زیبا فقط اس فضا میں رہتا کو ہے
 حکمراں ہے اک وہی باقی بستان آزری
 از عنلامی فطرت آزاد را رسوا کن
 تا تراشی خواجہ اے از برہمن کافر تری
 ہے وہی ساز کھن مغرب کا جمہوری نظام
 جس کے پردوں میں نہیں غیب سے نوائے قیصری
 دیو استبداد جمہوری قبایلیں پائے کوب
 تو سمجھتا ہے یہ آزادی کی ہے نیلیم پری
 مجلس امن و اصلاح و رعایات و حقوق
 طب مغرب میں مزے میٹھے اثر خواب آوری

گر مہی کُفتارِ اعضائے مجالس، الاماں!
 یہ بھی اک سرمایہ داروں کی ہے جنبِ زر مہی
 اس سرابِ نیک و نیکو کا رستاں سمجھا ہے تُو
 اہلے ناداں! قفس کو اشیاں سمجھا ہے تُو

سرمایہ و محنت

بندۂ مزدور کو جب کر مراپینام دے
 خضر کا پینام کیا ہے یہ پیپام کائنات
 لے کہ تجھ کو کھالیا سرمایہ دارِ حیدر
 شاخِ آہو پر رہی صدیوں ملکِ تیری برات
 دستِ دولتِ آفسرین کو مزدوریوں ملتی رہی
 اہلِ ثروت جیسے دیتے ہیں غریبوں کو زکات
 ساحرِ الموط نے تجھ کو دیا برکِ شیش
 اور تُو لے بے خبر سمجھا اسے شاخِ نبات

نسل، قومیت، کلیسا، سلطنت، تہذیب، رنگ
 خواجلی نے خوب چُن چُن کے بندے مسکرات
 لٹ مَرا ناواں خیالی دیوتاؤں کے لیے
 سکر کی لذت میں تُو لٹوا لیا نعتِ حیات
 مگر کی چپالوں سے بازی لے لیا سرمایہ دار
 انتہائے سادگی سے لٹا لیا مزدور مات
 اُٹھ کہ اب بزمِ جہاں کا اور ہی انداز ہے
 مشرق و مغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے
 ہمتِ عالی تو دیا بھی نہیں کرتی قبول
 غنچہ سراں غافل تھے دامن میں شبنم کب تک
 نغمہ بیداری جمہور ہے سامانِ عیش
 قصہ خواب اور اسکندر و جم کب تک
 افتاب تازہ پیدا بطنِ لیتی سے ہوا
 آسماں! ڈوبے ہوتے تاروں کا نام کب تک

توڑ ڈالیں فطرتِ انساں نے زنجیریں تمام
 دُور ہی جنت سے روتی چشمِ آدم کب تک
 باغبانِ چارہ مندر سے یہ کہتی ہے بہا
 زخمِ گل کے واسطے تدبیرِ مریم کب تک
 کرکے نساواں اطوافِ شمع سے آزاد ہو
 اپنی فطرت کے تجلی زار میں آباد ہو

دُنیا سے اسلام

کیا سناتا ہے مجھے ترکِ عرب کی استاں
 مجھ سے کچھ پنہاں نہیں اسلامیوں کا سوز و سنا
 لئے تھلٹ کے فرزندِ میراثِ خلیل
 خشتِ بنیادِ کلیسا بن گئی خالِ حجاز
 ہو گئی رسوا زمانے میں کلاہِ لالہ زنا
 جو سراپا ناز تھے، ہیں آج مجبورِ نیاز

لے رہا ہے مے فروشانِ فرنگستان سے پارس
 وہ مے کشِ حرارتِ جس کی ہے عینِ کلدان
 حکمتِ مغرب سے ملت کی یہ کیفیت چوتی
 ٹکڑے ٹکڑے جس طرح سونے کو کر دیتا ہے کان
 ہو گیا مانسِ آبِ ازاں سماں کا لہو
 مضطرب ہے تو کہ تیرا دل نہیں دانتے رن
 گفتِ رومیؒ "ہر سب سے لہنہ کا باداں کسند"
 می ندانی "اول اں بنیاد را ویراں کسند"
 "ملک ہاتھوں کی کیا ملت کی آنکھیں کھل گئیں"
 حق ترا چشمِ عطا کر دستِ غافل درنگر
 موسائی کی کدائی سے تو بہتر ہے شکست
 نورِ بے پر! عاجتے پیشِ سلیمانے مہر
 ربط و ضبطِ ملتِ مضرب ہے مشرق کی نجات
 ایشیا والے ہیں اس نکتے سے اب تک خبر

پھر سیاست چھوڑ کر داخل صبا دیں میں
 ملک دولت سے فقط حفظِ حرم کا الٹ
 ایک ہوں سلم حرم کی پاسبانی کے لیے
 نیل کے ساحل سے لے کر تاجِ خال کا شفر
 جو کرے گا امتیازِ رنگ و خون مٹ جائے گا
 ترکِ حشر کا ہی ہو یا عسرا بی والا لہر
 نسلِ ارسلم کی مذہب پر مقدم ہو لہتی
 اڑکیا دنیا سے تو مانسہ خال رہ گزر
 تاحنِ لاف کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
 لاکھیں سے ٹھونڈ کر اسلاف کا قلبِ جگر
 اے کہ شناسی خفی را از جلی شیار باش
 اے گرفتار ابو بکرؓ و علیؓ شیار باش
 عشق کو سرِ یاد لازم تھی سو وہ بھی ہو چکی
 اب ذرا دل تھام کر سرِ یاد کی تاثیر دیکھ

تُو نے دیکھا سٹو سٹ رفتار دریا کا عروج
 موج مضطرب کس طرح بنتی ہے اب نہجیر دیکھ
 عام حضرتیت کا جو دیکھا تھا خواب اسلام نے
 اے سماں آج تُو اس خواب کی تعبیر دیکھ
 اپنی حق کستر سمندر کو ہے سامان وجود
 مر کے پھر ہوتا ہے پیدا یہ جہان پیر دیکھ
 کھول کر آنکھیں مے آتینہ لفٹار میں
 آنے والے دور کی دھندلی سی ال تصویر دیکھ
 از مودہ فستند ہے ال اور بھی لرزوں کے پاس
 سامنے تفتدیر کے رسوائی تدبیر دیکھ
 سلم استی سینہ را از آرزو آباد وار
 ہر زمان پیش نظر لای خلف المیعاد وار



طلوع اسلام

دلیل صبح روشن ہے ستاروں کی تنک تابی
 افق سے آفتاب ابھرا، کیا دور گراں خوابی
 عسروں مرقہ مشرق میں خونِ زندگی وڑا
 سمجھ سکتے نہیں اس از کو سینا و منارابی
 سماں کو سماں کر دیا طوفانِ مغرب نے
 تلاطم ہاتے دریا ہی سے ہے کوہِ سیرابی
 عطا مومن کو پھر درگاہِ حق سے ہونے والا ہے
 شکوہ ترکِ سانی، نوہنِ ہندی، نطقِ عربی
 اثر کچھ خواب کا غنچوں میں باقی ہے تو اے دلیل!
 ”نوارِ تلخ ترمی زن چو ذوقِ نغمہ لم یابی“
 تڑپِ صحنِ چمن میں، اشیاں میں شاخساروں میں
 جدا پائے سے ہو سکتی نہیں تفتِ یرِ سیمابی

وہ چشم پاک ہیں کیوں زینت برستواں دیکھے
 نظر آتی ہے جس کو مرد عسائی کی جلد تابی
 خمیر لالہ میں روشن چراغِ آرزو لکڑے
 چمن کے ڈرے ڈرے کو شہیدِ جستجو لکڑے
 سر شامِ چشمِ سلم میں ہے نیاں کا اتر پیدا
 خلیل اللہ کے دریا میں ہوں کے پھر لہر پیدا
 کتابِ ملت بیضا کی پھر شیرازہ ہندی ہے
 یہ شاخِ ہاشمی کرنے کو ہے پھر برب و بر پیدا
 ربوہ اس ترک شیرازی دل تبریز و کابل را
 صبا لرتی ہے بوئے گل سے اپنا ہم نر پیدا
 اگر عثمانیوں پر لوہہ عنم ٹوٹا تو کیا عنم ہے
 کہ خونِ صمد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا
 جہاں بانی سے ہے دشوار تر کار جہاں بینی
 جگر خوں ہو تو چشمِ دل میں ہوتی ہے نظر پیدا

ہزاروں سال زکس اپنی بے نورمی پڑتی ہے
 بڑی شکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ و پر پیدا
 نوایر اچھے بیل کہ ہوتیرے ترقم سے
 کہو ترکے تن نازک میں شاہیں کا جگر پیدا
 ترے سینے میں ہے پوشیدہ راز زندگی لہرے
 مسلمان سے حدیث سوز و ساز زندگی لہرے
 خدائے لم یزل کا دست قدرت تُو، زباں تُو ہے
 یقین پیدا کر اے غافل کہ مغلوب کُماں تُو ہے
 پرے ہے چرخ نیلی فام سے منزل مسلمان کی
 ستارے جس کی لہر راہ ہوں، وہ کارواں تُو ہے
 مکان فانی، مہکیں آبی، ازل تیرا، ابد تیرا
 خدا کا احسن پیغام ہے تُو، جاوداں تُو ہے
 حنا بند عروس لالہ ہے خون جگر تیرا
 ترمی نسبت براہِ سی می ہے معارفِ ہاں تُو ہے

تری فطرت میں ہے ممکناتِ زندگانی کی
 جہاں کے جو ہر منہ کا گویا امتحاں تو ہے
 جہاں اب کل سے عالمِ جاوید کی خاطر
 نبوتِ ساتھ جس کو لے لیتی وہ امتحاں تو ہے
 نیکی سے کرشتِ ملتِ بیضا سے پیدا
 کہ اقوامِ زمین ایشیا کا پاسباں تو ہے
 سبقِ پھر پڑھ صداقت کا، عدالت کا، شجاعت کا
 لیا جاتے گا تجھ سے کامِ دنیا کی امامت کا

یہی مقصودِ فطرت ہے، یہی رمزِ مسلمانی
 اخوت کی جہاں لیری، محبت کی فراوانی
 بتانِ رنگ و خوں کو توڑ کر ملت میں کلم ہو جا
 نہ تورانی رہے باقی، نہ ایرانی نہ افغانی
 میانِ شاخسارانِ صحبتِ مرغِ چین لب تلم
 ترے بازو میں ہے پروازِ شاہینِ قہستانی

لکھن آباد ہستی میں یہ تیں مرد سداں کا
 بیاباں کی شب تاریک میں قندیل بہانی
 بٹایا قصہ سر و کسری کے استبداد کو جس نے
 وہ کیا تھا، زور حیدر، فقر نوؤں، صدق سلمان
 ہوئے اصرار ملت جاوہ پیا کس تختل سے
 تماشا کی شکاف در سے ہیں صدیوں کے زندانی
 ثابت زندگی ایمان کلم سے ہے دنیا میں
 کہ المانی سے بھی پائندہ تر نکلا ہے توراتی
 جب اس انکارہ خالی میں ہوتا ہے یقین پیدا
 تو کر لیتا ہے یہ بال و پر روح الامیں پیدا
 غلامی میں نہ کام آتی ہیں ششیریں نہ تدبیریں
 جو ہو ذوق ہستی پیدا تو لٹ جاتی ہیں زنجیریں
 کوئی اندازہ کر سکتا ہے اس کے زور بازو کا
 نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

ولایت، پادشاہی، علم، اشیا کی جہاں گیری
 یہ سب کیا ہیں، فقط ال کھت تریماں کی تفسیریں
 براہی ہی نظر سپدا لمر شکل سے ہوتی ہے
 ہوس چھپ چھپ کے سینوں میں بنا لیتی ہے تصویریں
 تیز بندہ و افتا فساد اوستی سے
 حذر اے چیرہستان! سخت ہیں فطرت کی تعزیریں
 حقیقت ایک ہے مرثے کی، حن کی ہولہ نور می ہو
 لہو خورشید کا شپکے ارفزے کا دل چسپیں
 یقین کم، عمل پیہم، محبت فاتح عالم
 جہاد زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں
 چہ باید مرد را طبع بلندے، مشرب نابے
 دل کرے، نگاہ پاک بینے، جان بیتابے
 عجبانی شان سے جھپٹے تھے جو بے بال و پر نکلے
 ستارے شام کے خون شفق میں ڈوب کر نکلے

۳۰۲

بانگ درا

۲۸۶

ہوتے مدفون دریا زیر دریا تیسرے والے
 طمانچے موج کے کھاتے تھے جو بن کر لہر نکلے
 غبارِ رہ لہر ہیں، کہیں پارِ ناز تھا جن کو
 جبینِ خال پر رکھتے تھے جو، اسیرِ نکلے
 ہمارا نرم رُفتِ صدفِ پیامِ زندگی لایا
 خبر دیتی تھیں جن کو بجلیاں وہ بے خبر نکلے
 حرمِ رسوا ہوا پیرِ حرم کی لم نکا پی سے
 جوانانِ تار کی کسوتِ در صاحبِ نظر نکلے
 زمیں سے نوریانِ آسمان پرواز کرتے تھے
 یہ خالی زندہ تر، پائندہ تر، تابندہ تر نکلے
 جہاں میں اہلِ ایمان صورتِ خورشید جیتے ہیں
 ادھر ڈوبے ادھر نکلے، ادھر ڈوبے ادھر نکلے

یقینِ انرا دکا سیرِ تعمیرِ ملت ہے
 یہی قوت ہے جو صورتِ گرفتِ ملت ہے

تُو رازِ کن فکاں ہے اپنی آنکھوں پر عیاں ہو جا
 خودی کا رازِ واں ہو جا، حسد کا ترجمان ہو جا
 ہوس نے کر دیا ہے ٹکڑے ٹکڑے نوعِ انسان کو
 اُخوت کا بیاں ہو جا، محبت کی زباں ہو جا
 یہ پند ہی وہ شہرِ اسانی، یہ افغانی، وہ تُو رانی
 تُو اے شہرِ مندہ ساحل! اُچھل کر بے لراں ہو جا
 غبارِ الووہ رنگِ فنسب ہیں بال و تریسے
 تُو اے مرغِ حرم! اُڑنے سے پہلے پریشان ہو جا
 خودی میں ڈوب جا غافل! یہ سترِ زندگانی ہے
 نکل کر حلفتِ شام و سحر سے جاوداں ہو جا
 مصحفِ زندگی میں سیرتِ فولا پید کر
 شبستانِ محبت میں حیر پر نیاں ہو جا
 گزر جا بن کے سیلِ شند و کوہِ بیاں کے
 گھمستاں راہ میں آئے تو جوئےِ نغمہ خواں ہو جا

ترے علم و محبت کی نہیں ہے آہ کوا کوئی
نہیں ہے تجھ سے بڑھ کر ساز فطرت میں نوا کوئی

ابھی تک آدمی سید زبون شہر یاری ہے
قیامت ہے کہ انسان نوع انسان کا شکار ہے
نظر کو خیرہ کرتی ہے چمک تہذیب حاضر کی
یہ ستاعی مگر جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری ہے
وہ حکمت ناز تھا جس پر خرد مند ان مغرب کو
پوس کے پنجہ خونیں میں تیغ کار زاری ہے
تدبیر کی فنون کاری سے محکم نہیں سکتا
جہاں میں جس تمدن کی بنا سڑیہ دار ہے
عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خالی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ تاری ہے
خروشِ اموزِ بیل ہو، بکرہ غنچے کی والرو ہے
کہ تو اس گلستاں کے واسطے بادِ بہار ہے

پھر اٹھی ایشیا کے دل سے چنکاری محبت کی
 زمیں جولاں کہ اسلس قبایق تار می ہے
 بیابان سردارست جان ناتوانے را
 "پس از مدت گذار افتاد بر ما کاروانے را"
 بیاساقی نوالے مرغزار از شاخسار آمد
 بہار آمد نگار آمد، نگار آمد و تر آمد
 کشید ابر بہار نمی خیمہ اندر وادی صحرا
 صدائے آتش راں از منہ از کوہسار آمد
 سرست گردم تو ہم قانون پیش ساز وہ ساقی
 کہ خیل نعیمہ پروازاں قطار اندر قطار آمد
 کنار از زاہد اں بر کسب و بے باکانہ ساعش
 پس از مدت ازین شاخ لہن بانہ بہار آمد
 بہشتا قان حدیث خجستہ بدروہین اور
 تصرف ہے پنہانش بحشم لشکار آمد

دگر شاخِ خلیل از خونِ مانم ناک می کرد
 بزار محبت نقدِ ماکل عیار آمد
 سرِ خالِ شہید بے برلِ ہائے لالہ می پاشم
 کہ ز خوش بانہ سال ملت با سازگار آمد
 ”بیاتاکل بنفشہ نسیم و دریا غراند ازیم
 فلک استقف بشکاف نسیم و طرح و میراند ازیم“



[illegible]

۳۰۸
بانگِ ورا
۲۹۲

عزلیات



اے باوصہ سببا! کہلی وائے سے جا کہیو پیغام مرا
قبضے سے اُمت بیچاری کے دیں بھی کیا، دنیا بھی لٹی
یہ موج پریشاں خاطر کو پیغام لب ساحل نے دیا
ہے دور وصال بھرا بھی، تُو دریا میں کھسبرا بھی لٹی!
عزت ہے محبت کی قائم اے قیس! حجابِ محل سے
محل جو کیا عزت بھی گئی، غیرت بھی لٹی، لیدا بھی لٹی
کی ترک تک دو قطرے نے تو آبروئے گوہر بھی ملی
اوار کی فطرت بھی لٹی اور شکش دریا بھی لٹی

نکلی تو لب اقبال سے ہے کیا جانے کس کی ہے یہ صدا
پیغام سکوں پہنچا بھی گئی، دل محفل کا تڑپا بھی گئی



یہ سرد قمری بوسل فریب خوش ہے
تیرے پیمانوں کا ہے یہ اے مے مغرب اثر
باطن ہنگامہ آباد چمن خاموش ہے
خند و زن ساقی ہے ساری انجمن کے خوش ہے
دہر کے غم خانے میں تیرا پتا ملتا نہیں
جرم تھا کیا آفرینش بھی کہ تو روپوش ہے
اے دنیا دل سمجھتی ہے جسے وہ دل نہیں
پہلوئے انساں میں ال ہنگامہ خاموش ہے
زندگی کی رہ میں چل لکین فریبچہ بچ کے چل
یہ سمجھ لے کوئی مینا خانہ بار و خوش ہے

جس کے دم سے دلی لاہور ہم پہلو ہوتے
اے اے اقبال! وہ بوسل بھی خاموش ہے



نالہ ہے بوسل شوریدہ ترا خام بھی
پنختہ ہوتی ہے المصلحت اندیش عقل
اپنے سینے میں اسے اور رات خام بھی
عشق ہو مصلحت اندیش تو ہے خام بھی
بے خطر کو دڑا آتش نمرود میں عشق
عقل ہے محتما شائے لب بام بھی

عشق فرمودہ قاصد سے سبک کا عمل
 شیوہ عشق ہے آزادی و دہرا شوبی
 عذریہ پر پیر کیست ہے جو کر ساقی
 سعی سیم ہے تراژوئے کم و کیف حیات
 ابرغیاں یہ تنگ بخشی شبنم کب تک
 باوہ کردان مجسمہ عربی میری شراب
 عقل سمجھی ہی نہیں سنی پیغام بھی
 تو ہے تار می بست خانہ ایام بھی
 ہے ترے دل میں ہی کاوشِ انجام بھی
 تیری میزراں ہے شمارِ شام بھی
 مرے نسا کے لالے ہیں تھی جام بھی
 مرے سانغ سے جھکتے ہیں مے اشام بھی

خبر اقبال کی لائی ہے گلستاں سے نسیم
 نو گرفتار پھر کت ہے تیر دام ابھی



پر وہ چہرے سے اٹھا، انجمن آرائی کر
 توجو بجلی ہے تو یہ چشم پہاں کتب
 نفسِ قمر کی تاثیر ہے عجب از حیات
 کب تک طور پہ در نوزہ لری مثلِ کلیم
 ہو تری خال کے ہر ترے سے تعمیرِ حرم
 چشم مہر و مہ و انجم کو تماشا سانی کر
 بے حجابانہ مرے دل سے شناسانی کر
 تیرے سینے میں اگر ہے تو مسیحائی کر
 اپنی ہستی سے عیاں شعاعِ سینائی کر
 دل کو بیگکانہ اندازِ کلیسانی کر

۳۱۱
 بانگ درا
 ۲۹۵

اس گلستاں میں نہیں حد سے گزرنا چھا ناز بھی کر تو بہ اندازہ رعنائی کر
پہلے خود دار تو مانندِ سگند ہو لے پھر جہاں میں ہو س شکست دار اتنی کر

مل ہی جائے کی بھی منزلِ لیلیٰ اقبال
کوئی دن اور ابھی باویہ پستانی کر



پھر بادِ بہار آئی، اقبال غزل خواں ہو غنچہ ہے اگر گل ہو گل ہے تو گلستاں ہو
تو خال کی مٹھی ہے اجڑا کی حرارت سے برہم ہو پریشان ہو، وسعت میں بیاباں ہو
تو جنسِ محبت ہے قیمت ہے لڑائی تیری کم مایہ ہیں سو کڑاؤں میں اس میں ازان ہو
کیوں ساز کے پردے میں مستور ہو لے تیری تو نغمہ زنجیں سے گھر کوشِ غیبیان ہو
اے ہر وقت نراندہ راستے میں اگر تیرے گلشن ہے تو شبِ نیم ہو صحرا ہے تو طوفان ہو

ساماں کی محبت میں ضم ہے تن آسانی
مقصد ہے اگر منزلِ غارت لہرِ ساماں ہو



کبھی اے حقیقتِ غنظرِ انظر الباسِ محاذ میں کہ ہزاروں سجدے ٹپ رہے ہیں جہینِ نیاز میں

طرب آشنائے غروبِ شمس ہو، تو نوا ہے محرمِ خوش
 تو بچا بچکے نہ رکھ اسے ترا آئندہ ہے وہ آئندہ
 دمِ طوفِ کماشِ شمع نے یہ کہا کہ وہ اثرِ کفن
 نہ کہیں جہاں میں اناں ملی جو اناں ملی تو کہاں ملی
 نہ وہ عشق میں رہیں نہ میان نہ وہ حسن میں رہیں نہ خیال
 جو میں سرسبز رہا ہوا کبھی تو زمیں سے آنے لگی صدا
 ترا دل تو ہے صہنم آشنائے تجھے کیا ملے گا نماز میں

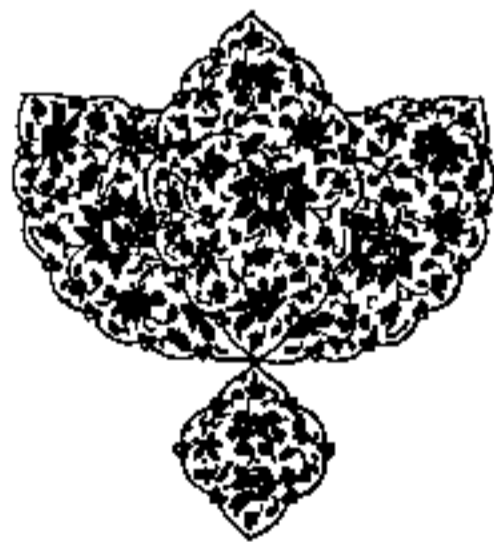


تہ دام بھی غزل آشنائے طرب آراں چن تو کیا
 ترا جلوہ کچھ بھی سبلی دلِ ناصبور نہ کر سکا
 نہ خدار ہا نہ صہنم رہے نہ قریب میر و محرم رہے
 مرا سازِ الریحہ چہم رسید زخمِ ہائے عجب ہم
 وہ شہیدِ فوق و فاعلوں میں نوا امری بلی رہی



گرچہ تو زندانی اسباب ہے قلب کو بس کن ذرا آزاد رکھ
عقل کو تنقید سے فرصت نہیں عشق پر اہمال کی بنیاد رکھ
اے سلسلاں! ہر لہری پیش نظر آیہ "لَا يُخْلِفُ الْمِيعَادُ" رکھ

یہ لسانِ معصومِ کریم ہے
"إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ" یاد رکھ



۳۱۴

بانگ درا

۲۹۸

ظلمت

مشرق میں اصول دین بن جلتے ہیں مغرب میں مکرشین بن جاتے ہیں
رہتا نہیں ایک بھی ہمارے پتلے واں ایک کے تین تین بن جاتے ہیں



لڑکیاں ٹپھ رہی ہیں انگریزی ڈھونڈ لی قوم نے فلاح کی راہ
روشن مغربی ہے مدِ نطنہ وضعِ مشرق کو جانتے ہیں گناہ
یہ ڈراما دکھائے گا کیا سین پروہ اٹھنے کی منتظر ہے نگاہ



شیخ صاحب بھی تو پروے کے کوئی حامی ہیں مفت میں کالج کے لڑکے ان سے بدظن ہو گئے
عظیم سنہ ٹو دیا کل آپ نے یہ صاف صاف ”پروہ آخر کس سے ہو جب مروہی زن ہو گئے“

یہ کوئی دن کی بات ہے مرد ہوش مند! غیرت نہ تجھ میں ہوگی نہ زن اوٹ چاہے کی
 آگ ہے اب وہ دور کہ اولاد کے عوض کونسل کی ممبری کے لیے اوٹ چاہے کی

تعلیم مغربی ہے بہت جرات فستریں پہلا سبق ہے بیٹھ کے کالج میں مار ڈینک
 بستے ہیں ہند میں جو خیبر اتر ہی فقط آغا بھی لے کے آتے ہیں اپنے وطن سے چینک
 میرا یہ حال، بوٹ لی ٹو چاٹتا ہوں میں اُن کا یہ حکم، دیکھ! مرے فرش پر نہ رینک
 کہنے لگے کہ اونٹ ہے بھڑاسا جانور اچھی ہے گلے رکھتی ہے کیا نول واریں

کچھ غم نہیں جو حضرت اعظم ہیں تنگ دست تہذیب نو کے سامنے سر اپنا حتم کم ہیں
 رو بہ ساد میں تو بہت کچھ لکھا لیا ترویج حج میں کوئی رسالہ مست کم ہیں

تہذیب کے مرض کو گولی سے فائدہ! دفع مرض کے واسطے پل پیش کیجیے

۳۱۶
 ہانگ سے در
 ۳۰۰

تھے وہ بھی نہ کہ خدمتِ استاذ کے عوض دل چاہتا تھا وہ یہ دل پیش کیجے

بدلانہ زمانہ ایسا کہ لڑکا پس از سبق
کھتا ہے ماسٹر سے کہ دل پیش کیجئے



انتہا بھی اس کی ہے آخر خریدیں کیت بٹک
چھتریاں، رومال، منظر، پیرچہن جاپان سے
اپنی غفلت کی یہی حالت اوستا تم پر
ایسے کے غسال قابل کے لفظن جاپان سے



ہم مشرق کے سکینوں کا دل مغرب میں جا چکا ہے
اس فور میں سب مٹ جائیں ہاں باقی وہ رہ جائے گا
ایشیخ و برہمن سنتے ہو کیا اہل بصیرت کہتے ہیں
والنشر تبعمری ہیں یاں ایک پرانا مشکا ہے
جو قائم اپنی راہ ہے اور پکا اپنی نہٹ کا ہے
گروں کے کتنی بلندی کے قوموں کو دے چکا ہے

یا امام پیار کے جلسے تھے دستورِ محبت قائم تھا

یا بحث میں اردو ہندی سے بیا قرمانی یا مشکا ہے



”اھل شہود شاہد و مشہود ایک ہے“ غالب کا قول سچ ہے تو پھر ذکرِ غیر کیا

کیوں اے جناب شیخ! سنا آپ نے بھی کچھ
کہتے تھے کعبے الوں سے کل اہل دیر کیا
ہم پوچھتے ہیں مسلم عاشق مزاج سے
اُلفت بتوں سے ہے تو برہمن سے سیر کیا

ہاتھوں سے اپنے دہن دُنیا نکل گیا
قانونِ وقف کے لیے لڑتے تھے شیخ جی
رخصت ہوا دلوں سے خیالِ معاد بھی
پوچھو تو وقف کے لیے ہے جاتا دھبی!

وہ سن لی ارادہ خود کشی کا جب کیا میں نے
نہ جرات نہ خیر ہے تو قصہ خود کشی کیا
مہذب تھے تو اے عاشق! قدم باہر دھر سے
یہ مانا درونا کامی کیا تیرا لڑجد سے
کہا میں نے کہ اے جانِ جہاں کچھ نقد و لواؤ
کراتے پر منگالوں کا کوئی افغان سر سے

ناواں تھے اس قدر کہ نہ جانی عرب کی قدر
مغرب میں ہے جہازِ سیا باں شتر کا نام
حاصل ہوا یہی نہ بچے مار پیٹ سے
شکر کوں نے کام کچھ نہ لیا اس فلیٹ سے

ہندوستان میں خبرِ حکومت ہیں کنسلید
آغاز ہے ہمارے سیاسی سال کا

ہم تو فقیر تھے ہی ہمارا تو کام تھا
سیکھیں سنیقہ اس امر بھی سوال کا



ممبری اسپیرٹل کنسل کی کچھ شکل نہیں
وٹ تو مل جائیں گے پیسے بھی لو آئیں گے کیا؟
میرا خائب خدا بخشے، سجا فرمائے
”ہم نے یہ مالہ ولی میں ہیں کھائیں گے کیا“



دلیل مہر و فاسک بڑھ کے کیا ہوگی
نہ چھوڑے اُلفت تو یہ ستم نہ سہیں
نہ صرے حلقہ کمپٹی میں کچھ کہیں ہم بھی
مگر رضائے ظلمت کو بھانپ لیں تو کہیں
سند تو لیجئے لڑکوں کے کام آتے گی
وہ مہربان ہیں اب پھر ہیں نہیں رہیں
زمین پر تو نہیں ہندویوں کو جا ملتی
مگر جہاں میں ہیں خالی سمندروں کی تہیں

مشاکشتی بے حس طبع فرماں ہیں

کہو تو بستیہ سال ہیں کہو تو بہیں



فرما ہے تھے شیخ طریق عمل یہ وعظ
کفار ہند کے ہیں تجارت میں سخت کوشش
مشرک ہیں جو کہتے ہیں شرک سے لین دین
لیکن ہماری قوم ہے محروم تسل و ہوش

ناپاک چیز ہوتی ہے کافر کے ہاتھ کی
 سن لے کر ہے کوشش مسلمان کا حق نبوش
 اک باوہ کش بھی وعظ کی محفل میں تھا شریک
 جس کے لیے نصیحت اعطی تھی بار کوش
 کہنے لگا ستم ہے کہ ایسے قیود کی
 پابند ہو تجارت سامان خورد و نوش
 میں نے کہا کہ آپ کو مشکل نہیں کوئی
 ہندوستان میں ہیں علم کو بھی سے فروش

دیکھیے چلتی ہے مشرق کی تجارت کتب
 شیشہ ویں کے عوض جام و سبوتیتا ہے
 ہے مداوائے جنوں شہر تعلیم جدید
 میرا سر جن رل ملت سے لہو لیتا ہے

گائے اک زور ہوئی اونٹ سے یوں کہ سخن
 نہیں اک حال یہ دنیا میں کسی شے کو قرار
 میں تو بدنام ہوئی توڑ کے رسی اپنی
 سنتی ہوں اپنے بھی توڑ کے رکھ دی ہے مہا
 ہند میں آپ تو از روئے سیاست میں اہم
 ریل چلنے سے مکر و دشت عرب میں سیکا
 کل ملک آپ کو تھا گائے کی محفل سے حذر
 تھی لٹکتے ہوئے ہونٹوں پہ چھلاتے زہا
 آج یہ کیا ہے کہ ہم پر ہے عنایت اتنی
 نہ رہا آئندہ دل میں وہ دیرینہ غبا

جب تیرے رُسنی اونٹنے شرب کے کہا
 رشک صد غمزه اشتر ہے تیری ایک کلیل
 ترے ہنگاموں کی تاثیر پھیلی بن میں
 ایک ہی بن میں ہے مدت سے سیر اپنا
 کہ سفند و شتر و کاو و پند و خرنند
 باغبان ہوسبق آموز جو لیرنگی کا
 دے ہی جام ہمیں بھی کہ مناسب ہے یہی
 ہے تیرے چاہنے والوں میں ہمارا بھی شہما
 ہم تو ہیں ایسی کلیوں کے پرانے سیا
 بے بانوں میں بھی پیدا ہے اق کفزار
 کچھ کچھ پاس نہیں چارابھی کھاتے ہیں اوصا
 ایک ہی رنگ میں نکھیں تو ہے اپنا وقا
 ہمزباں سو کے رہیں کیوں نہ طیور گلزار
 تو بھی شہر ہو تیرے رُفقا بھی شہر

”دلوق حافظ کچھ ارزو بہ شیش رنگیں کن
 وانگش مست و خراب از رہ بازار سیا“



رات پھرنے کہہ یا مجھ سے
 مجھ کو دیتے ہیں ایک نونہلو
 جبر اپنی ناتسامی کا
 صدمہ شب بھر کی تشنہ کامی کا

اور یہ بسوہ دار نے رحمت
 پی کیا سب لہو اسامی کا

یہ آئیہ نوجہیل سے نازل ہوئی مجھ پر
 لیتا میں ہے قرآن تو قرآن میں کیستا
 کیا خوب ہوئی اشتی شیخ و برہمن
 اس جنک میں آخر نہ یہ ہار نہ چہیستا

مندر سے تو بیزار تھا پہلے ہی سے بدری
 مسجد نے نکلتا نہیں ضدی ہے سیستا

جان جائے ہاتھ سے جائے نہ رست
 ہے یہی اک بات ہر مذہب کا شت
 چٹے ایک ہی تھیل کے ہیں
 سانپو کا رمی بسوہ داری، سلطنت

محنت و ستر یہ دنیا میں صفا آہو کئے
 دیکھے ہوتا ہے کس کس کی تباہوں کا خون
 حکمت و تدبیر سے فیتہ آشوب خیز
 نل نہیں جتا و قد لست شتم یہ شمعون
 کھل گئے یا جوج اور ماجوج کے لشکر تمام
 چشم مسلم دیکھ لے تفسیر حرف نیسلون

شام کی سرحد رخصت ہے وہ زندلم نزل
 رکھ کے میخانے کے قاعدے بالائے ق

یہ اگر سچ ہے تو ہے کس درجہ عبرت کا مقام
 زنگ الہی میں لگ جاتا ہے یہ نیلی واق
 حضرت لڑن کو اب نہ مڑاوا ہے ضرور
 حکم بڑا ہی کے معنے میں ہے بولا الطاق
 وفد ہندستان سے کرتے ہیں سرِ آغا خان طلب
 کیا یہ چورن ہے پے ہضم فلسطین عراق؟



تکرات تھی مزارع و مالک میں ایک روز
 دونوں یہ کہہ رہے تھے مرا مال ہے میں
 کہتا تھا وہ کہ جو زراعت اسی کا طہیت
 کہتا تھا یہ کہ عقل ٹھکانے تری نہیں
 پوچھا میں سے میں نے کہ ہے کس کا مال تو
 بولی مجھے تو ہے فقط اس بات کا یقین
 مالک ہے یا مزارع شوریدہ حال ہے
 جو زیرِ آسمان ہے وہ دھرتی کا مال ہے



اٹھا کر پھینک دو باہر گلی میں
 نئی تہذیب کے انڈے ہیں سے
 انکشن مہربانی، کنسل، صدارت
 بنائے خوب ازاد می نے پھینکے
 میاں بخار بھی پیلے گئے ساتھ
 نہایت تیز ہیں یورپ کے رندے

کارخانے کا ہے مالک مَرَدِ ناکارہ کا
عیش کا پتہ ہے محنت ہے اسے ساز کا
حکیم حق ہے نہیں لَدائِ سَانِ اِلَا مَاسَعٰی
کھلتے کیوں مزدور کی محنت کا چل سڑیہ

سنا ہے میں نے کل لفت کو تھی کارخانے میں
پرانے جھونپڑوں میں ہے ٹھکانا دست کاروں کا
مگر کرنے کیا خوب نسل لان ہوا
کوئی اس شہر میں کب نہ تھا سڑیہ داروں کا

مسجد بنادی شہبے میں سماں کی حرارت اٹھانے
من اپنا پرانا پاپی ہے برسوں میں مازی بن سکا
کیا خوب نصیر میل کو سنو سی نے پیغام دیا
تو نام اوس کا ججاری ہے پر دل کا ججاری بن سکا
ترا نکھیں تو جاتی ہیں پر کیا لذت اس نے
جب جن جگر کی امیرش کے شک پیازی بن سکا

اقبال بڑا پیشک ہے من باتوں میں موہ لیتا ہے
گفتار کا عین مازی تو بنا کر دار کا عین مازی بن سکا



بالِ جبریل

اقبال

۳۲۵
بالِ جبریل

بال جبریل
نفس منیر

اَللّٰهُمَّ اَخْرِشْهُ لِمَا بَيْنَ سَفَرٍ تَارِزٍ كَرِيْمٍ
نَفْسٍ كَوْخَةٍ شَامٍ رَسْمٍ تَارِزٍ كَرِيْمٍ

انبار

۳۲۶
بال جبریل

۲

اُٹھ کہ خورشید کا سامانِ سخن تازہ کریں
نفسِ نخستہ شام و سخن تازہ کریں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۱

مری نور سے شوق سے شورِ حریمِ ذات میں !

منزلِ اے الاماں بستکہ صفاست میں !

حورِ درشتہ میں اسیرِ سرِ تقدیر میں

مری نگاہ سے غلِ تبری بقیات میں !

گرچہ ہے میری جستجو دیرِ حریم کی نقشبند

مری فغاں سے سنجیدہ کور و سونات میں !

گاہ مری نگاہ تیز چیر گئی دلِ وجود

گاہ الجھنے لگی سے تو بھات میں !

تو نہ یہ کیا غضب کیا ! محبِ بھی شکر کردیا

میں ہی تو ایک رازِ حاسیہ مانا میں !

۳۲۸

بالِ جبریل

۲

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست

غزلیات (حصہ اول)

- | | | |
|--------|---|--|
| ۳۲۵/۲۱ | ۱ | میری نوائے شوق سے شورِ حریمِ ذات میں |
| ۳۲۶/۲۲ | ۲ | الرجزِ زوہیں اُجسم، آسماں تیرا ہے یا میرا؟ |
| ۳۲۷/۲۳ | ۳ | گیسوئے تابدار کو اور بھی تابدار کر |
| ۳۲۸/۲۴ | ۴ | اثر کرے نہ کرے، حسن تو لے مری فریاد |
| ۳۲۹/۲۵ | ۵ | کیسا عشق ایک زندگی ستعار کا |
| ۳۵۰/۲۶ | ۶ | پریشاں ہو کے میری خاکِ اخروں نہ بن جائے |
| ۳۵۰/۲۶ | ۷ | دلگروں سے جہاں تاروں کی کرشمہ تیز ہے ساقی |
| ۳۵۱/۲۷ | ۸ | لا پھر اک بار وہی باوہ و جام لے ساقی! |

۳۵۲/۲۸ ۹ مٹا دیا میرے ساتی نے عالم سن تو

۳۵۲/۲۸ ۱۰ ستارے بے بسا ہے درد و سوزِ آرزو مندی

۳۵۳/۲۹ ۱۱ تجھے یاد کیا نہیں ہے میرے دل کا وہ زمانہ

۳۵۴/۳۰ ۱۲ خمیہ لالہ سے محفل سے ہوا لب لیز

۳۵۴/۳۰ ۱۳ وہی سیر کی کمنیسی، وہی تیری بے نیازی

۳۵۵/۳۱ ۱۴ اپنی جولاں گاہ زیرِ آسماں سمجھا تھا میں

۳۵۶/۳۲ ۱۵ اک دانش نورانی، اک دانشِ بزمانی

۳۵۶/۳۲ ۱۶ یارب! یہ جہانِ کزراں خوب ہے لیکن

غزلیات (حصہ دوم)

۳۵۹/۳۵ ۱ سہا سکتا نہیں ہیں تے فطرت میں مرا سودا

۳۶۳/۳۹ ۲ یہ کون غزل خواں ہے پر سوز و شادانِ گیز

۳۶۴/۴۰ ۳ وہ حرفِ راز کہ مجھ کو سکھا لیا ہے جنوں

۳۶۵/۴۱ ۴ عالمِ آب و خال و باد، سترِ عیاں ہے تو کہ میں

۳۶۵/۴۱ ۵ تو ابھی رہ کزریں ہے، قیدِ مستام سے کز

۳۳۰
بالِ جبریل

- ۶ امین راز ہے مردانِ حشر کی درویشی ۳۶۶/۴۲
- ۷ پھر چراغِ لالہ سے روشن ہوئے کوہِ وومن ۳۶۷/۴۳
- ۸ مسلمان کے لہو میں ہے سیدھے دل نوازی کا ۳۶۸/۴۴
- ۹ عشق سے پیدا ہوا ہے زندگی میں زیرِ دم ۳۶۸/۴۴
- ۱۰ دل سوز سے خالی ہے، نگہِ پاک نہیں ہے ۳۶۹/۴۵
- ۱۱ ہزار خوف ہو لیکن زباں جو دل کی رنیت ۳۶۹/۴۵
- ۱۲ پوچھ اس سے کہ مقبول ہے فطرت کی گواہی ۳۷۰/۴۶
- ۱۳ یہ حوریانِ مندرنگی، دلِ نطنبر کا حجاب ۳۷۱/۴۷
- ۱۴ دل بیدار و روتی، دل بیدار کڑی ۳۷۱/۴۷
- ۱۵ خودی کی شوخی شہدِ دی میں کب فنا نہیں ۳۷۲/۴۸
- ۱۶ میرِ سپاہِ ناز، لشکریاں شکستہ صف ۳۷۳/۴۹
- ۱۷ زیستانی ہوا میں گرچہ تھی شیر کی تیزی ۳۷۳/۴۹
- ۱۸ یہ دیر کھن کیا ہے؟ انبارِ خس و خاشاک ۳۷۴/۵۰
- ۱۹ کمالِ ترک نہیں اسبِ گل سے مجھوری ۳۷۵/۵۱

۳۷۵/۵۱	۲۰	عمتل کو آستان سے دُور نہیں
۳۷۶/۵۲	۲۱	خودی وہ سر ہے جس کا کوئی کنارہ نہیں
۳۷۷/۵۳	۲۲	یہ پیام دے کئی ہے مجھے بادِ صبح کا ہی
۳۷۷/۵۳	۲۳	تری نگاہِ منور مایہ، ہاتھ ہے کوتاہ
۳۷۸/۵۴	۲۴	خرد کے پاس خبر کے سوا کچھ اور نہیں
۳۷۹/۵۵	۲۵	نگاہِ فہم میں شانِ سکندر می کیا ہے
۳۷۹/۵۵	۲۶	نہ تو زمیں کے لیے ہے نہ آسماں کے لیے
۳۸۰/۵۶	۲۷	تو اے اسیرِ مہکاں! لامکاں سے دُور نہیں
۳۸۱/۵۷	۲۸	حسرت نے مجھ کو عطا کی نظرِ حکیمانہ
۳۸۱/۵۷	۲۹	انلاک سے آتا ہے نالوں کا جوابِ آخر
۳۸۲/۵۸	۳۰	ہر شے مسافر، ہر چیز راہی
۳۸۳/۵۹	۳۱	ہر چیز ہے مجھِ خودِ نسانی
۳۸۳/۵۹	۳۲	عجیب ہے کسی کا یا گردشِ زمانہ
۳۸۴/۶۰	۳۳	خرد مندوں سے کیا پوچھوں کہ میری ابتدا کیا ہے

۳۸۵/۴۱	۳۴	جب عشق سکھاتا ہے آداب خود آکاہی
۳۸۶/۴۲	۳۵	مجھے آہ و فغانِ نیم شب کا پھر پیام آیا
۳۸۶/۴۲	۳۶	نہ جو طغیانِ شتاقی تو میں رہتا نہیں باقی
۳۸۷/۴۳	۳۷	فطرت کو حسد کے زور پر و کر
۳۸۸/۴۴	۳۸	یہ سپہ سالارِ کلیسا و حرم اے واے مجبوری
۳۸۹/۴۵	۳۹	تازہ پھر و نیشِ حاضر نے کیا سحرِ قدیم
۳۸۹/۴۵	۴۰	ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں
۳۹۰/۴۶	۴۱	ڈھونڈ رہا ہے فرنگِ عیشِ جہاں کا دوام
۳۹۱/۴۷	۴۲	خودی جو علم سے محکم تو غیرتِ جبریل
۳۹۲/۴۸	۴۳	مکتبوں میں کہیں رعنائی افکار بھی ہے؟
۳۹۲/۴۸	۴۴	سادتہ وہ جو ابھی پرۂ افلاک میں ہے
۳۹۳/۴۹	۴۵	رہا نہ حلفتِ صوفی میں سوزِ شتاقی
۳۹۳/۴۹	۴۶	جوانہ زور سے اس کے کوئی کرباں چاک
۳۹۴/۵۰	۴۷	یوں ہاتھ نہیں آتا وہ کوہِ پریشان



۳۳۳۳
بال جبریل
۱۰

۳۹۵/۷۱	۴۸	نہ تخت و تاج میں نے شکر و سپاہ میں ہے
۳۹۵/۷۱	۴۹	فطرت نے نہ بخشا مجھے اندیشہ چالاک
۳۹۶/۷۲	۵۰	کریں گے اہل نطنہ تازہ بستیاں آباد
۳۹۶/۷۲	۵۱	کی حق سے فرشتوں نے اقبال کی غمازی
۳۹۷/۷۳	۵۲	نے مہر باقی نے مہر بازی
۳۹۷/۷۳	۵۳	کرم نماں ہے جس، اٹھ گلیہ قافلہ
۳۹۸/۷۴	۵۴	ہری نواسے چوکے زندہ عارف و عامی
۳۹۹/۷۵	۵۵	ہر اک معتمد سے آگے گزریا سہ نو
۳۹۹/۷۵	۵۶	لکھو نہ جا اس سحر و شام میں اے صاحب ہوش
۴۰۰/۷۶	۵۷	تھا جہاں مدرسہ شیریں شاہنشاہی
۴۰۱/۷۷	۵۸	ہے یاد مجھے نکتہ سلمان خوش آہنگ
۴۰۱/۷۷	۵۹	فقر کے ہیں معجزات تاج و سریر و سپاہ
۴۰۲/۷۸	۶۰	کمال جوش جنوں میں رہا میں کرم طواف
۴۰۲/۷۸	۶۱	شعور و ہوش و خرد کا معاملہ ہے عجیب

قطعہ (اندازِ بیاں کرچہ بہت شوخ نہیں ہے) ۲۰۳/۷۹

زبایات

- ۱ ترے شیشے میں مے باقی نہیں ہے ۳۳۶/۲۲
- ۲ دلوں کو مرکزِ مہر و دفن کر ۳۳۹/۲۵
- ۳ رہ و رسمِ حرمِ نامحسوس مانہ ۲۰۵/۸۱
- ۴ ظلامِ بحر میں کھو کر کسبِ جلا جا ۲۰۵/۸۱
- ۵ مکانی ہوں کہ آزادِ مسکن ہوں ۲۰۶/۸۲
- ۶ خودی کی حسرتوں میں گم رہا میں ۲۰۶/۸۲
- ۷ پریشاں کار و بارِ آشنائی ۲۰۶/۸۲
- ۸ یقینِ مشعلِ خلیلِ آتشِ شینی ۲۰۶/۸۲
- ۹ عرب کے سوز میں سازِ جسم ہے ۲۰۷/۸۳
- ۱۰ کوئی دیکھے تو میری نئے نوازی ۲۰۷/۸۳
- ۱۱ ہر اک فترے میں ہے شاید مکھیں دل ۲۰۷/۸۳

- ۱۲ ترا اندیشہ افلاکی نہیں ہے ۲۰۷/۸۳
- ۱۳ نہ مومن ہے نہ مومن کی آسیری ۲۰۸/۸۲
- ۱۴ خودی کی جستجو میں مصطفائی ۲۰۸/۸۲
- ۱۵ نگہ ابھی ہوتی ہے رنک و بو میں ۲۰۸/۸۲
- ۱۶ جمالِ عشق و سستی نئے نوازی ۲۰۸/۸۲
- ۱۷ وہ سیرا رونقِ محسنِ گل کہاں ہے ۲۰۹/۸۵
- ۱۸ سوارِ نامتہ و محسن نہیں میں ۲۰۹/۸۵
- ۱۹ ترے سینے میں دم ہے دل نہیں ہے ۲۰۹/۸۵
- ۲۰ ترا جوہر ہے نور می، پاک ہے تو ۲۰۹/۸۵
- ۲۱ محبت کا جسٹنوں باقی نہیں ہے ۲۱۰/۸۶
- ۲۲ خودی کے زور سے دنیا پہ چھا جا ۲۱۰/۸۶
- ۲۳ چمن میں رختِ گلِ شبنم سے ہے ۲۱۰/۸۶
- ۲۴ حسد سے راہِ روشن بھر ہے ۲۱۰/۸۶
- ۲۵ جوانوں کو مری آؤ سحر دے ۲۱۱/۸۷

۲۶	ترمی دُنیا جہاں مُرغ و ماہی	۲۱۱/۸۷
۲۷	کرم سیرالہ بے جوہر سیں میں	۲۱۱/۸۷
۲۸	وہی اصل مکان و لامکان ہے	۲۱۱/۸۷
۲۹	کبھی آوارہ و بے خانماں عشق	۲۱۲/۸۸
۳۰	کبھی تنہا تائی کوہ و دہن عشق	۲۱۲/۸۸
۳۱	عطا اسلاف کا جذبِ دروں فر	۲۱۲/۸۸
۳۲	یہ تہ میں نے سیکھا بوالحسن سے	۲۱۲/۸۸
۳۳	خرد واقف نہیں ہے نیک و بد سے	۲۱۳/۸۹
۳۴	خدا تائی آہستہ نام خشک و تر ہے	۲۱۳/۸۹
۳۵	یہی آدم ہے سلطانِ بحر و بر کا	۲۱۳/۸۹
۳۶	دمِ عارفِ نسیمِ صبحِ دم ہے	۲۱۳/۸۹
۳۷	رگوں میں وہ لہو باقی نہیں ہے	۲۱۴/۹۰
۳۸	کھلے جاتے ہیں اسرارِ نہانی	۲۱۴/۹۰
۳۹	زمانے کی یہ گردشِ باوانہ	۲۱۴/۹۰

۴۰	حکیمی ہمسلمانی خودی کی	۴۱۴/۰
۴۱	ترا تن روح سے نا آشنا ہے	۴۱۵/۰۱
قطعہ	اقبال نے کل اہل خیاباں کو سنایا	۴۱۵/۰۱

منظومات

۱	دعا	۴۱۷/۰۳
۲	مسجدِ شریطہ	۴۱۹/۰۵
۳	قید خانے میں معتق کی فریاد	۴۲۸/۰۲
۴	عبدالرحمن اول کا بویا ہوا کھجور کا پہلا درخت — سرزمینِ اندلس میں	۴۲۹/۰۵
۵	چسپانیہ	۴۳۰/۰۶
۶	طارق کی دعا	۴۳۲/۰۸
۷	لینن (خدا کے حضور میں)	۴۳۳/۰۹
۸	فرشتوں کا لیت	۴۳۶/۰۱۲

۳۳۸
بالِ جبریل
۱۲

۲۲۸/۱۱۴	۹ ذوق و شوق
۲۲۲/۱۱۸	۱۰ پروانہ اور جنگنو
۲۲۳/۱۱۹	۱۱ جاوید کے نام
۲۲۲/۱۲۰	۱۲ کدائی
۲۲۵/۱۲۱	۱۳ نٹلا اور بہشت
۲۲۵/۱۲۱	۱۴ دین و سیاست
۲۲۶/۱۲۲	۱۵ الارض، اللہ
۲۲۷/۱۲۳	۱۶ ایک نوجوان کے نام
۲۲۸/۱۲۴	۱۷ نصیحت
۲۲۸/۱۲۴	۱۸ لالہ صحرا
۲۵۰/۱۲۶	۱۹ ساقی نامہ
۲۵۸/۱۳۴	۲۰ زمانہ
۲۶۰/۱۳۶	۲۱ فرشتے آدم کو جنت سے رخصت کرتے ہیں

۲۲ رُوحِ ارضی آدم کا استقبال کرتی ہے

۲۶۰/۱۳۶

۲۳ پیر و مرید

۲۶۲/۱۳۸

۲۴ جبریل و ابلیس

۲۶۳/۱۳۹

۲۵ اذان

۲۶۵/۱۵۱

۲۶ محبت

۲۶۶/۱۵۲

۲۷ ستارے کا پیغام

۲۶۷/۱۵۳

۲۸ جاوید کے نام

۲۶۷/۱۵۳

۲۹ فلسفہ و مذہب

۲۶۸/۱۵۴

۳۰ یورپ کے ایک خط

۲۶۹/۱۵۵

۳۱ نیپولین کے مزار پر

۲۶۹/۱۵۵

۳۲ مسولینی

۲۸۰/۱۵۶

۳۳ سوال

۲۸۲/۱۵۸

۳۴ پنجاب کے دوہقان سے

۲۸۲/۱۵۸

۳۵ نادر شاہ افغان

۲۸۳/۱۵۹

۳۲۰
بالِ جبریل
۱۶

۳۶ خوشحال خاں کی وصیت

۲۸۲/۱۶۰

۳۷ تاتاری کا خواب

۲۸۲/۱۶۰

۳۸ حال و معتم

۲۸۶/۱۶۲

۳۹ ابوالعلا معترمی

۲۸۶/۱۶۲

۴۰ سنہار

۲۸۸/۱۶۲

۴۱ پنجاب کے پیرزادوں سے

۲۸۸/۱۶۲

۴۲ سیاست

۲۸۹/۱۶۵

۴۳ فمتر

۲۹۰/۱۶۶

۴۴ خودی

۲۹۰/۱۶۶

۴۵ جردائی

۲۹۱/۱۶۷

۴۶ خانقاہ

۲۹۱/۱۶۷

۴۷ ابلیس کی عرضداشت

۲۹۲/۱۶۸

۴۸ لہو

۲۹۳/۱۶۹

۴۹ پرواز

۲۹۳/۱۶۹

۲۹۲/۱۴۰	۵۰	شیخ مکتب سے
۲۹۲/۱۴۰	۵۱	فلسفی
۲۹۵/۱۴۱	۵۲	شاہیں
۲۹۶/۱۴۲	۵۳	بانغی مُرید
۲۹۶/۱۴۲	۵۴	ہارون کی آخری نصیحت
۲۹۶/۱۴۳	۵۵	ماہر نفسیات سے
۲۹۶/۱۴۳	۵۶	یورپ
۲۹۸/۱۴۴	۵۷	ازادی افکار
۲۹۸/۱۴۴	۵۸	شیر اور خچر
۲۹۹/۱۴۵	۵۹	چیونٹی اور عتاب
۵۰۰/۱۴۶	قطعہ	(فطرت مری مانسہ نسیم سحری ہے)
۵۰۰/۱۴۶	قطعہ	(کل اپنے مُریدوں سے کہا پیر مُغاس نے)



عزلیات

۳۳۳۳
بال جبریل
۱۹

مُچھول کی پتی سے کٹ سکتا ہے ہیرے کا جگر
مرد ناداں پر کلام نرم و نازک بے اثر
(بھرتوی ہری)

۳۳۴
بالِ جبریل
۲۰

حصہ اول



میری نوائے شوق سے شوہرِ عجم ات میں غلغلہ مائے الاماں بت کدہ صفات میں
 حور و فرشتہ ہیں اسیرِ سرِ تختِ عیلات میں میری نگاہ سے خلل تیری تجلیات میں
 کرچے میری جستجوِ دیر و حرم کی نقش بند میری فغاں سے رستخیزِ کعبہ سونات میں
 گاہ مری نگاہِ یس ز چیر کئی دل و جود گاہ اُجھکے کہلتی میرے توہمات میں
 تو نے یہ کیا غضب کیا مجھ کو بھی فاش کر دیا
 میں ہی تو ایک از مہاسینہ کائنات میں





اگر کج رو ہیں اسبم آسمان تیرا ہے یا میرا
 مجھے فکر جہان کون ہے، جہاں تیرا ہے یا میرا؟
 اگر ہنگامہ ہے شوق سے ہے لامکان خالی
 خطا کس کی ہے کیا بے لامکان تیرا ہے یا میرا؟
 اُسے صبح ازل انکار کی ضربات ہوئی کیونکر
 مجھے معلوم کیا وہ ازوان تیرا ہے یا میرا؟
 محمد بھی ترا جبریل بھی قرآن بھی تیرا
 مگر یہ حرفِ شیریں جہاں تیرا ہے یا میرا؟

اسی کو لب کی تابانی ہے تیرا جہاں روشن
 زوالِ آدمِ حن کی زیاں تیرا ہے یا میرا؟



ترے شیشے میں سے باقی نہیں ہے
 بتا، کیا تُو مرا باقی نہیں ہے
 سمندر سے ملے پیلے کو شبِ بنم
 بخیلی ہے یہ رزاقی نہیں ہے



۳۲۶
 بالِ جبریل
 ۲۲



کیسے تائب دار کو اور بھی تائب دار کر
پوش و خروش کار کا قلب و نظر شکار کر
عشق بھی ہو حجاب میں حسن بھی ہو حجاب میں
یا تو خود اشکار ہو یا مجھے اشکار کر
تو ہے محیطِ بے لہر ان میں ہوں ذرا سی آنکھ
یا مجھے ہمکنار کر یا مجھے بے کنار کر
میں ہوں صدف تو تیرے ہاتھ میرے لہری ابرو
میں ہوں خرف تو تو مجھے کو ہر شاہوار کر
نعمۂ نوبہار اگر میرے نصیب میں نہ ہو
اس و ہم سوز کو طائر لب بہار کر
باغِ بہشت سے مجھے حکم سفر دیا تھا کیوں
کارِ جہاں دراز ہے اب مرا انتظار کر

روزِ حساب جب مرا پیش ہو دستِ عمل
اپ بھی شرمسار ہو، مجھ کو بھی شرمسار کر



اثر کرے نہ کرے سن تو لے مری فریا
نہیں ہے داد کا طالب یہ بندِ آزاد
یُشتِ خال یہ صرصرِ یُسعتِ افلاک
کرم ہے یا کہ ستم تیری لذتِ ایجا
ٹھہر سکنا نہ ہو اے چمنِ خمیں سِطل
یہی ہے فصلِ بہارِ مری یہی ہے بادِ مرا
قصود از غریب الدیارِ نپوں کین
ترا حشرِ فرشتے نہ کر کے ابا
مری جفا طَلبی کو دعائیں دیتا ہے
وہ دشتِ سادہ وہ تیرا جہانِ بے بنیا
خطرِ پندِ طبیعت کو سازگار نہیں
وہ گلستانِ جہاں لکھت میں چوسِ نیا

مقامِ شوق ترے قدیموں کے بس کا نہیں
انھی کا کام ہے یہ جن کے وصلے ہیں زیا



۳۴۸
بالِ ہیریل
۲۲



کیا عشق ایک زندگی ستارہ کا کیا عشق پائدار سے ناپائدار کا
وہ عشق جس کی شمع بجھانے کی چوٹی اُس میں مزا نہیں شیش و شکر کا
میری بساط کیلئے تیرا تاب یک نفس شعلے سے بے محل ہے الجھنا شرار کا
کہ پہلے مجھ کو زندگی بسا دے عطا پھر فوق و شوق دیکھ دل بے قرار کا

کاشا وہ دے کہ جس کی لکھا لالہ زوال ہو
یارب وہ درج جس کی لکھا لالہ زوال ہو



دلوں کو مرکز مہر و فن کر
حریم کبریا سے آشنا کر
جسے نام جوین بخشی ہے تُو نے
اُسے بانٹتے حیدر بھی عطا کر



پریشان ہو کے میری خال اخروں نہ بن جائے
جو شکل اب ہے پار بھر پڑی شکل نہ بن جائے
نہ لڑیں مجھ کو مجبور نہ افروں میں جو ریں
مراسوزوں بھر کر مجھ سے نسل نہ بن جائے
کبھی چھوٹی ہوئی منزل بھی یاد آتی ہے اسی کو
لٹک سی ہو سینی میں غم منزل نہ بن جائے
بنایا عشق نے دریائے ناپیدا کراں مجھ کو
یہ میری خود نگہداری مرا حاصل نہ بن جائے
کہیں اس عالم بے رنگ و بو میں بھی طلب میری
وہی افسانہ دُنبال کہ حاصل نہ بن جائے

عروجِ اوم خالی سے انجم سہمے جاتے ہیں
کہ یہ ٹوٹا ہوا تار اسہ کامل نہ بن جائے



وگرگوں سے جہاں تاروں کی لڑش تیز ہے ساقی
دل ہر ذرہ میں غوغائے رستا خیز ہے ساقی
مستاع دین و نشوونما لٹی لٹی اللہ الوں کی
یہ کس کا فراوان گمان نہ خوں ریز ہے ساقی
وہی بریں بیماری وہی ناکسلی دل کی
علاج اس کا وہی آبِ نشاط انگیز ہے ساقی

۳۵۰
بالِ مہربیل
۲۶

حرم کے دل میں سوزِ آرزو پیدا نہیں ہوتا
 نہ اٹھا پھر کوئی رومی مجھ کے لالہ اروس
 نہیں کیا امیدِ قبّال اپنی کشتِ ویران سے
 کہ پیدا کی تری ابتک حجابِ نیر ہے ساقی
 وہی بگلِ ایران وہی سیر ہے ساقی
 ذرا غم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی
 فقیرِ راہ کو بخشے اسرارِ سلطانی
 بہا میری نوالی دولت چو زیر ہے ساقی



لا پھر اک بار وہی بادہ و جام اے ساقی
 تین سو سال سے ہیں ہندوئے میخانے بند
 مری سینے غزل میں تھی فراسی باقی
 شہرِ مردوں سے ہوا بیشہ تحقیق تھی
 عشق کی تیغ جلدوار اڑالی کس نے
 سینہ روشن ہو تو ہے مژدہ سخنِ عینِ حیا
 تو مری ات کو ہمتا ہے محروم نہ رکھ
 ہاتھ آجاتے مجھے میرا مقام اے ساقی
 ایسا ہے ترا فیض ہو جام اے ساقی
 شیخ کہتا ہے کہ ہے یہ بھی حرام اے ساقی
 رہ لے صوفی و ملا کے غلام اے ساقی
 علم کے ہاتھ میں خالی ہے پیام اے ساقی
 ہونہ روشن تو سخنِ مراد اے ساقی
 ترے پیمانے میں ہے ماہِ تمام اے ساقی



مٹا دیا مرے ساتی نے عالم من تو
 نہ مے نہ شعر نہ ساتی نہ شور چنگ و رباب
 کداتے مے کدہ کی شان بے نیاز می کچھ
 مرا سبوجہ غنیمت ہے اس زمانے میں
 میں تو نیاز ہوں مجھ سے حجاب ہی اولیٰ
 اگرچہ بھری موجوں میں ہے مقام اس کا
 جمیل تر ہیں حل و لالہ فیض سے اس کے

پلا کے مجھ کو مے لالہ الہ الہ ہو
 سکوت کو وہ دل سے جھکے ولالہ خود روا
 پہنچ کے چشمہ حیاں یہ توڑتا ہے سبوا
 کہ خافتا ہوں خالی ہیں صوفیوں کے کدو
 کہ دل سے بٹھکے ہے سیرنی گاہ بے قابو
 صفائے پالی طہنت سے ہے کس کا ضمرو
 نگاہ شاعر نکس نو امیں ہے جادو



متاع بے بہا ہے درو و سوز ارزو مندی
 ترے آواز بندوں کی نہ یہ دنیا نہ وہ دنیا
 حجاب کسیر ہے آواز کو سے محبت کو

مقام بندگی دے نہ لوں شاخ خداوندی
 یہاں مرنے کی پابندی ہاں جینے کی پابندی
 بری آتش کو بھڑکاتی ہے سیرنی یہ پویندی

۳۵۲
 بال جبریل
 ۲۸

گزراوقات کرلیا ہے کیوہو بیاں میں
 فیضیاں نظر تھا یا لالت کی امت تھی
 کہ شاہیں کے لیے ذلت ہے کاراشیاں بند
 رکھائے کس نے اسمعیل کو ادب فرزندی
 زیارت کاہ اہل عزم و ہمت ہے لحد میری
 کہ خاک راہ کو میں نے بست یا راز الوہدی
 مری شاطلی کی لیا ضرورت حسین سنی
 کہ فطرت خود بخود کرتی ہے لالے کی جانب دی



تجھے یاد کیا نہیں ہے مئے دل کا وہ زمانہ
 یہ بیان عصر حاضر کہ بنے ہیں رُسے میں
 وہ ادب کہ محبت وہ نیک کا تازیانہ
 نہ ادا تے کافرانہ، نہ تر اشیر آذرانہ
 یہ جہاں عجب جہاں ہے نہ نقص نہ اشیانہ
 کہ عجم کے مے لہوں میں نہ رہی مے مفا
 انھیں کیا خبر کہ کیا ہے یہ نوائے عاشقانہ
 جلد شہید کیا ہے تب تاب جاودانہ
 نہ جگہ ہے دوستوں کا نہ شکایت زمانہ
 ترے بند پروری سکے دن گزر رہے ہیں
 مرے ہم صغیر اسے بھی اثر بہار سمجھے
 مرے خال و خوں سے ٹوٹے یہ جہاں چھایا پیدا
 تری بند پروری سکے دن گزر رہے ہیں





ضمیر لالہ مے لعل سے ہو البسیر
 بچھائی ہے جو کہیں عشق نے بساط اپنی
 پرانے ہیں یہ ستارے فلک بھی فرسودہ
 کسے خبر ہے کہ ہنگامہ نشو و نما
 نہ چھین لذت اسچھ کر لی مجھ سے
 دل غمیں کے موافق نہیں ہے موسم گل
 حدیث بے خبر اس ہے تو بازمانہ بسا
 اشارہ پاتے ہی صوفی نے توڑ دی پرہیز
 کیسا ہے اس نے فقیروں کو وارث پروریز
 جہاں وہ چلے ہے مجھ کو لہو ابھی نوخیز
 تری نگاہ کی لڑشس ہے میری رشخیز
 نہ لڑکھ سے تغافل کو التفات اسیر
 صدائے مرغ چین ہے بہت نشاط انگیز
 زمانہ باتوں باز تو بازمانہ ستیز



وہی میری کم نصیبی وہی میری بے نیازی
 میں کہاں ہوں تو کہاں ہے یہ کہاں کا مکان ہے
 اسی کشمکش میں لڑیں مری زندگی کی آہیں
 مے کام کچھ نہ آیا کیسا لڑنے نوازی
 یہ جہاں مرا جہاں ہے کہ تری کشتہ ساز
 کبھی سوز و ساز رومی کبھی پیچ و تاب بازی

وہ فریبیہ شاہیں کہ پلاہو لکڑوں میں
 نہ زبان کوئی غزل کی نہ زبان سے باخبر میں
 نہ فہم نہ سلطنت میں کوئی امتیاز آیا
 یہ سپہ کی تیغ باز ہی وہ نگہ کی تیغ باز ہی
 کوئی کارواں سے ٹوٹا کوئی بدکھاں سرم
 کہ اس کے رواں میں نہیں ٹوٹے دل نوازی



اپنی جولاں کاہ زیر آسمان سمجھا تھا میں
 بے حجابی سے تری ٹوٹا نگاہوں کا طسم
 کارواں تھک کر فضا کے پیچ و پسم میں لیا
 عشق کی اک جست کے طے کر دیا قصہ تمام
 کہ لہریں راہ محبت پڑھ داریاں شوق
 تھی کسی در ماندہ ہر کی صدائے در و مال
 جس کو آواز حسیل کارواں سمجھا تھا میں



اک نشن نورانی اک نشن برہانی
 اس پیکر خالی میں اک شے ہے سو وہی
 اب کیا جو فغان سری پہنچی ہے ستاروں تک
 نقش اگر باطل تکرار سے کیا حاصل
 مجھ کو تو سکھا دی ہے افروزا کے زندہ بقی
 تقدیر شکن قوت باقی ہے ابھی اس میں
 تیرے چہی سنم خانے میرے چہی سنم خانے
 ہے نشن برہانی حیرت کی منورانی
 میرے لیے مشکل ہے اس شے کی گہمانی
 تو نے ہی سکھائی تھی مجھ کو غیزل خوانی
 کیا تجھ کو خوش آتی ہے آدم کی لہ زبانی
 اس دور کے ملا ہیں کیوں نہاب مسلمان
 ناداں جسے کہتے ہیں تہمت دہر زندانی
 دونوں کے صنم خالی دونوں کے صنم فانی



یارب ایہ جہان گزراں خوب ہے لیکن
 گو اس کی خدائی میں مہاجر کا بھی ہے ہاتھ
 تو برک گیا ہے ندی اہل حسد و را
 کیوں غور میں مزان صفا کیش و ہنرمند
 دنیا تو سمجھتی ہے فرنگی کو حسد اند
 اور کشت گل و لالہ بخشد بہ خرے چند

۳۵۶

بالِ جبریل

۳۲

حاضر ہیں کلیسا میں کباب مے گلاب
 احکام تھے حق میں مگر اپنے منہ سے
 فردوس جو تیرے کسی نے نہیں دیکھا
 مدت سے ہے آواز ہنس لال مرا
 فطرت نے مجھے بخشے ہیں جو ہر ملکوتی
 درویش خدا مست نہ شرقی ہے نہ غربی
 کہتا ہوں وہی بات سمجھتا ہوں جسے حق
 اپنے بھی خفا مجھ سے ہیں بیکانے بھی ناخوش
 مشکل ہے کہ اک بندہ حق بین حق آئند
 ہوں آتش نمود کے شعلوں میں بھی خاموش
 پرسوز و نطنس بازار و نہ کوہین و کلم ازار
 ہر حال میں یہ ادا دل بے قید ہے حرم
 مسجد میں دھرا لیا ہے بجز موعظہ و پند
 تاویل سے قرآن کو بنا سکتے ہیں یا پند
 افرنک کا ہر قریہ ہے فردوس کی مانند
 کرے اسے اب چاند لی غاروں میں نظر بند
 خالی ہوں مگر خاک سے رکھتا نہیں بیہود
 گھر میرا نہ ولی نہ صفا ہاں نہ سمرقند
 نے ابلہ سب ٹھوس نہ تہذیب کا فرزند
 میں نہ ہر ملاپ کو کبھی کہہ نہ سکا قند
 خاشاک کے تودے کو کہے کوہ و ماوند
 میں بندہ مومن ہوں نہیں انہ اسپند
 آزاد و گرفتار تو تھی کیسہ خورسند
 کیا چھینے کا غنچے سے کوئی ذوق شکر خندا

چپ نہ سکا حضرت یزواں میں بھی اقبال
 کرتا کوئی اس بند گستاخ کا منہ بند

اعطفت سہید و مرگومیز اور شاہ خاوی رقمہ بہ عدل کے لعن و کرم سے نور و شرف و نام نہاں فرود
 کے فرود و قندس کی بابت بے ہوشی - یہ وہ غدار و شرارتی شخص ہے جس نے ایک سید و شہید کو ہر دلی
 ہرزہ سید کی باغی و برادر و شہید کے لئے - "ما از پائنت کا و عطار بیدیم"

۱. ساسکتا ہر پشائے فطرت میں را کو کوا
 غلط تھا ہے جنوں کا بندہ شرا و اندازہ کھرا !
 2. خوری سے ہر غلیم رنگ دلو کو توڑ سکے ہیں
 یہی ترقید تھی بلکہ ترسجوا نہ میر سجھا !
 3. تکرہ ہر آفا ملک بھلی عین فطرت ہے
 کہ اپنی صوب سے بگنہ ورہ سکتا ہر دریا
 4. رتابت علم و عرفاں میں باخلہ بینی ہے ہر کی
 کہ وہ حلقہ کی کوئی کوس بھی ہے رتبہ اپنا !
 5. ہر چیز در دنیا کہ موزا کر نہیں ہے

۳۵۸
 بال جبریل
 ۳۲

۶. زندہ کرنا ہر غصہ رکھتی ہے ترستنا
 7. بہت دیکھے ہیں نے مشرق و مغرب کے بھانے
 8. ہزار سال تو اپنے پیچ و پامان بے ذوق ہے سجھا !
 9. کاش کاش حرم ہے جو چرا کر بیچ کھاتا ہے
 10. گلچ لوزن و رلق اویس و کج چادر زہرا !
 11. حضور میں ہر ایرانی نے میری سخاوت کی
 12. بے بندہ زنت سے بچا رتبت کر دے برپا !
 13. نظر آئی نہ تکیوں کوئی پشائے فطرت میں
 14. کاش جو کور کر کے شہر سے بیروا
 15. 8 نہ ایرال پر ہے باقی نہ کورایا ہے باقی
 16. وہ ندے تو تھا جگہ ملک بقدر گسٹے
 17. 11 شہید شہید شہید شہید شہید شہید
 18. 12 شہید شہید شہید شہید شہید شہید

حصہ دوم



اعلیٰ حضرت شہید امیر المومنین نادر شاہ غازی رحمۃ اللہ علیہ کے لطف و کرم سے نومبر ۱۹۳۳ء
میں مصنف کو حکیم سنائی غزنویؒ کے مزارِ رحمت دس کی زیارت نصیب ہوئی۔ یہ چند افکار پریشاں
جن میں حلیم ہی کے ایک مشہور قصیدے کی پیروی کی گئی ہے، اُس دُرِ سعید کی یادگار میں
سُیر و تسلیم کیے گئے:

’ما از پے سنائی و عطارِ مدیم‘

سما سکتا نہیں پہناتے فطرت میں مراسوا
خلط کھتا اے جنوں شاید ترا اندازہ صحرا
خودی سے اس طلسمِ رنگ و بو کو توڑ سکتے ہیں
یہی توحید تھی جس کو نہ تو سمجھا نہ میں سمجھا
نگہ پیدا کر اے غافلِ تجلی عینِ فطرت ہے
کہ اپنی موج سے بیگانہ رہ سکتا نہیں دریا

رقابت علم و فنس میں غلط بینی سے منہ سبر کی
 کہ وہ حلاج کی سولی کو سمجھتا ہے قیاب اپنا
 خدا کے پال بندوں کو حکومت میں غلامی میں
 زہ کوئی الرحمن فوط رکھتی ہے تو استغنا
 نہ کرتے تھیں اسے جبریل میرے جذبِ مستی کی
 تن آساں عرشوں کو ذکر و تسبیح و طواف اولیٰ



بہت دیکھے ہیں میں نے مشرق و مغرب کے میخانے
 یہاں ساتی نہیں پیدا، وہاں بے ذوق ہے صہبا
 نہ ایراں میں ہے باقی، نہ توراں میں رہے باقی
 وہ بندے فقر تھا جن کا ہلاک قیصر کسری
 یہی شیخ حرم ہے جو چہرہ الریج لھاتا ہے
 گلیم بوڑھو و ذوقِ اویس چادر زہرا
 حضور حق میں اسرافیل نے میری شکایت کی
 یہ بندہ وقت سے پہلے قیامت کرنے دے پڑا

۳۶
 بالِ جبریل
 ۳۶

نذا آتی کہ اشوب قیامت سے یہ کیا کم ہے
 گرفتہ چنیاں احرام و مٹی خفتہ بطلحہ !
 لبالب شیشہ تہذیب حاضر ہے مئے لائے
 مگر ساقی کے ہاتھوں میں نہیں سپانہ الا
 و بارگاہ ہے اس کو زخمہ در کی تیز دوستی نے
 بہت نیچے سُروں میں ہے ابھی یورپ کا واولا
 اسی دریا سے اٹھتی ہے وہ موجِ شند جولاں بھی
 ننگوں کے نشیمن جس سے ہوتے ہیں تہ و بالا



غلامی کیا ہے فوقِ حسنِ زیبائی سے محرومی
 جسے زیب اکھیں آزاد بندے سے وہی زیبا
 بھروسہ کر نہیں سکتے غلاموں کی بصیرت پر
 کہ دنیا میں فقط مردانِ جسد کی آنکھ ہے بینا

* یہ مصرع حکیم سنائی کا ہے

وہی ہے صاحبِ امروز جس نے اپنی ہمت کے
 زلمے کے سمتِ رسے نکالا لوہرِ سرور
 فرنگی شیشہ کر کے فن سے پتھر ہو گئے پانی
 مری اسیر نے شیشے کو بخشتی سختی حصار
 رہے ہیں اور ہیں عمرِ میری لکھات میں اب تک
 مگر کیا نسیم کہ میری استیں میں ہے یہ بیضا
 وہ چنگارِ خمی و خاشاک سے کس طرح دے جاتے
 جسے حق نے کیا ہونمستاں کے واسطے پیدا
 محبتِ خوشن بنی، محبتِ خوشن داری
 محبتِ استانِ قصید و کسرِ می سے بے پروا
 عجب کیا کر مر و پروں کے پنجہ ہو جانیں
 کہ فیرتہ ال صاحبِ دولتِ بستم سر خود را

* یہ مصرع مرزا صاحب کا ہے جس میں صرف ایک لفظی تغیر کیا گیا

وہ دانستے سبیل ختم الرسل، مولائے کل جس نے
 غبارِ راہ کو بخشایا و مرغِ وادی سیت
 نگاہِ عشقِ بستی میں وہی اول وہی آخر
 وہی شکر وہی شرفاں وہی سین وہی طہ
 سنانی کے ادب سے میں نے غواصی کی ورنہ
 ابھی اس بحر میں باقی ہیں لاکھوں لولوئے لالا



یہ کون غزل خواں ہے پر سوز و نشاطِ نگہیز
 گو فستِ رہی رکھتا ہے اندازِ ملوکانہ
 اچھبہ قہو فی میں وہ فقر نہیں بتا
 اچھے سلفہ درویشانِ وہ مرخدا کیسا
 جو ذکر کی گرمی سے شعلے کی طرح روشن
 کرتی ہے ملکیت آثارِ جنوں بیدا
 اندیشہ دانالو کرتا ہے جنوں آئینہ
 ناچختہ ہے پرویزی بے سلطنتِ پرویز
 خونِ دل شیراں جو فقر کی دستاویز
 جو جس کے گریباں میں ہنگامہ رستاخیز
 جو فکر کی سرعت میں بجلی سے زیادہ تیز
 اللہ کے شتر ہیں تیمور پویا چنگیز

یوں اوسخن مجھ کو دیتے ہیں اقل و پائیں
یہ کافر منہ دی ہے تین و سنان و سنان



وہ حرفِ از کہ مجھ کو سکھا لیا ہے جنوں
ستارہ کیا مری تقدیر کی خبر دے گا
حیات کیا ہے خیال و نظر کی مجذوبی
عجب مزائے مجھے لذتِ خودی دے کر
ضمیرِ مال و نکاہتِ دوستی شوق
سبق ملا ہے یہ معراجِ مصطفیٰ سے مجھے
یہ کائنات ابھی نامِ تمام ہے شاید
علاجِ آتشِ رومی کے سوز میں ہے ترا
خدا مجھے نفسِ جبریل دے تو کہوں
وہ خود فراخیِ افلاک میں ہے خوار و زبوں
خودی کی موت ہے اندیشہ ہائے کونالوں
وہ چاہتے ہیں کہ میں اپنے آپ میں رہوں
نہ مال و دولتِ قارون نہ فکرِ افلاطون
کہ عالمِ بشریت کی زد میں ہے مڑوں
کہ اسی ہے مادمِ صدائے کن فیکون
تری خروپے ہے غالبِ سرخیوں کا فوں

اُسی کے فیض سے یہی نگاہ ہے روشن
اُسی کے فیض سے یہی سب بوسے جچوں

۳۶۴
بالِ جبریل
۲۰



عالم آب و خال و باد استرعیان ہے تو کہ میں
 وہ جو نظر سے ہے نہاں اُس کا جہاں ہے تو کہ میں
 وہ شب و روز و عزم کہتے ہیں زندگی جسے
 اُس کی سحر ہے تو کہ میں اُس کی ازاں ہے تو کہ میں
 کس کی نمود کے لیے شام و سحر ہیں کرشمہ
 شانہ روزگار پر بارگراں سے تو کہ میں
 تو کفِ ناک و بے بصر، نہیں کفِ ناک و خودنظر
 کشت و جو کے لیے آبِ رواں ہے تو کہ میں



(لندن میں لکھے گئے)

تو ابھی رہ کوز میں ہے قیدِ معتمِ سہ کوز
 مہر و حجاز سے کوزِ پارس و شام سے کوز

جس کا عمل ہے بے غرض اس کی جزا کچھ اور ہے
 حورِ خیام سے لوز، بادہ و جام سے لوز
 کرچہ ہے وکشا بہت حسنِ فرنا کی ہر
 طائرِ بلبلِ بالِ دانہ و دام سے لوز
 کوہِ شکافِ تیری ضربِ تجھ سے کشادہ شرق و غرب
 تیغِ ہلال کی طرح عیشِ نیام سے لوز
 تیرا امام ہے حضورِ تیری نماز ہے سرور
 ایسی نماز سے لوز، ایسے امام سے لوز



امینِ ازل ہے مژانِ سر کی روشنی
 کہ جبریل سے ہے اس کو نسبتِ خویشی
 کسے خبر کہ سفینے ڈبو چکی کتنے
 فقیہ و صوفی و شاعر کی ناخوش اندیشی
 نگاہِ کرم کہ شیریں جس چوٹ اڑ جائیں
 نہ اہِ سُر کہ ہے کو سفندی و میشی
 طبیبِ عشق نے دیکھا مجھے تو فرمایا
 ترامِ مرض ہے فقط آرزو کی بے نمیشی

۳۶۶
 بالِ جبریل
 ۴۲

وہ شے کچھ اور ہے کہتے ہیں جان مال جسے
یہ نیک و نیک یہ لہو آب و نال کی ہے بیشی



پھر چراغِ لال سے روشن ہوتے کوہ و دامن
پھول ہیں صحرائیں یا پرپایں قطار اند قطار
برگِ گل پر رکھ گئی شبنم کا موتی باوجود صبح
حُسنِ بے پروا کو اپنی بے نعلانی کے لیے
اپنے من میں ڈوب کر پا جا سرِ غرغِ زندگی
من کی دنیا! من کی دنیا سوستی جذبِ شوق
من کی دولت ہاتھ آتی ہے تو پھر جاتی نہیں
من کی دنیا میں نہ پایا میں نے افرتی کارِ ج

مجھ کو پھر غموں یہ اُکسانے لگا مرغِ حنین
اُڑے اُڑے نیلے نیلے پیلے پیلے پیریں
اور چمکتی ہے اس موتی کو سوچ کی کرن
ہوں اگر شہرِ سکے سارے تو شہرِ اچھے کہ بن
تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن اپنا تو بن
تن کی دنیا! تن کی دنیا سو دو سو اُلو و فن
تن کی دولت چھاؤں کے آگے دھن جاتا دھن
من کی دنیا میں نہ دیکھے میں نے شیخ و برہن

پانی پانی کر گئی مجھ کو قلندر کی یہ بات
تو جھکا جب غم کے آگے نہ من تیرا نہ تن



(کابل میں لکھے گئے)

مسلمان کے لئے نہیں ہے سلیقہ دل نوازی کا
مروتِ حسنِ عالم لیر ہے مروانِ غازی کا
شکایت ہے مجھے یارب! خداوندِ مہربان سے
سبقِ شاہینِ بچوں کو دے رہے ہیں خالکِ باری کا
بہت مدت کے پنچھروں کا اندازِ نغمہ بدلا
کہ میں نے فاش کر ڈالا طریشِ بہاری کا
قلندرِ جزو و حرفِ لا الہ کچھ بھی نہیں لکھتا
فقیرِ شہرِ قاروں ہے لغتِ طے حجازی کا
حدیثِ بادہ و سناو جامِ آتی نہیں مجھ کو
نہ کر خارا شکافوں سے متقاضِ شیشہ سازی کا

کہاں سے تونے اے اقبالِ سیکھی سے درویشی
کہ چرچا پاؤں شاہوں میں تیری بے نیازی کا



عشق سے پیدا نوائے زندگی میں بُرم
عشق سے مٹی کی تصویروں میں سوز و غم
اومی کے ریشے ریشے میں سما جاتا ہے عشق
شبنمِ گل میں طبعِ سحرِ باوجودِ کفرِ کفرِ نام
اپنے رازِ کو نہ پہچانے تو محتاجِ ملوک
اور پہچانے تو ہیں تیرے کہ دارا و جسم

۳۶۸
بالِ جبریل
۲۲

دل کی ازاد می شناسی شکم سامان ہو
فصلہ تیرے ہاتھوں میں دل یا شکم
اے سلمان! اپنے دل سے پوچھ تلا سے نہ پوچھ
ہو کیا اللہ کے بندوں سے غی غالی حرم



دل سوئے خالی ہے نیک پاک نہیں ہے
پھر اس میں عجب کیا کہ تو بے مال نہیں ہے
نے وقت تجلی بھی اسی خال میں نہیں ہے
غافل! تو نیرا صاحب اور مال نہیں ہے
وہ انگھ کہ ہے سرِ آفرین کے روشن
پُرکار و سخن ساز ہے غم نال نہیں ہے
کیا صوفی و ملا کو خبر میرے جنوں کی
اُن کا سر اسن بھی ابھی چال نہیں ہے
کت تک رہے محکومی اسم میں ہی خال
یائیں نہیں یا گردشِ افلاک نہیں ہے
بجلی ہوں نطن فرہ بیاباں ہے میری
میسے لیے شایاں خس و خاشاک نہیں ہے
عالم ہے فقط مومن جاں باز کی سیرا
مومن نہیں جو صاحبِ لولال نہیں ہے



ہزار خوف جو کہیں زبان ہو دل کی رسیق
یہی رہا ہے ازل سے قلندر کا طریق

ہجوم کیوں ہے زیادہ شراب خانے میں
 علاج ضعفیت میں ان کے نہیں سکتا
 فقط یہ بات کہ پیر میں ہر مرد سلیق
 غریب اگرچہ ہیں رازی کے نکلتے ملتے و قیق
 خدائے رحمت کے شیخ کو بھی تو فسق
 بغل میں اس کی ہر بات بتائے عتیق
 ہزار شکر کہ ملا ہیں صاحب سب سلیق
 نہ ہو تو مرد مسلمان بھی کاف و زندیق
 اگر ہر عشق تو ہے کفن بھی سلمانی



نو چھپا سکے کہ مقبول ہے فطرت کی کوئی
 کاف ہے مسلمان تو نہ شاپہ فقیری
 ٹوٹا صاحب نزل ہے کہ بھٹکا ہوا رہی
 مومن ہے تو کرتا ہے فقیہ مری میں بھی شہاسی
 کاف ہے تو ششیر کرتا ہے بھروسا
 کاف ہے تو ہے تابع تہد مسلمان
 مومن ہے تو وہ اپنے تفت پر الہی

میں نے تو کیا پردہ اسرار کو بھی چاک
 دیرینہ تہہ پر امراض کو نکا ہی

۳۷۰
 بال جبریل
 ۲۶



(قُطْب میں لکھے گئے)

یہ خوریاں سنسنی، دل و نظر کا حجاب
دل و دھڑکن کا سفینہ سنبھال کر لے جا
جہاں صوت و صدا میں سمانہیں سکتی
سکھائیے ہیں اسے شیوہ ہائے خالق
وہ سجدہ روح زمیں جس کا نپ جاتی تھی
سُنی نہ مصر و فلسطین میں، ازاں میں نے
ہوائے قُطْب شاید یہ ہے اثر سیرا
بہشت مغربیاں جلوہ ہا پاکہ کاب
مستارہ ہیں محسوس جو میں خواب
لطیفہ ازلی ہے فغان چنک و رباب
فقیہ شہر کو صوفی نے کر دیا ہے خراب
اُسی کو آج ترستے ہیں منبر و مسراہ
دیا تھا جس نے پہاڑوں کو عرشہ سیماہ
مری نوا میں ہے سوز و سرور عہد شباب



دل بیدار فاروقی، دل بیدار کزازی
دل بیدار پیدا کر لے دل غواہید ہے جب تک
میرا دم کے حق میں کیسیا ہے دل کی بیداری
نہ تیرخی ہے کارئی نہ میرخی ہے بیکاری

شام سیر سے ملتے ہے صحرا میں نشان اس کا
 اس اندیشے سے ضبط ہے کہیں کہیں تاروں تک
 خدائے تیرے سا وہ دل بس کہ صحرائیں
 مجھے تہذیب حاضر نے عطا کی ہے ہزاروں
 نطن تجھ سے ہاتھ آتا نہیں آتے تاروں
 کہ منغزاوٹے لے جاتیں ترمیمت کی چکاری
 کہ درویشی بھی عساری ہے سلطانہ بھی عیاری
 کہ ظاہر میں تو آزادی ہے باطن میں گرفتاری

تُو اے مولائے شربتِ آبِ پیری چاہِ سامی
 مری اس کے افروغی میرا ایک سے زنجاری



خودی کی شوخی و شندی میں کہ راز نہیں
 نگاہِ عشقِ دل زندہ کی تلاش میں ہے
 مری نوا میں نہیں ہے اوائے محبوبی
 سوال مے نہ کروں ساقی فرنا کے میں
 جو ناز ہو بھی تو بے لذت نیاز نہیں
 شکارِ مردہ سزاوارثِ اہلِ راز نہیں
 کہ بانگِ صورتِ افسانہ دل نواز نہیں
 کہ طیسرے رقصِ زندانِ پال باز نہیں
 سبب یہ ہے کہ محبتِ زمانہ ساز نہیں
 میں خود لہوں تو مری استانِ راز نہیں
 اک خطرِ اسبِ سلسلِ غیب ہو کہ حضور

اگر ہو ذوق تو خلوت میں پڑھو نور عجم
فغانِ نیم شبی بے نوائے از نہیں



میر سپاہِ ناسزا بشکریاں شکستہ تصف
تیرے محسب میں کہیں ہر ندی نہیں
عشقِ بیاں کے ہاتھ اٹھا اپنی خودی میں ڈوبا
کھول کے کیا بیاں کروں ستر مقامِ مرل و عشق
صحبتِ پیروم سے مجھ پر ہوا یہ از فاش
مثلِ کلیم ہو اگر مع کہ از مالوئی
خیر نہ کر سکا مجھے جلوۂ دہشتِ فرنگ
آواۃِ نیم شبِ بکشتِ ہو کوئی ہدف
ڈھونڈو چکا میں موجِ موجِ چکا صد فصد
نقشِ نگارِ دیر میں غمِ جگر نہ لرزت
عشقِ مرلِ با شرفِ مرلِ حیاتِ شرف
لاکھ حکیم نے بحیثِ ایک کلیم سب جف
اب بھی درختِ طوس سے اتنی ہے بانہ لا
دستِ میری آنکھ کا حالِ بدینہ و



(یورپ میں لکھے گئے)

زمستانی ہوا میں کرچہ تھی شیر کی تیری
نچھوٹے مجھے لندن میں بھی آج سحرِ خیزی

کہیں سہ ماہیہ محفل تھی میری گرم گفتاری
کہیں سب کو پریشان کر لی میری کلم امیری
زمانہ کار اگر مزدور کے ہاتھوں میں ہو پھر کیا
طریق کو ملن میں بھی سی جیسے ہیں پروری
جلال پاؤں شاپی ہو کہ جمہوری تماشا ہو
جد ہویں سیاست تو رہ جاتی ہے چند سیری
سواد رومۃ الکبریٰ میں ولی ماوتی ہے
وہی عبرت ہو عطلت پریشان ال اویری



یہ دیر لہن کیا ہے انبار خس و خاشاک
مشکل ہے لہذا اس میں بے مالہ آتش ناک
نخچیر محبت کا قصہ نہیں طعن لانی
نطف خاشاک چکان اسو و فیفت لاک
کھویا کیا جو مطلب ہے دوست و دولت میں
سمجھے کا نہ توجہ تک بے رنگ نہ ہو وراک
اک شریع مسلمان اک جذب مسلمان
ہے جذب مسلمان سیر فلک الافلاک
اے ہر و منہ نہ اے بے جذب مسلمان
نہ راہ عمل پیدا نے شاخ یقین نہ مال
رمز میں محبت کی تسخیر بے باکی
ہر شوق نہیں ستاخ ہر جذب نہیں بے باک

فارغ تو نہ بیٹھے کا محشر میں بنوں میرا
یا اپنا لڑیاں حال یاد ہن نرواں حال

۳۷۴
بال جبریل
۵۰

کمال ترک نہیں اس کے لئے مجبوری
میں ایسے فقے سے اے اہل حلقہ باز آیا
نہ فقے کے لئے موزوں نہ سلطنت کے لئے
سُننے نہ ساقی نہ شش تو اور بھی تھا
حکیم و عارف و صوفی تمام مستِ ظہور
وہ ملتفت تھے تو کونجِ قفس بھی ازادی
بُرانہ مانِ ذرا ازما کے دیکھ اے
کمال ترک ہے تسخیر کی و نوری
تمہارا فقے ہے بے دلتی و رنجوری
وہ قوم جس نے کنواہ استماعِ سمیوری
عیارِ کرمی صحتِ عریضہ زوری
کنجے بے کر تکتی ہے عینِ ستوری
نہ ہوں تو صحنِ سپین بھی مقامِ مجبوری
فرنگِ دل کی خرابی خردلی سموری

عقل کو آستان سے دُور نہیں
دلِ سینا بھی کرخدا سے طلب
علم میں بھی سرور ہے لیکن
اس کی تفتدیر میں حضور نہیں
آنکھ کا نور دل کا نور نہیں
یہ وہ جنت ہے جس میں عور نہیں

کیا غضب ہے کہ اس زمانے میں
اک جنوں ہے کہ باشعور بھی ہے
ماہم سبوری ہے زندگی دل کی
بے حضور می ہے تیری موت کا راز
پہر گھر نے صدف کو توڑ دیا
’اُرنی‘ میں بھی کہہ رہا ہوں مگر

ایک بھی صاحبِ سُرور نہیں
اک جنوں ہے کہ باشعور نہیں
اے وہ دل کہ ماہم سبوری نہیں
زندہ ہو تو تو بے حضور نہیں
تو ہی آمادۂ ظہور نہیں
یہ حدیثِ کلیم و طور نہیں



خودی و بھر ہے جس کا کوئی کنارہ نہیں
طلسمِ سب کمرؤں کو توڑ سکتے ہیں
خودی میں ڈوبتے ہیں پھر اُبھر بھی آتے ہیں
ترے مت نام کو خیمِ شناس کیا جانے
یہین ہشت بھی ہے خور و جبریل بھی ہے
مرے جنوں نے زمانے کو خوش چسپا

تو اب جو اسے سمجھتا تو چارہ نہیں
زجاج کی یہ عمارت کنگارہ نہیں
مگر یہ چوہِ سدا مرد و بیچ کا رہ نہیں
کہ خاکِ زندہ ہے تو تابعِ ستارہ نہیں
ترمی نگہ میں ابھی شوخیِ نطفہ رہ نہیں
وہ سپہین مجھے بخشا کہ پارہ پارہ نہیں

غضبِ عینِ کرمِ بخشِ یل ہے فطرت
کہ عملِ ناب میں شش تو ہے شرارِ نہیں



یہ پیام دے لیتی ہے مجھے باوجودِ کجی
ترمی زندگی اسی سے تری ابرو اسی سے
نہ دیا نشانِ سنزل مجھے اعجازِ تونے
مرے حلقہ سے سخن میں ابھی تر بیت ہیں
یہ معاملے ہیں نازک جو تری ضرر ہو تو
تو ہمارے شکار ہی ابھی ابتداء ہے تیری
تو عربی یا عجم ہو ترا لا الہ الا
کہ خودی کے عارفوں کا ہے مقامِ پادشاہی
جو رہی ہو تو شاہی نہ رہی تو رویاہی
مجھے کیا کلمہ ہو تجھے تُو نہ رہشیں نہ راہی
وہ کلام کہ جانتے ہیں وہ رسم کجکلاہی
کہ مجھے تو خوش نش آیا یہ طریقِ خانقاہی
نہیں مصلحت کے خالی یہ جہانِ مرغِ ڈاہی
نقشبِ غریب جب تک ترا دل نہ دے راہی



ترمی نگاہِ فرمایہ ہاتھ ہے کوتاہ
گلا تو کھنٹ دیا اہلِ در سے ترا
ترا کُن کہ نہ نخیلِ بلند کا ہے گناہ
کہاں سے آئے صدا لا الہ الا اللہ

خودی میں کم ہے خدائی تلاش کر غافل !
 حدیث دل لسی روشن کیسے ہو چھپ
 برہنہ سے تو عزم بند پیر لہر
 نہ ہے ستارے کی گردش بازی افلاک
 اٹھا میں سر و خانقاہ عیسیٰ نمل

یہی ہے تیرے لیے اصلاح کار کی اُ
 خدا کرے تجھے یہ مقام سے آگاہ
 یہاں فقط شہر ہیں کے واسطے گلاہ
 خودی کی موت ہے تیرا زوال نعمت جاہ
 نہ زندگی نہ محبت نہ معرفت نہ نکاہ



خوف کے پاس خبر کے سوا کچھ اور نہیں
 پر امت مسلم کے مقام ہے تیرا
 کران بہا ہے تو حق خودی کے ہے نہ
 رکوں میں گردش خوں ہے اگر تو کیا حاصل
 عروس لالہ مناسب نہیں مجھ سے حجاب
 جسے کہتے جھٹتے ہیں بے زبان
 بڑا کریم ہے قہر ال بے زوالین

ترا علاج نطف کے سوا کچھ اور نہیں
 حیات فوق نف کے سوا کچھ اور نہیں
 گھر میں آب کے سوا کچھ اور نہیں
 حیات سے بزرگ کر کے سوا کچھ اور نہیں
 کہ میں سیم کے سوا کچھ اور نہیں
 وہ سے متاع نہیں کے سوا کچھ اور نہیں
 عطائے شعلہ شکر کے سوا کچھ اور نہیں



نگاہ تیر میں شاہن سکندری کیا ہے
 بتوں سے تجھ کو اُمیدیں خدا سے نومیری
 فلک نے اُن کو عطا کی ہے جلی کہ جنہیں
 فقط نگاہ سے پڑتا ہے منہ صہل کا
 اسی خط سے عتابِ نلوک سے مجھ پر
 کہ نہیں تیرے سرور کی لہریں
 خوش آگئی ہے جہاں کو قلندر میری
 خراج کی جو کدا ہو وہ قصیری کیا ہے
 مجھے بت تو ہی اور کان سری کیا ہے
 خنہ سریں رشیں بند پوری کیا ہے
 نہ ہونگاہ میں شوخی تو لب سری کیا ہے
 کہ جانتا ہوں مال سکندری کیا ہے
 خودی کی موت ہو جس میں سرور کیا ہے
 ولہ نہ شعر مرا لیا ہے شاعری کیا ہے



نہ تو زمیں کے لیے نہ آسمان کے لیے
 عیقل و دل میں شہر شعلہ محبت کے
 مقام پر شہر آہ و نالہ ہے یہ پس
 جہاں سے تیرے لیے تو نہیں جہاں کے لیے
 وہ خار و خس کے لیے ہے یہ ریتاں کے لیے
 نہ سیرِ گل کے لیے ہے نہ اشیاں کے لیے

رہے کاراویں و سبیل و فرات میں کتک
 ترا سفینہ نہ کہ ہے بھر بے لکڑی کے لیے
 نشان راہ دکھاتے تھے جوتاروں کو
 ترس گئے ہیں کسی مڑ راہ اس کے لیے
 نیکو ملت سخیں دل نواز جاں پر سوز
 یہی ہے رختِ سفر میر کا وہ اس کے لیے
 و اسی بات تھی اندیشہ عجم نے اسے
 بڑھایا ہے فقط زریں و استار کے لیے

میر کے علوم میں ہے ال نغمہ جبریل آشوب
 سنبھال کر جسے رکھتا ہے لامکاں کے لیے



تو اے میر کاں! لامکاں کے دور نہیں
 وہ جلوہ گاہ ترے خاک و اس کے دور نہیں
 وہ مرغزار کہ بنیم سزاں نہیں جس میں
 غمیں نہ ہو کہ ترے اشیاں کے دور نہیں
 یہ ہے حلاوتِ علم قلم سحر کی حیات
 خدائے جنت ہے لیکن کیا کے دور نہیں
 فضا تری مڑ پر ویں سے ہے ذرا اس کے
 قدم اٹھائے امتِ اسماں کے دور نہیں
 کہ نہ راہ نسل سے کہ چھوٹے مجھ کو

یہ بات اہر و نکتہ و اس سے دور نہیں

۳۸۰
 بال جبریل
 ۵۶



(یورپ میں لکھے گئے)

جس نے مجھ کو عطا کی نظر حکیمانہ
سکھائی عشق نے مجھ کو حدیثِ رندانہ
نہ بادہ ہے نہ صُراحتی نہ دورِ پیا
فقط نگاہ سے نکلیں ہے بزمِ جانانہ
مری نواتے پریشاں کو شاعری سمجھ
کہ میں چوں محرم از درونِ مہینہ
کلی کو دیکھ کہ ہے تشنہِ نسیمِ سر
اسی میں ہے مے دل کا تمام افسانہ
کوئی بتائے مجھے یہ عیاں ہے کہ حضور
سب نشا ہیں یہاں ایک میں چوں سبجانہ
فرنگ میں کوئی دن اور بھی ٹھہر جاؤں
مے جُسنوں کو سنبھالے الہیہِ ریانہ
مقامِ عقل سے اس کا لڑیا قبال
مقامِ شوق میں کھویا کیا وہ فرزانہ



افلاک سے اتارے مالوں کا جوابِ آخر
کرتے ہیں خطا کے آخر اٹھتے ہیں حجابِ آخر

احوال محبت میں کچھ فرق نہیں آیا
 میں سمجھ کو بتاتا ہوں تقدیر اُمم لیا ہے
 میخانہ یورپ کے دستور نرالی ہیں
 کیا وید نہ ناور کیا شوکت سموری
 خلوت لی ٹھری کزری خلوت لی ٹھری آئی
 سو تو کتاب اول سو تو کتاب آخر
 شمشیر و سناں اول طاؤس و رباب آخر
 لاتے ہیں سُر اور اول دیتے ہیں شراب آخر
 چو جاتے ہیں سب دفتر غرق مے کتاب آخر
 چھٹنے کو ہے بجلی کے غوش سحاب آخر

تھا ضبط بہت مشکل اس سیل معانی کا
 کہہ ڈالے قلند نے اسرار کتاب آخر



ہر شے مسافر، ہر چیز راہی
 تو مرد میدان، تو ملیشہ ہر
 کچھ تدر اپنی تو نے نہ جانی
 دنیائے دُوں کی کب تک عنادی
 چیر چرم کو دیکھا ہے میں نے
 کیا چاند تارے کیا مرغ و ماہی
 نوری حضور تی سیر سپاہی
 یہ بے سواوئی یہ کلم نکاہی
 یار اہم سبھی کر یا پاؤش اہی
 کروار بے سوز، گفتار و اہی



ہر چیز ہے محو خود نائی
 بے ذوق نمود زندگی، موت
 راتی زور خودی سے پرست
 تارے آوازہ و کلم ایسے
 یہ پھیلے پہر کا زور و چٹا
 تیری قندیل ہے تراول
 اک ٹو ہے کہ حق ہے اس جہاں میں
 ہیں عقدہ کشا حین اصحرا
 ہر ذرہ شہید کبریا نائی
 تعمیر خودی میں ہے حنائی
 پرست ضعف خودی سے اتی
 تختہ دیر وجود ہے جُدا نائی
 بے راز و نیاز اشنائی
 تو اُسکے اپنی روشنائی
 باقی ہے نمود سیمائی
 کلم کر کلمہ برہنہ پائی



اعجاز ہے کسی کا یا کر وشن مانا
 تعمیریاں سے میں نے یہ از پائا
 ٹوٹا ہے ایشیا میں سحر فرنگیانہ
 اہل نوا کے حق میں بجلی ہے اشیانہ

یہ بندگی خدائی، وہ بندگی کہ انی
 یا بندہ خدا بن یا بندہ زمانہ
 غافل نہ ہو خودی سے کہ اپنی پاسبانی
 شاید کسی حرم کا تو بھی ہے آستانہ
 اے لالہ کے ارث باقی نہیں ہے تجھیں
 کفایت لہو برانہ، لہو دارِ تاجہرانہ
 تیری نگاہ سے دل سینوں میں کانپتے تھے
 لکھو یا کیا ہے یہ جذبِ قلندرانہ

رازِ حرم سے شاید قہرِ سالِ باخبر ہے
 ہمیں اس کی نفست کو لے اندازِ محرمانہ



خروشنڈوں سے کیا نوچھوں کہ میری ابتدا کیا ہے
 کہ میں اس فکر میں ہوتا ہوں میری انتہا کیا ہے
 خودی کو کہ لب بند اتنا کہ ہر تہذیب سے پہلے
 خدا بندے سے خود نوچھے بتا تیری ضنا کیا ہے
 مقامِ نفست کو کیا ہے کہ میں کمی لکھوں
 یہی سوزِ نفس ہے اور میری کمی کیا ہے

نظر آئیں مجھے تقدیر کی لہریاں اُس میں
 نہ پوچھ لے ہم شمسِ مجھ سے و چشمِ مرسل کیا ہے
 اگر ہوتا وہ مجذوبِ فرنگی اس زمانے میں
 تو قبال اس کو سمجھتا مقامِ سر کیا ہے
 نوائے صبح کا ہی نے جس کو خوں کر دیا سیرا
 خدایا جس خطا کی یہ سزا ہے وہ خطا کیا ہے!



جب عشق سکھاتا ہے ادا و نیکو کا ہی
 عطار ہو رومی ہو رازمی ہو عزالی ہو
 نو میدانہ ہو ان سے لے رہبرِ فرزانہ!
 اے طائرِ لاہوتی! اُس رُزق سے مت اچھی
 کھلتے ہیں سلاسونِ اسرارِ شہنشاہی
 کچھ ہاتھ نہیں آتا بے او سحر کا ہی
 کم کوشش تو ہیں سب کین بے ذوق نہیں ہی
 جس رُزق سے آتی چو پڑ زمین و ماہی

✽ جرمنی کا مشہور مجذوبِ فلسفی نطشہ جو اپنے قلبی واردات کا صحیح اندازہ نہ کر سکا اور
 اس لیے اس کے فلسفیانہ افکار نے اسے غلط رستے پر ڈال دیا

واراہ سکندر سے وہ مرد فقیر اولیٰ
ہو جس کی فقیری میں ہوئے اسد الہی
آئین جو انمراں حق کوئی بے باکی
اللہ کے شیروں کو اتنی نہیں رہا ہی



مجھے آہ و فغان نیم شب کا پھر پیام آیا
تھمے ہر کہ شاید پھر کوئی مشکل مقام آیا
ذرا تقدیر کی لہرائیوں میں ڈوب جاتا بھی
کہ اس جنگا سے میں کچھ تیغ بے نیام آیا
یہ مصرع لکھ دیا کس شوخ نے محراب مسجد پر
یہاں گئے سجدوں میں جب وقت قیام آیا
چل اے میری غریبی کا تماشا دیکھنے والے
وہ محفل اٹھ لے جس دم تو مجھ تک ورجام آیا
دیا اقبال نے ہندی مسلمانوں کو سونپنا
یہاں مڑتے اسان تھا ہن اسان کے کام آیا

اسی اقبال کی ہیں جستجو کرتا رہا برسوں
بڑی محنت کے بعد غرور شاہین پر دام آیا



نہ ہر طغیان ششاقی تو میں چتا نہیں تھی
کہ میری زندگی کیسے یہی طغیان ششاقی

مجھے فطرت نے نواپے سے پہچان کر رکھا ہے
 وہ آتش آج بھی میرا شمع بن چکا ہے
 نہ لرا فرماں کا اندازہ اس کی تابانی سے
 دلوں میں لو لے لے لے لے لے لے لے لے لے لے
 خزاں میں بھی لے لے لے لے لے لے لے لے لے لے

اُلٹ جائیں گی تیریں لہجائیں کی تقدیر
 حقیقت ہے نہیں تیرے تخت کی یہ خلائی



فطرت کو خود کے زور پر دے کر
 تو اپنی خودی کو کھو چکا ہے
 تاروں کی فضا ہے بیکراں
 غرایں ہیں ترے چمن کی حوریں
 بے ذوق نہیں اگرچہ فطرت

تسخیرِ مستامِ زناں و بوکر
 کھوئی ہوئی شے کی جستجو کر
 تو بھی یہ مستامِ ارزو کر
 چاکِ گل و لالہ کو رفو کر
 جو اس کے نہ ہو کافوہ ٹوکر!



یہ سپرین کلیسا و حرم اے وائے مجبور می!
صلہ ان کی لہو کاوش کھائے سینوں کی بے زوی
یقین پیدا کرانے ناوان یقین سے ماتھ آتی ہے
وہ درویشی کہ جس کے سامنے جھکتی ہے مغفوری
کبھی حیرت، کبھی سستی، کبھی آج کل ٹھہری
بدلتے ہے ہزاروں رنگ میرا اور مجھ می
حد اور اسکے باہر ہیں باتیں عشق و مستی کی
سمجھ میں اس قدر آیا کہ دل کی موت ہے دُوری
وہ اپنے حسن کی سستی سے ہیں مجبور پیدائی
مری آنکھوں کی بینائی میں ہیں ایسا بے توری
کوئی تفتدیر کی منطق سمجھ سکتا نہیں
نہ تھے ترکانِ عثمانی سے کلم ترکانِ سیوسی

فقیرانِ سرم کے ہاتھ قرب ال ایک کانیچہ
میسٹر سیر سلطان کو نہیں شاہین کا فوری



تازہ پھر دانش حاضر نے کیا بحرِ قدیم
عقل عیت اپنے سو بھیس بنا لیتی ہے
عیشِ سنزل ہے غریبانِ محبتِ حیرام
ہے کراں سیرِ نسیم راحلہ و زاوے سے تو
کمز اس عین ممکن نہیں بے چوبِ سیم
عشق بے چارہ نہ ملا ہے نہ زاہد نہ حکیم
سبافرہیں بظاہر نظر آتے ہیں مقیم
کوہ و دریا سے گزر سکتے ہیں مانند نسیم
مرد و رویش کا سر یہ ہے ازاد می مرل
ہے کسی اور کی خاطر نصیبِ زوسیم



ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں
تہی زندگی سے نہیں فیضِ سائیں
ابھی عشق کے متحساں اور بھی ہیں
یہاں سیکڑوں کارواں اور بھی ہیں

قناعت نہ کر عالم زندہ ہو پر
 چمن اور بھی اشیاں اور بھی ہیں
 اگر لکھو کیا ان شے میں تو کیا نسیم
 مقاماتِ آہ و فغاں اور بھی ہیں
 تو شاہیں بے پروا رہے کام میرا
 ترے سامنے آسمان اور بھی ہیں
 اسی روز شب میں الجھ کر نہ رہا
 کہ تیرے زمان و مکان اور بھی ہیں
 کہتے دن کہ نہ تھا میںِ سخنِ بسن میں
 یہاں اب کے رازواں اور بھی ہیں



(فرانس میں لکھے گئے)

ڈھونڈ رہا ہے فرنگِ عیشِ حیاں کا دوام
 وائے تمنا تے خام وائے تمنا تے خام
 چیرم نے لہا لسنِ مری ونداو
 پُنجیتے تیرے فغانِ اپنے لے میں تھام
 تھا ارنی کو کلیسے میں ارنی کو نہیں
 اس وقتِ اضار و امجدِ چیتِ اضام
 کرچے افشا تے راز اہل نظر کی فتن
 کہچے ہفت روزہ کا تو بھی ہفت روزہ کا
 حلفتِ صوفی میں کر رہے ہو بے زوسا
 نہیں بھی ہاشنہ کام تو بھی ہاشنہ کام

عشق تری آہ، عشق تری آہ
 تو بھی بھئی نام میں بھی بھئی نام
 آہ کہ لکھو یا لکھتے تھے قریب کا راز
 ورنہ یہ مالِ فقیرِ لطفِ بوم و شام



خودی ہو علم محکم تو غیرتِ جبریل
 اگر عشق محکم تو صورتِ افسر
 عذابِ نیشِ حاضر سے باخبر ہوں میں
 کہ میں اس آل میں لایا ہوں مثلِ نسیل
 فریبِ خودِ منزل ہے کاروانِ رنہ
 زیادہ احسنِ منزل سے نہ شالِ حیل
 نظر نہیں تو مجھے سلفِ سخن میں نہ بیٹھ
 کہ نہ تھے مانے خودی میں شالِ تیغِ ایل
 مجھے دوسرے نکاح آج یاد آتے ہیں
 کہاں حضو کی لذت کہاں حجابِ لیل
 اندھیری شب ہے جد اپنے قافلے سے ہار تو
 ترے لیے مرا شعلہِ نواہرِ بیل

غریبِ سادہ زنجیریں پہستانِ حرم
 نہایت اس کی حسین ابتدا ہے اہلِ حرم





مکتبوں میں کہیں عین آئی افکار بھی ہے؟
خانقاہوں میں کہیں لذتِ اسرار بھی ہے؟
منزلِ راہِ وصال و بھی ہو شواہد بھی ہے
کوئی اس قافلے میں تافلہ سالار بھی ہے؟
بڑھ کے خیر سے میرے سرورین وطن
اس زمانے میں غنائی حشرِ ازلار بھی ہے؟
علم کی حکایت بن قدموں کے لیے
لذتِ شوق بھی ہے نعمتِ دیدار بھی ہے؟

پیرِ حیات نہ یہ کہتا ہے کہ ایوانِ فرزند
سُست بنایا بھی ہے آئینہ دیوار بھی ہے



حادثہ جو بھی پڑے منہ لاک میں ہے
عسکری کس طرحے آئینہ اور اک میں ہے
زیتارے میں گئے کروٹیں افسان میں ہے
تیر تھی تیر میرے نالہ بے مال میں ہے
یا مری آہ میں غنائی شہرِ زندہ نہیں
یا ذرا نام ابھی خیرے خوش خاشاک میں ہے
کیا مجھ پر ہی نوا ہائے کفر ہے
زندہ ہو جائے وہ آتشِ ترمی خال میں ہے

۳۹۲
بالِ جبریل
۶۸

توڑ ڈالے کی یہی خاک طلسم شب روز
گرچہ کبھی ہوئی تقدیر کے پیکار میں ہے



رہانہ حلقہ صوفی میں زمستانی	فسانہ ہائے کرامت رکھتے باقی
خراب کو شکست سلطان خانقاہ فقیر	فغاں کہ تخت بوسلی سال زرقی
مرے کی اور محشر کو شہسار اک روز	کتاب صوفی و ملائی سا وہ اوراقی
نہ چینی و سربلی وہ نہ رومی شامی	سما سکانہ و عالم میں مرد آفاقی
مے شبانہ کی مستی تو ہو چلی لکین	کھٹکٹکے ٹاپے لوں میں در شہر سیاقی
چمن میں تلخ نوائی مری لوا کر	کہ زہر بھی کبھی کرتا ہے کارِ بریاقی
عزیز تر ہے متاع امیر سلطان سے	وہ شعر جس میں ہو بلی کا سو بڑا



ہو نہ زور سے اس کے کوئی لریاں چاک
گرچہ مغربوں کا جنوں بھی تھا چالاک



مے یقین سے ضمیر حیات ہے پر نور
 عروج آدم حسانی کے منتظر ہیں تمام
 یہی مانہ جانساری کا ناست ہے کیا
 تو بے بصر ہو تو یہ مانع نہکا بھی ہے
 زمانہ تسل کو سمجھا ہوا ہے شعل راہ
 جہاں کام میراث مر مومن کی

نصیب سیرب آریب آتش ناک
 یہ کہستان سیتارے یہ سیکلوں افلاک
 مانع روشن دل تیر و نہ بے بال
 و لرنہ اک ہے مومن جہاں خوش خاشاک
 کھنجر کھنجر بنوں بھی صابہ اورال
 مرے ظلم چھپتے تھے نکتہ لوالال



یوں ہاتھ نہیں آتا وہ کو ہر ایک دن
 یا سنج و طعنہ دل کا امن جہاں لیری
 یا حیات فارابی یا تاب تب رومی
 یا عقل کی روباہی یا عشق ید اللہی
 یا شرع سلمانی یا دیر کی دربانی
 میری میں فقیری میں شاہی میں غلامی میں

یا کسی و ازادی اے سمت مروانہ
 یا مروت و سندر کے انداز ملو کا نہ
 یا فکر و حلیما نہ یا جذب و طیمانہ
 یا حیلہ و سنہری یا حملہ ترکانہ
 یا نعرہ و ستانہ یا عجب و کونٹ خانہ
 کچھ کام نہیں بنتا بے جرات زندم



نہ تخت تاج میں نہ لشکر سپاہ میں ہے
 جو بات مرو قلند کی بارگاہ میں ہے
 صنم کہ ہے چہاں اور مروت حق ہے خلیل
 نیکت وہ ہے کہ پوشیدہ لا الہ میں ہے
 وہی جہاں ہے ترا جس کو تو کہے پیدا
 یہ سنگ و خشت نہیں جو تری نگاہ میں ہے
 نہ دستار سے لگے مقام ہے جس کا
 وہ مٹت خاک ابھی وار کاں اہ میں ہے
 خبر ملی ہے حیدریان بھروسے مجھے
 فرنگ کہ لڑیل بے پناہ میں ہے
 تلاش اس کی فضاؤں میں نصیب اپنا
 جہاں تازہ مری آہ صُبح گاہ میں ہے
 مرے کہ دو غنیمت سمجھ کہ بادۂ ناب
 نہ مدرسے میں ہے باقی نہ خانقاہ میں ہے



فطرت نے نہ بخشا مجھے امیدیشہ چالاک
 رکھتی ہے طرقات پر از مری خاک
 وہ خال ہے جس کا جنوں صفتیل اور اک
 وہ خال کہ جبریل کی ہے جس کا قبا چاک

وہ خاک کے پروائے شمع نہیں رکھتی
چھتی نہیں پہنائے چمن خستہ خاک
اس خاک کو اللہ نے بخشے ہیں وہ آنسو
کرتی ہے چمک جن کی ستاروں عرق نما



کریں گے اہل نظر تازہ بستیاں آباد
مری نگاہ نہیں سونے کو فوہ و بند
یہ مدرسہ جو اسے نور و رعنائی
انھی کے دم سے بچتا ہے فنا
یہ فلسفے سے نہ ملا ہے غرض مجھ کو
یہ دل کی موت وہ اندیشہ و غم
فقیہ شہر کی تحقیق کر لیا مجال
مگر یہ بات کہ میں ٹھٹھاتا ہوں دل کی نشا
خرید سکتے ہیں دنیا میں عشرت پرور
خدا کی دین ہے ساری عین فرما
کیے ہیں فاش رموز تندرستی میں
کہ کبر و خافتا ہوا از
رشی کے فاقوں کو تازہ برہمن کا طلسم
عصانہ ہو تو ظہیمی ہے کار بے بنیاد



کی حق سے فرشتوں نے اقبال کی عمارت
گستاخ ہے کرتا ہے فطرت کی جانب دی

رومی ہے نہ شامی ہے کاشی نہ سمرقندی
اوم کو سلھاتا ہے واجبند و بدی

خالی ہے مگر اس کے انداز میں ہندو
سلھاتی فرشتوں کو اوم کی تڑپ اس نے



جیتا ہے رومی، ہمارا ہے راز حق
شاہی نہیں ہے بے شیشہ بازی
تو بھی نمی سازی میں بھی نمی سازی
جس سر کے میں ملتا ہوں غازی
صرف محبت ترک کی نہ تازی
کاغذ پلاں حسن را لہ بازی
باقی ہے جو لچھ سب خال بازی

نئے سرہ باقی، نئے سرہ بازی
روشن ہے جام شیداب تک
دل ہے سماں میں سرانہ تیرا
میں جانستاپوں انجام اس کا
ترکی بھی شیریں تازی بھی شیریں
آؤر کا پیشہ حسن را تراشی
تو زندگی ہے پائندگی ہے



وئے وہ رہو کہ ہے منتظر را حلا

گرم فغاں ہے جبریں اٹھ کہ لیا قافلہ

تیری طبیعت ہے اور تیرا زمانہ ہے اور
 تیرے موافق نہیں خالق ہی سلسلہ
 دل ہو غلامِ حسد و کالہ امامِ حسد
 اُس کی خودی ہے ابھی شام و سحر میں یہ
 تیرے نفس کی ہوتی آتش کی تیر
 سالک وہ ہوشیار بخت ہے یہ حیلہ
 کہ ہوش و اس کا ہے جس کی باں پر کلہ
 مرغِ چمن ہے یہی تیری نو اکاہلہ



مری نوا سے نچتے زندہ عارفِ عامی
 دیا ہے میں نے انھیں فوق آتشِ آشامی
 حرم کے پاس کوئی ابھی ہے مزرعِ سنج
 کہ تار تار ہوئے جسمِ مائے احرامی
 حقیقتِ ابدی ہے مقامِ شبیری
 بدلتے رہتے ہیں اندازِ کونی و شامی
 مجھے یہ ہے مقامِ مرہین و سُختہ کار بہت
 نہ رنگ لائے کہیں تیرے ٹاتھ کی خامی
 عجیب ہیں کہ مسلمان کو پھر عطا کریں
 شکوہِ سحر و جبروتِ حنیفِ دوسطامی

قبائے علم و ہنر لطفِ خاص ہے ورنہ
 ترمی نگاہ میں تھی میری ناخوش اندامی



۳۹۸
 بالِ ہبریل
 ۷۲



چاکر امت سے آگے لڑ لیا مہ نو
 لہاں کس کو میسر نہوا ہے بے تک و دو
 نفس کے زور سے و غنچہ وا نہوا بھی تو کیا
 جسے نصیب نہیں آفتاب کا پرتو
 نگاہ پاک سے تیری تو پاک ہے دل بھی
 کہ دل کو حق نے کیا ہے نگاہ کا پیہر
 پشپ کا زخیم باں میں لالہ دل سو
 کہ ساز کا نہیں ہے جہان کسٹم جو

ہے نہ ایسا غوری کے معر کے باقی

ہمیشہ تازہ و شیریں ہے نغمہ خسرو



کھونہ جا اس سحر و شام میں اے صاحبِ جوش
 اک جہاں اور بھی ہے جس میں فردا ہے نہ دوش
 کس کو معلوم ہے ہر نکامہ فردا کا مقام
 مسجد و مکتب و محنت نہ ہیں تہستے خموش

میں نے پایا ہے اُسے اشکِ گرہا ہی میں
 جس نایب کے خالی ہے صندلِ اغوش
 نئی تہ زیب تکلف کے سوا کچھ بھی نہیں
 چہرہ روشن ہو تو کیا حاجتِ گلگونہ فروش
 صاحبِ ساز کو لازم ہے کہ عنفل نہ رہے
 گلے کا ہے عنسل اس تک بھی ہوتا ہے سروش



تھا جہاں رسِ شیریں شادشاہی
 اُج آنِ جناتِ نقوش میں ہے فقط زوہا ہی
 نظر آتی نہ مجھے متافلہ سالاروں میں
 وہ شبانی کہ ہے تمہیں عظیمِ اہلی
 لذتِ نعمہ کہاں مرغِ خوش الحان کے لیے
 آہ، اس باغ میں کرتا ہے نفس کو تاہی
 ایک کستی جویرتے سر پر تاباں
 ایک کستی جویرتے تمام اکاہی

صفتِ برق چلتا ہے مرندِ بلند
 کہ بھٹکتے نہ پھر شمسِ شبِ بدای

۴۰۰
 بالِ ہبریل
 ۷۶



ہے یاد مجھے نکتہ ستارِ خوش آنک
چیتے کا جگر چاہئے شاہیں کا تخت بس
کربل و طاوس کی تقلید سے توبہ
دنیا نہیں مزانِ جفا شس کے لیے تنک
جی سکتے ہیں بے روشنی و شرفِ ہنک
بے بل فقط آواز ہے طاوس فقط زنگ!



فقر کے ہیں معجزات تاج و سیر و سپاہ
علم کا مقصود ہے پاکی عتس و خرد
علم فقیر و حکیم، فقیر مسیح و حکیم
فقر مستانِ نظر، علم مستانِ خبر
علم کا موجود اور فقیر کا موجود
فقر ہے میروں کا میر فقر ہے شاہوں کا شاہ
فقر کا مقصود ہے حقیقتِ قلب و نگاہ
علم ہے جو یاتے راہ، فقیر دانتے راہ
فقر میں سستی ثواب، علم میں سستی کناہ
اشھد ان لا الہ الا انت لا الہ!

✽ سلمان بسود و سعد سلمان - غزنوی دور کا نامور ایرانی شاعر جو غالباً لاہور میں پیدا ہوا

چڑھتی ہے جب فقر کی سان پہ تیغ خوبی
ایک سپاہی کی ضرب تہ تیغ ہے کار سپاہ
دل الہی خال میں زندہ و بیدار ہو
تیری نکتہ توڑ دے آسمان مہر و ماہ



کمال جو شہنشاہوں میں ہا میں کرم طواف
خدا کا شکر سلامت ہا حرم کا خلاف
یہ عشاق مبارک ہو مومنوں کے لیے
کہ یک زبان ہیں فقہیان شہر میرے خلاف
ترپ ہا ہے فلاطوں سیاں غیبی جھنڈ
ازل سے اہل حسد کا مقام ہے اعرف
ترے ضمیر یہ جب تک نہ ہو نزول کتاب
گر و کشا ہے نہ رازی نہ صاحب کشاف

سرور و سوز میں ناپائدار ہے ورنہ
مے فرنگ کا تہ جبر بھی نہیں ناف



شہر و ہوش و غمرو کا معاملہ ہے عجیب
مقام شوق میں ہیں سب دل و نظر کے رقیب

میں جانتا ہوں جماعت کا حشر کیا ہوگا مسائل نظری میں الجھ گیا ہے خطیب
 اگرچہ میرے شہمن کا کر رہا ہے طواف مری نوا میں نہیں طسائر حسین کا نصیب
 سنسے میں نے سخن بس ہے تکرار عثمانی سنسے کون اسے اقبال کا یہ شعر غریب

سمجھ رہے ہیں وہ یورپ کو ہم جوار اپنا
 تلے جن کے نشہ میں ہیں زیادہ قریب

قطعہ

اندازِ بیاں کرچہ بہت شوخ نہیں ہے
 شاید کہ اتر جائے ترے دل میں مری بات
 یا وسعتِ اندال میں تکبیرِ مسلسل
 یا خاک کے اغوش میں تسبیح و مناجات
 وہ مذہبِ مردانِ خود آگاہ و خدا مست
 یہ مذہبِ ملا و جمادات و نباتات



228

رہ دیکھم غافل زمانہ !
 کلپ کی ادا سودا حرا نہ !
 تبرک ہے مرا ہیرا نہ پاک
 ہیرا ہر جنوں کا یہ زمانہ !

(1) 2

فطیمہ بصر میں عوہر سنچل جا

شیرپا جانکے ساتھ علیل جا بیچ کھا کر بدل جا

سید کا سر نہایت صوفی ہنسنا حل تری گفت میں آج !

اُتھر کر جس طرف چاہے نکل جا !

۴۰۴
بیال جبریل
۸۰

رُباعیت

رہ و رسمِ حرمِ نامحسوس نہ
تبرکے مرا پیرا ہن چال
کلیسا کی ادا سو والہ نہ
نہیں اہلِ خسوں کا یہ زمانہ

ظلامِ بحر میں کھو کر سنجل جا
نہیں ساحلِ ترقی قسمت میں لے موج
تڑپ جا، پیچ کھا کھا کر بدل جا
اُبھر کر جس طرے چلے نیکل جا!

مکانی ہوں کہ آزاد مسکاں ہوں
جہاں بیٹوں کہ خود سارا جہاں ہوں
وہ اپنی لامکانی میں ہیں مست
مجھے اتنا بتا دیں میں کہاں ہوں!

خودی کی حسد توں میں لم ہا میں
خدا کے سامنے گویا نہ تھا میں
نہ دیکھا انھہ اٹھا لڑ بکودہ دو
قیامت میں کاشا بن گیا میں!

پیشاں کار و بار آشنائی
پیشاں ترمی رنگیں نوائی
کبھی میں ٹھونڈتا ہوں لذتِ وصل
خوش اتنا ہے کبھی سو جُبدائی!

یقین، خلیلِ تشنہ نشینی
یقین، اللہ ستی، خود گزینی
سُن، اے تہذیبِ باضرے گرفتار
علامی سے بتر ہے بستی

عرب کے سوز میں ساجد ہے
تہی حد تک ہے اندیشہِ غرب
حرم کار از توحیدِ اہم ہے
کہ تہذیبِ نئی ہے حرم ہے

کوئی دیکھے تو میری نوازی
نکھ الووۃ اندازِ زند
نفس ہندی مقامِ ستارہ نازی
طبیعتِ غزنوی قہرِ تازی

ہرالِ فترے میں ہے شاید مکھیں دل
اسیرِ دوش و ندر ہے لبین
اسی جلوت میں ہے خلوتِ نشیں دل
غلامِ کر و شش و انہیں دل

ترا اندیشہِ سلاکی نہیں ہے
یہ مانا اصلِ شاپہنی ہے تیری
ترمی پروازِ لولالی نہیں ہے
ترمی آنکھوں میں ہے بالی نہیں ہے

نہ مومن ہے نہ مومن کی امیری
رہا صوفی الہی روشن ضمیری
خدا سے پھر ہی قلب و نظر مانگ
نہیں ممکن ایسی بے فقیہی

خودی کی جستجو میں مصطفائی
خودی کی جستجو میں کبریا
زمین آسمان کر رہی عرش
خودی کی وہیں ہے ساری خدائی

ننگہ ابھی ہوئی ہے ننگہ بومیں
خود لکھوتی لہتی ہے چپارہ میں
نہ چھوڑے دل فغانِ صبح کا
اماں شاید ملے اللہ ٹھوٹیں

جمالِ عشق وستی نے نوازی
جمالِ عشق وستی بے نیازی
کمالِ عشق وستی طرفِ حیدر
زوالِ عشق وستی حرفِ ازی

وہ میرا رونق محفل کہاں ہے مری بلی مرا حاصل کہاں ہے
مقام اس کا پئے دل کی خدمتوں میں خدا جانے مست اہل کہاں ہے

سوارِ مات و محمل نہیں میں نشانِ جاوہ ہوں منزل نہیں میں
مری تقدیر ہے حنا اشال سوئی فقط بجلی ہوں میں چال نہیں میں

ترے سینے میں دم نئے دل نہیں ہے تراؤم کرمی محفل نہیں ہے
گزر جاتل سے آگے کہ یہ نور چراغِ راہ ہے منزل نہیں ہے

ترا جو ہر ہے نور میں پاک ہے تُو سرِ رخِ دیدہ افلاک ہے تُو
ترے صبرِ یوں انفرشتہ تُو کہ شاہینِ شہِ لولاک ہے تُو

محبت کا جنوں باقی نہیں ہے
مسلمانوں میں جو باقی نہیں ہے
صفیں کج دل پریشان سجدے بے وقوف
کہ جذب اندروں باقی نہیں ہے

خودی کے زور سے یہ سپاہ چاہا
مستم گناہ بوجہ کار ز پاہا
بڑھکے مسائل اشنارہ
کعبہ احل سے من لھنیچا ہا

چمن میں خست گل شبنم سے رہا
سمن ہے سبز ہے بادِ سحر ہے
مگر ہنگامہ ہو سکتا نہیں گرم
یہاں کالہ بے سوز جگر ہے

خروسے اہر روشن صبح ہے
خروسے کی ہے چراغِ راز ہے
درونِ جناہ ہنگامے ہیں لیا لیا
چراغِ رہ لزر کو کی خبر ہے

جوانوں کو مری آہِ سرے
پھرن شاہین بچوں کو بال پرے
خدایا! از رو سیری ہی ہے
مرانور بصیرت عام کروے

ترمی دنیا جہان مرغ و ماہی
مری دنیا فغانِ جگہاہی
ترمی دنیا میں محکوم و مجبور
مری دنیا میں تیری پاؤں شاہی!

کرم یہ کہ بے جوہر نہیں ہیں
غلامِ نعلِ خوب نہیں ہیں
جہاں اپنی مری فطرت ہے لیکن
کسی بیشکِ عدت نہیں ہیں

وہی اصل مکانِ لامکاں ہے
مکانِ مٹا شے ہے اندازِ بیاں ہے
خضرِ کنویر بتائے، کیا بتائے
الکرماہی کے دریا لہاں ہے

کبھی آوارہ و بے خانماں عشق کبھی شاہ شہماں نوشیرواں عشق
کبھی میدان میں آتائے پہرہ پوش کبھی عریان و بی تنع و سناں عشق!

کبھی تنہائی کوہ و دمن عشق کبھی سوز و سُرور و انجمن عشق
کبھی ساریہ محراب و منبر کبھی ہولاشلی خیر شکن عشق!

عطا اسلاف کا جذبہ و رُوس کر شریکِ زمرد لائیکِ نزنوں کر
خرو کی گتھیاں سلجھا چکا میں مرے مولا مجھے صاحبِ جنوں کر!

نیکت میں کیجا بوجھ کہ جاں تہی نہیں کہ بدن سے
چماک سوج میں کیا باقی ہے لی اگر بسینار ہو اپنی گردن سے!

۲۱۲
بالِ جبریل
۸۸

خرد واقف نہیں ہے نیک و بد
بڑھی جاتی ہے طغالم اپنی حد
خدا جانے مجھے کیا ہو کیا ہے
خرد بیزار دل سے دل خرد سے!

خدا کی اہم شک و ترے
وہیکن بندگی استغفرا
خداوند اجنادی در دوسرے
یہ در دوسر نہیں در دوسر ہے

یہی آدم ہے سلطان محروم کا
نہ خود بین نے خدا بین نے جہان میں
کہوں کیا جا بس اس بے بصر کا
یہی شہکار ہے تیرے ہنر کا!

وہ عارف زہیم جہم ہے
الہ کوئی شعیب اسے میسر
اسی سے ریشہ معنی میں نم ہے
شہابی سے طہیمی وقت دم ہے

رکوں میں وہ لہو باقی نہیں ہے وہ دل وہ آرزو باقی نہیں ہے
نہ از روزہ و تبرانی وج یہ باقی ہیں تو باقی نہیں ہے

کھلے جاتے ہیں اسرارِ نہانی کیا دورِ حدیثِ لُن ترانی
ہوئی جس کی خودی پہلے نمودا وہی سدی وہی آخرِ زمانی

زمانے کی یہ گردشِ جاودا حقیقت ایک تو باقی فسانہ
کسی نے دوشِ کھلیا ہے نہ فردا فقط امروز ہے یہ سیرِ زمانہ

حکیمی نہاسلمانی خودی کی حکیمی رمزِ نہاسلمانی خودی کی
تجھے گرفتِ وِشاہی کا بتا دوں غریبی میں نہاسلمانی خودی کی

ترا تن رُوح سے نا آشنا ہے عجب کیا! او تیری نار ہے
تن بے رُوح سے بیزار ہے حق خدائے زندہ زندوں کا خدا ہے

قطرہ

اقبال نے کل اہل خیاں کو سنایا
یہ شعرِ شاط اور وُپر سوز و طربِ نال
میں صُورِ ستِ گل و ستِ صبا کا نہ محبتِ ج
کرتا ہے مرا جو شرسِ جنوں میری قُبِ اچال

دعا
مسجدِ قطبہ میں لکھی گئی

ہے یہی میری نماز ہے یہی میرا وضو
میری نواؤں میں ہے رے جگر کا لہو !
صحبتِ اہل صفا نور و حضور و سرور
سرخوش و پریوز ہے لالہ لبِ آبجو
راہِ محبت میں ہے کون کسی کا رفیق
ساتھ ہے گئی ایک مری آرزو !
میرا شمع ہیں درگاہِ میر و وزیر
میرا شمع ہیں بھی تو شاخِ شمع بھی تو !
تھمے گریباں مرا مطلعِ صبحِ شہور
تھمے مے سینے میں آتشِ اللہ عو !

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَع

(مسجدِ قطب میں لکھی گئی)

ہے یہی میری ناز ہے یہی میرا وضو
میری نواؤں میں ہے میرے جگر کا لہو
صحبتِ اہلِ صفت، نور و حضور و سرور
سرخوش و پرسوز ہے لالہ لبِ آبِ جو
راہِ محبت میں ہے کون کسی کا رشتیق
ساتھ مرے رہ کتنی ایک مری آرزو
میرا نشیمن نہیں در کہ میرا وزیر
میرا نشیمن بھی تو شاخِ نشیمن بھی تو

تجھ سے کرباں مرا طبع صبح نشور
 تجھ سے مرے سینے میں آتش اُٹھو
 تجھ سے مری زندگی سوز و تب و درد و داغ
 تُو ہی مری آرزو، تُو ہی مری جستجو
 پاس اگر تُو نہیں، شہر ہے ویران تمام
 تُو ہے تو آباد ہیں اجڑے ہوئے کاغذ و کو
 پھر وہ شہابِ کائنات مجھ کو عطا کر کہ میں
 ڈھونڈ رہا ہوں اُسے توڑ کے جام و سُبُو
 چشمِ کرم سا قیام دیر سے نہیں منتظر
 جلدوتیوں کے سبُو، جلدوتیوں کے لڑو
 تیری حنائی سے ہے میرے جنوں کو رکھ
 اپنے لیے لامکانِ میرے لیے چار سُوا
 فلسفہ و شعر کی اور حقیقت ہے کیا
 حرفِ تنہا جسے کہ نہ سکیں روبرو

۲۱۸

بالِ حبریل

۹۴

مسجد قرطبہ

(ہسپانیہ کی سرزمین، بالخصوص قرطبہ میں لکھی گئی)

سلسلہ روز و شب، نقشِ کر حادثات
سلسلہ روز و شب، اصلِ حیات و ممات
سلسلہ روز و شب، تارِ سرِ پرو رنگ
جس سے بنائی ہے ذاتِ اپنی قبائے صفات
سلسلہ روز و شب، سازِ ازل کی فغان
جس سے دکھائی ہے ذاتِ زیر و بمکنات
تجھ کو پرکھتا ہے یہ مجھ کو پرکھتا ہے یہ
سلسلہ روز و شب، صہیرِ فی کائنات
تو ہوا لکھ عیار، میں ہوں لکھ عیار
موتے تیری برات، موتے میری برات

تیرے شب و روز کی اور حقیقت ہے کیا
 ایک زمانے کی روح جس میں نہ دن ہے نہ رات
 انی وفانی تمام مجبوزہ ہاتھ ہنر
 کار جہاں سبے ثبات، کار جہاں سبے ثبات!
 اول و آخر فنا، باطن و ظاہر فنا
 نقش کھن ہو کہ نو، مسنزل آخر فنا
 ہے مگر اس نقش میں زنا سب ثبات دوام
 جس کو کیا ہو کسی مروجہ دلنے تمام
 مروجہ کا عمل عشق سے صاحب ہے مرغ
 عشق ہے اصل حیات، موت ہے اس پر حرام
 تند و سبک سیر ہے لہر پہ نہ ملنے کی رو
 عشق خوال سہیل ہے سہیل کو لیتا ہے تمام
 عشق کی تقویم میں عصا رواں کے سوا
 اور زمانے بھی ہیں جن کا نہیں کوئی نام

عشق دمِ جبریل، عشق دلِ مصطفیٰ
 عشق خدا کا رسول، عشق خدا کا کلام
 عشق کی مستی سے ہے پیکرِ گل تابناک
 عشق ہے صہبائے خام، عشق ہے کائناتِ کرام
 عشق فقیرِ حرم، عشق امیرِ جنود
 عشق ہے ابنِ اسبیل، اس کے ہزاروں مقام
 عشق کے مضراب سے نغمہٴ تارِ حیات
 عشق سے نورِ حیات، عشق سے نارِ حیات
 اے حرمِ قرطبہ! عشق سے تیرا وجود
 عشق سے لپا دو امِ جس میں نہیں رفت و بود
 رنگ ہو یا خشت و سنبل چنک ہو یا حرف و صوت
 معجزہٴ فن کی ہے خونِ جگر سے نمود
 قطرہٴ خونِ جگر سل کو بناتا ہے دل
 خونِ جگر سے صد سوز و سُور و سرود

تیری فضا دل منور، میری نوا سینہ سوز
 تجھ سے دلوں کا حضور، مجھ سے دلوں کی کشود
 عرشِ معلیٰ سے کم سینہ آدم نہیں
 لہرِ کفِ خال کی حد ہے سپہرِ کبود
 پیکرِ نوری کو ہے جہدہ میسر تو لب
 اس کو میسر نہیں سوز و لہذا زبجو
 کافر ہندی ہوں میں، دیکھ مرا ذوق و شوق
 دل میں صلوٰۃ و درود، لب پہ صلوٰۃ و درود

شوق مری لے میں ہے، شوق مری نے میں ہے
 نعمۃ اللہ ہو میرے رل و پے میں ہے
 تیرا جلال و جمال، مرد خدا کی دلیل
 وہ بھی حسین و سید، تو بھی حسین و سید
 تیری بنا پائدار تیرے ستوں بے شمار
 شام کے صحرا میں ہو جیسے ہجومِ نخیل

تیرے درو بام پر واوی امین کا نور
 تیرا منہ بٹ جلاوہ کہ جب تیرے
 منہ نہیں سکتا کبھی مردِ سماں کہ ہے
 اس کی اذانوں سے فاش سیرِ ظہیم و خلیل
 اس کی زمیں بے حدود، اس کا اُفق بے ثغور
 اس کے سمندر کی موج، و جلد و نیوب و سیل
 اس کے زمانے عجیب، اس کے فسانے غریب
 عہدِ کهن کو دیا اس نے پیامِ حسیل
 ساقیِ اربابِ فوق، فارسِ میدانِ شوق
 بادہ ہے اس کا رقیق، تیغ ہے اس کی اسیل
 مردِ سپاہی ہے وہ، اس کی زردہ 'لا الہ'
 سایہ شمشیر میں اس کی پنہ 'لا الہ'
 تجھ سے ہوا آشکار بندہ مومن کا راز
 اس کے دنوں کی پیش، اس کی شبوں کا لہاز

اس کا مستام بلند، اس کا خیال عظیم
 اس کا سرور اس کا شوق، اس کا نیاز اس کا ناز
 ہاتھ سے اللہ کا بندہ مومن کا ہاتھ
 غالب و کار انہیں، کارشا، کار ساز
 خالی و نوری نہاد، بندہ مولا صفات
 پرو و جہاں سے غنی اس کا دل بے نیاز
 اس کی نہیں قلیل، اس کے مقاصد حلیل
 اس کی ادا دل فریب، اس کی نلہ دل نواز
 رزم و کرم، کرم و ہم جستجو
 رزم ہو یا بزم ہو، پاک دل و پاک بابا
 نقطہ پر کار حق، مروجہ خدا کا یقین
 اور یہ عالم تمام وہم و طلسم و مجاز
 عقل کی منزل ہے وہ عشق کا حاصل ہے وہ
 حلقہ آفاق میں کرمی محفل ہے وہ

کعبہ اربابِ فن! سطوتِ دین نہیں
 تجھے جسے سرم مرتبت اندھیوں کی زمیں
 ہے تہ کروں اگر حسن میں تیری نظیر
 قلبِ سلماں میں ہے اور نہیں ہے کہیں
 اہ وہ مردانِ حق! وہ عربی شہسوار
 حائلِ خلقِ عظیم، صاحبِ صدق و یقین
 جن کی حکومت ہے فاشس یہ رمزِ غریب
 سلطنتِ ایلِ دل فست ہے شاہی نہیں
 جن کی نگاہوں نے کی تربیتِ شرق و غرب
 ظلمتِ یورپ میں تھی جن کی سنڈراہ ہیں
 جن کے لہو کی طفسیل آج بھی ہیں اندھی
 خوش دل و گرم اختلاط، ساوہ و روشن جبیں
 آج بھی اس دیس میں عام ہے چشمِ غزال
 اور نگاہوں کے تیر آج بھی ہیں دل نشیں

نُوتے ہیں آج بھی اس کی ہواؤں میں ہے
زنگِ حجاز آج بھی اس کی نواؤں میں ہے

ویدۂ انجسم میں ہے تیری زمیں، آسماں
اے کہ صدیوں سے ہے تیری فضا بے ازاں
کون سی وادی میں ہے کون سی منزل میں ہے
عشقِ بلاخیز کا فتانِ سخت جاں
دیکھ چکا المنی، شورِ شاہِ صلاح دین
جس نے نہ چھوٹے نہیں شش لہن کے نشان
حرفِ غلط بن گئی عصمتِ پیرِ کُشت
اور ہوئی فکر کی کشتیِ نازکِ رواں
چشمِ فراسِ بے بھی دیکھ چکی نعمتِ سلاب
جس سے دل لگوں ہوا منہ بیوقوفِ جہاں
ملتِ رومی نثارِ کُشتِ پرستی سے پیر
لذتِ تجدید سے وہ بھی ہوئی پھر جہاں

۲۲۶

بالِ جبریل

۱۰۲

رُوحِ سلماں میں ہے آج وہی اضطراب
 رازِ حنائی ہے یہ، کہ نہیں سکتی زباں
 دیکھیے اس بحر کی تر سے اچھلتا ہے کیا
 گنبدِ نیلوفرِ سری رنگ بدلتا ہے کیا
 وادی کہسار میں غرقِ شفق ہے سحاب
 نعلِ بدخشاں کے ڈھیر چھوڑ کیا فستاب
 ساوہ و پُرسوز ہے دخترِ دھتاں کالیت
 کشتیِ دل کے لیے سہیل ہے عہدِ شباب
 آبِ و ابنِ کلبِ سیرِ باتیرے لنگے کوئی
 دیکھ رہا ہے کسی اور زلمے کا خواب
 عالمِ نو ہے ابھی پروۃِ تقدیر میں
 میری نکاحوں میں ہے اس کی سحر بے حجاب

• وادِ آبِ سیر، قُربہ کا مشہور دریا جس کے قریب ہی مسجدِ قُربہ واقع ہے

پروہ اُبھٹا دوں اگر چہ سہرا افکار سے
 لائن کے کافر نام میری نواؤں کی تاب
 جس میں نہ ہو تلاب موت ہے وہ زندگی
 رُوح اُنم کی حیات کشمکش انقلاب
 صورتِ شمشیر ہے سب قضا میں وہ قوم
 کرتی ہے جو ہر زمان اپنے عمل کا حساب
 نقش ہیں سب نام تمام خونِ جگر کے بغیر
 نغمہ ہے سودائے خام خونِ جگر کے بغیر

قید خانے میں مستعد کی فریاد

معتمد شبیلیہ کا بادشاہ اور عربی شاعر تھا یہ سپانسل کے ایک حکمران نے اس کو شکست دے کر قید میں
 ڈال دیا تھا۔ معتمد کی نظمیں انگریزی میں ترجمہ ہو کر روزنامہ آف دی ایسٹ میں شائع ہو چکی ہیں۔
 اک فن ان بے شر سینے میں باقی رہ گئی
 سوز بھی رخصت ہوا، جاتی رہی تاشیر بھی

مردِ سرزنداں میں ہے بے نیزہ و شمشیر آج
 میں شیاں ہوں شیاں ہے مری تدبیر بھی
 خود بخود زنجیر کی جانب کھینچا جاتا ہے دل
 تھی اسی فولاد سے شاید مری شمشیر بھی
 جو مری تیغ و دودم تھی، اب مری زنجیر ہے
 شوخ و بے پروا ہے کتنا خالقِ تفتدیر بھی!
 عبد الرحمن اول کا بویا ہوا لہجور کا پہلا درخت

سرزین اندلس میں

یہ اشعار جو عبد الرحمن اول کی تصنیف سے ہیں تاریخِ اقصیٰ میں درج ہیں۔ مندرجہ ذیل
 اردو نظم ان کا آزاد ترجمہ ہے (درختِ مذکور مدینۃ الزہراء میں بویا گیا تھا)

میری آنکھوں کا نور ہے تُو میرے دل کا سرور ہے تُو
 اپنی وادی سے دُور ہوں میں میرے لیے نخلِ طور ہے تُو
 مغرب کی چوٹ نے تجھ کو پالا صحرائے عرب کی خور ہے تُو

پرویس میں ماصبور ہوں میں پرویس میں ماصبور ہے تُو

غربت کی ہوا میں بارور ہو

ساتی تیرا نیم سحر ہو

عالم کا عجیب ہے نظارہ دامانِ نغمہ ہے پارہ پارہ

ہمت کو شناساوری مبارک! پیدا نہیں سحر کا کنارہ

ہے سوزِ دروں سے زندگانی اٹھتا نہیں خاک سے شرارہ

صبحِ غربت میں اور چمکا ٹوٹا ہوا شام کا ستارہ

مومن کے جہاں کی حد نہیں ہے

مومن کا مت نام ہر کہیں ہے

ہسپانیہ

(ہسپانیہ کی سرزمین میں لکھے گئے)

(واپس آتے ہوئے)

ہسپانیہ تُو خونِ سلاں کا امیں ہے

مانندِ حرمِ پاک ہے تُو میری نطنس میں

۲۳۰

بالِ ہبریل

۱۰۶

پوشیدہ تری خاک میں سجدوں کے نشاں ہیں
 خاموش اذانیں ہیں تری بادِ سحر میں
 روشن تھیں ستاروں کی طرح ان کی سناہیں
 خیمے تھے کبھی جن کے ترے کوہ و کمر میں
 پھر تیرے سینوں کو ضرور تیرے جنا کی؟
 باقی ہے ابھی رنکے کے خونِ جگر میں!
 کیونکر حسن و خاشاک سے دب جائے مسلمان
 مانا، وہ تب و تاب نہیں اس کے شرر میں
 عنبرِ ناطق بھی دیکھا مری آنکھوں نے لیکن
 تکین مسافر نہ سفر میں نہ حضر میں
 دیکھا بھی دکھایا بھی سنا یا بھی سنا بھی
 ہے دل کی تسلی نہ نطنز میں نہ خبر میں!



طارق کی دعا

(اندلس کے میدان جنگ میں)

عین زمی تیرے پر اسرار بندے
جنہیں تونے بخشا ہے ذوقِ خدائی
دو نیم ان کی ٹھوکر سے صحرا دوریا
سمٹ کر پہاڑ ان کی ہیت سے آئی
دو عالم سے کرتی ہے سیکانہ دل کو
عجب چیز ہے لذتِ آشنائی
شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مومن
نہ مال غنیمت نہ کشورِ ثانی

خیاباں میں ہے منتظر لالہ لب سے
قبا چاہیے اس کو خونِ عرب سے

کیا تونے صحرا شینوں کو ملکیت
خبر میں نطنز میں اذانِ سحر میں
طلب جس کی صدیوں سے تھی ندلی کو
وہ سوز اس نے پایا انھی کے جگر میں
کشا و درِ دل سمجھتے ہیں اس کو
ہلاکت نہیں موتان کی نطنز میں
دل مردِ مومن میں پھر زندہ کر دے
وہ بجلی کہ تھی برقِ لا تذر میں
عزائم کو سینوں میں بیدار کر دے
نگاہِ سماں کو تلوار کر دے

لینن (خدا کے حضور میں)

اے نفسِ آفاق میں پیدا ترے آیات
حق یہ ہے کہ ہے زندہ و پائندہ تیری فطرت
میں کیسے سمجھتا کہ تو ہے یا کہ نہیں ہے
ہر دم متغیر تھے حسد کے نظریات
محرم نہیں فطرت کے سر و اذلی سے
بنیائے کو الگ ہو کہ دانائے نباتات
آج آنکھ نے دیکھا تو وہ عالم ہوا ثابت
میں جس کو سمجھتا تھا کلیسا کے خرافات
ہم بندِ شب و روز میں جلتے ہوئے بندے
تو حنا لہقِ اعصار و نگارندۂ آفات!

اک بات اگر مجھ کو اجازت ہو تو پوچھوں
 حل کرنے کے جس کو علمیوں کے مقالات
 جب تک میں جیسا کہ افلاک کے نیچے
 کھنڈے کی طرح دل میں کھٹکتی رہی یہ بات
 گفتار کے اسلوب یہ قانون نہیں رہتا
 جب روح کے اندر مست لاطم ہوں خیالات
 وہ کون سا آدم ہے کہ تو جس کا ہے سبود
 وہ آدم حنالی کہ جو ہے زیر مساوات؟
 مشرق کے حنداوند سفیدان مندرلی
 مغرب کے حنداوند خوشندہ فلزات
 یورپ میں بہت روشنی علم و ہنر ہے
 حق یہ ہے کہ بے چشمہ حیواں ہے یہ ظلمات
 عین انی تعمیر میں رونق میں صفا میں
 کہ جو جس سے کہیں بڑھ کے ہیں شکوں کی عمارات

۲۳۲
 بالِ جبریل
 ۱۱۰

ظاہر میں تجارت ہے حقیقت میں جوا ہے
 سود ایک کالاکھوں کے لیے مرل مفاجات
 یہ علم، یہ حکمت، یہ تدبیر، یہ حکومت
 پیتے ہیں لہو، دیتے ہیں تسلیم مساوات
 بے کاری و غریانی و مے خواری و افلاس
 کیا کم ہیں منہ نگی مدہنیت کے مستوحات
 وہ قوم کہ فیضانِ سماوی سے چومحسروم
 حد اس کے کمالات کی ہے برق و بخار آت
 ہے دل کے لیے موت شینوں کی حکومت
 احساسِ مروت کو نچل دیتے ہیں آلات
 آثار تو کچھ کچھ نطن سر آتے ہیں کہ اس
 تدبیر کو تقدیر کے شطرنج کیامات
 مینے کی بنیاد میں آیا ہے نزلزل
 بیٹھے ہیں اسی منکر میں پیرانِ خرابات

چہروں پہ جو سرخی نطن آتی ہے شرم
 باعثِ ازہ ہے یا باعثِ رومیائی کرامات
 توفیق اور وعادل ہے مگر تیرے جہاں میں
 ہیں تلخ بہت بندہٴ مزدور کے اوقات
 کب ڈوبے گا یہ پستی کا سینہ؟
 دنیا ہے تری منتظرِ روزِ مکافات !

فرشتوں کا لیت

عقل ہے بے زمام ابھی عشق ہے بے مقام ابھی
 نقشِ کرازل ! ترا نقش ہے تہام ابھی
 خلقِ خدا کی لحات میں رند و فقیر
 تیرے جہاں میں ہے وہی کروشِ صبح و شام ابھی
 تیرے مہرِ مالِ مست تیرے فقیرِ حالِ مست
 بندہ ہے کوچہ گرو ابھی خواجہ بلندِ بام ابھی

دانش دین و علم و فن بندگی ہو ستم
عشق کرہ نشائے کافض نہیں ہے عام ابھی
جو ہر زندگی ہے عشق جو ہر عشق ہے خودی
اہ کہ ہے یہ تیغ تیز پردگی نیام ابھی!

فرمانِ خدا (فرشتوں سے)

اٹھو! مری دنیا کے غریبوں کو جلا دو
کرماؤ غلاموں کا لہو سوزِ یقیں سے
سلطانیِ بسہور کا آئینہ ہے زمانہ
جس کھیت سے ہفتاں کو میسر نہیں روزی
کیوں خالق و مخلوق میں حائل رہیں پردے
حق را بسجود سے صہماں را بطولِ ف
میں ناخوش و بیزار نہوں مہر کی سلوں سے
تہذیبِ نوئی کا رُہِ شیشہ کراں ہے
کاخِ اُمرا کے در و دیوارِ ہلا دو
کنجشکِ فرومایہ کو شاہیں سے لڑا دو
جو نقشِ کُہن تم کو نظر آئے، مٹا دو
اُس کھیت کے ہر خوشہ لندم کو جلا دو
پیرانِ کلیسا کو کلیسا سے اٹھا دو
بہتر ہے چراغِ حرم و دیرِ بجا دو
میرے لیے مٹی کا حرم اور بنا دو
آدابِ جنوں شاعرِ مشرق کو بکھا دو

دوق و شوق

(ان اشعار میں سے اکثر فلسطین میں لکھے گئے)

’در پنج آدم زان ہمہ بوستان تھی دست رفیق سوائے دوستان‘

قلبِ وطن کی زندگی وشت میں صبح کا سماں
چشمہ آفتاب سے نور کی ندیاں رواں
حسنِ ازل کی ہے نمود، چاک ہے پردۂ وجود
دل کے لیے ہزار شود ایک نگاہ کا زیاں
سُرخ و لبو و بدلیاں چھوڑ کیا سحابِ شب
کوہِ اہم کو دے کیا زنب بزنکِ طلیساں
کرو سے پاک ہے ہوا، برگِ نخیل وصل کئے
ریاکِ نواح کا طمہ نرم ہے شلِ پریاں
اک بجھی ہوئی اجڑے ٹوٹی ہوئی طنابِ اوصہر
کیا خبر اس مقام سے کز رہے ہیں کتنے کارواں

۲۳۸
بالِ جبریل
۱۱۲

اتنی صدا ہے جبریل تیرا مسم ہے یہی
 اہل سراق کے لیے عیشیں دوام ہے یہی
 کس سے کہوں کہ زہر ہے میرے لیے مے حیات
 گنہ ہے بزم کائنات، تازہ ہیں میرے وار و آ
 کیا نہیں اور غم ز نوی کار کہ حیات میں
 بیٹھے ہیں کب سے منتظر اہل حرم کے سوتا
 ذکرِ عرب کے سوز میں فنِ کرم کے ساز میں
 نے عربی مشاہدات، نے عجمی تختِ لا
 قافلہ حجاز میں ایک حسین بھی نہیں
 کرچہ ہے تاب دار ابھی کیسے و جلد و فرا
 عقل و دل و نگاہ کا مرشدِ اولیں ہے عشق
 عشق نہ ہو تو شرع و دین بُت کدہ تصور ات

صدقِ خلیل بھی ہے عشق، جبریل بھی ہے عشق
 مسم کہ وجود میں بدر و حنین بھی ہے عشق

ایہ کائنات کا مہسنی ویریاں تو
 نکلے تری ملاش میں قافلہ ہائے رنگ و بو
 جلو تیان مدرسہ کو رنگاہ و مردہ ذوق
 جلو تیان مے لدہ لم طلب و تہی لدو
 میں کہ مری غزل میں ہے آتشِ رفتہ کا سراغ
 میری تمام سرگزشت کھوئے ہوؤں کی جستجو
 باوجود سبکی موج سے نشوونمائے خار و خس
 میرے نفس کی موج سے نشوونمائے آرزو
 خونِ دل جو کمر سے ہے میری نوا کی پرورش
 ہے رک ساریں رواں صاحب ساز کا لہو
 فرصتِ شمشاد مدہ ایں دل بے قرار را
 یک دوشکن زیادہ کن کیسے تابدار را
 نوح بھی تو، تسلیم بھی تو، تیرا وجود الکتاب
 گنبدِ ابلہ زندہ رنگ تیرے محیط میں حباب

۴۴۰

بالِ جبریل

۱۱۶

عالم آب و خاک میں تیرے ظہور سے فروغ
 فترۂ ربیک کو دیا تو نے طلوعِ آفتاب
 شوکتِ سحر و سیم تیرے حبِ لال کی نمود
 فقرِ حسیں و بایزید تیرے اجمالِ بے نقاب
 شوقِ ترا کر نہ ہو میری نماز کا امام
 میرا قیام بھی حجابِ میرا سجود بھی حجاب
 تیرے نکاحِ ناز سے دونوں مراد پا گئے
 عقلِ غیاب و جستجو، عشقِ حضور و اضطراب
 تیرے وتار ہے جہاں کروشنِ آفتاب کے
 طبعِ زمانہ تازہ کر حبِ لولہ بے حجاب کے
 تیری نظر میں ہیں تمام میرے گزشتہ روز و شب
 مجھ کو خبر نہ تھی کہ ہے علمِ نخیل بے رطب
 تازہ مرے ضمیر میں سر کہ لہنِ ہوا
 عشقِ تمامِ مصطفیٰ عقلِ تمامِ بولہب

گاہ بچیدہ می برد، گاہ بزور می کشد
 عشق کی ابتدا عجب، عشق کی انتہا عجب
 عالم سوز و ساز میں وصل سے بڑھ کے ہے فراق
 وصل میں مرکبِ آرزو، سحر میں لذتِ طلب
 عینِ وصل میں مجھے جو حسدِ نظر نہ تھا
 کہ چہ بہانہ جو رہی یہ سیرِ نکاحِ ادب
 کہ میری آرزو فراق، شورِ شیں ہلے وہ فراق
 موج کی جستجو فراق، قطرے کی آبرو فراق!

پروانہ اور جنگنو

پروانے کی منزل سے بہت دور ہے جنگنو
 پروانہ کیوں آتشِ بے سوز پہ مغرور ہے جنگنو

اللہ کا شکر کہ پروانہ نہیں میں درِ یوزہ کبر آتشِ بیگانہ نہیں میں

جاوید کے نام

خودی کے ساز میں ہے غمِ جاویدان کا سُراغ
خودی کے سوز سے روشن ہیں اُمتوں کے چراغ
یہ ایک بات کہ آدم ہے صاحبِ مقصود
ہزار کو نہ منہ روغ و ہزار کو نہ منہ راغ
ہوتی نہ ز راغ میں پیدا بلند پروازی
غراب کر لیتی شاہیں نیچے کو صحبتِ ز راغ
جیا نہیں ہے زمانے کی آنکھ میں باقی
خدا کرے کہ جوانی تری رہے بے داغ
ٹھہرے سکانہ کسی حنِ نقاہ میں اقبال
کہ ہے ظریف و عوش اندیشہ و شکفتہ و مانغ



کداتی

مے کدے میں ایک دن اک زندہ زیرک نے کہا
ہے ہمارے شہر کا والی کداتے بے حیا
تاج پہنایا ہے کس کی بے کلاہی نے اسے
کس کی عزت بانی نے بخش ہے اسے زریں قبا
اس کے لب لالہ لوں کی خون بہت سے کشید
تیرے کھیت کی مٹی ہے اس کی لیمیا
اس نے نعمت خانے کی ہر چہ بے زمانگی ہوتی
وینے والا لون ہے مردِ غریب و بے نوا
ماننے والا کدایے صدقہ ماننے یا خراج
کوئی ماننے یا نہ ماننے میر و سلطان سب کدایا

(ماخوذ از انور سی)

۴۴۴
بال جبریل
۱۲۰

ملا اور بہشت

نہیں بھی حاضر تھا وہاں ضربِ سخن کرنے کا
 حق سے جب حضرت ملا کو ملا حکم بہشت
 عرض کی میں نے، الہی! مری تقصیرِ کبر
 خوش نہ آئیں گے اسے حور و شراب و لب کشت
 نہیں فرو دوس مقامِ بدل و تال و اقول
 بحث و تکرار اس اللہ کے بندے کی شست
 ہے بد آموزی اقوام و ملل کام اس کا
 اور جنت میں نہ مسجد نہ کلیسا، نہ گنشت!

دین و دنیا

کلیسا کی بنیاد و رہبانیت تھی سما کی کہاں اس فقیری میں میری
 خصوصیت تھی سلطانی و راہبی میں کہ وہ سر بلند ہی ہے یہ سربزیری

سیاست نے مذہب سے سمجھا چھڑایا چلی کچھ نہ چلی کھلیا کی پیروی
 ہوتی دین دولت میں جس دم جدائی ہو س کی اسی سری ہو س کی وزیری
 دوئی ملک دوس کے لیے نامرادی دوئی چشم تہذیب کی نابھیری
 یہ عجز ہے ایک صحرا شیر کا بشیری ہے اسینہ دارندیری!

اسی میں حفاظت ہے انسانیت کی
 کہ ہوں ایک خستیدی ارو شیری

الارض للہ!

پاست ہے بیج کو مٹی کی تاریکی میں کون
 کون دریاؤں کی موجوں سے اٹھاتا ہے سحاب؟
 کون لایا کھینچ کر پچھترسم سے بادِ سازگار
 خال کیس کی ہے کس طے یہ نورِ آفتاب؟
 کس نے بھروی موتیوں سے خوشہ کندم کی جیب
 موسموں کو کس نے سکھلاتی ہے غم سے انقلاب؟

وہ خدا یا! یہ زمین سیری نہیں تیری نہیں
تیرے آبا کی نہیں تیری نہیں تیری نہیں

ایک نوجوان کے نام

ترے صوفے ہیں افرنکی، ترے تالین ہیں ایرانی
لو مجھ کو رلاتی ہے جانوں کی تن آسانی
امارت کیا، شکوہ خسرو بھی ہو تو کیا حاصل

نہ زور سیدی تجھ میں نہ استغنائے سلطانی
نہ ڈھونڈ اس پینر کو تہذیبِ خضر کی جستلی میں
کہ پایا میں نے استغنا میں سرِ سلطانی

عقابی رُوح جب بیدار ہوتی ہے جانوں میں
نظر آتی ہے اس کو اپنی منزلِ آسمانوں میں
نہ جو نو بید، نو بیدِ نوالِ علم و فن ہے
انیسِ مردِ مومن ہے خدا کے رازدانوں میں

نہیں تیرا دشمن قصرِ سلطان کے کنسبد پر
تو شاہیں ہے بسیرا لڑ پہاڑوں کی چٹانوں میں

نصیحت

بچہ شاہیں کے کہتا تھا عقاب سالخورد
اے ترشہ سپر ایساں فوجت چرخ بریں
ہے شباب اپنے لہو کی آگ میں جلنے کا نام
سخت کوشی سے ہے تلخ زندگانی انجہیں
جو کبوتر چھپٹنے میں مزا ہے اسے پسر!
وہ مزا شاید کبوتر کے لہو میں بھی نہیں

لالہ صحرا

یہ کنسبد بیگمائی، عجب الم تنہائی
مجھ کو تو ڈراتی ہے اس دشت کی پہنائی

۲۲۸
بالِ جبریل
۱۲۲

بھٹکا ہوا راہی میں بھٹکا ہوا راہی تو
 منزل ہے کہاں تیری اے لاکھ سرائی
 حنائی ہے ظہیوں سے یہ کوہ و کمرور نہ
 توشعدہ سینائی میں شعلہ سینائی
 توشاخ سے کیوں چھوٹا میں شاخ سے کیوں ٹوٹا
 اک جذبہ پیدائی اک لذت یکتائی
 نعمتِ احسن محبت کا اندر نہ حساب ہو
 ہر قطرہ دریا میں دریا کی ہے کسراتی
 اُس موج کے ماتم میں روتی ہے بھنورلی انگھ
 دریا سے اٹھی لیکن ساحل سے نہ ٹکراتی
 ہے کرمی آدم سے ہر شکارتہ عالم کرم
 سورج بھی تماشائی، تارے بھی تماشائی
 اے بادِ بیا بانی! مجھ کو بھی عنایت ہو
 حنا موشی و دل سوزی، سرمستی و عنائی!

ساقی نامہ

ہوا خمیرِ زن کا روان بہار
گل و زرس و سوسن و بستر
جہاں ٹھپ ٹھپ کیا پردہ رنگ میں
فضا نیلی نیلی، ہوا میں سرور
وہ جوئے کستاں اچھلتی ہوئی
اچھلتی، پھسلتی، سنہلکتی ہوئی
رُکے جب تو بسل چیروتی ہے یہ
ذرا دیکھ اے ساقی لالہ فام!
پلاوے مجھے وہ مے پر وہ سوز
وہ مے جس سے روشن ضمیر حیات
وہ مے جس میں ہے سوز و سازِ ازل

رازِ مہ بن گیا دامن کو بہار
شہیدِ ازل لالہ خونیں کفن
لہو کی ہے گردشِ رگِ سنگ میں
ٹھہرتے نہیں اشیاں میں طیور
اُٹکتی لچکتی، سرکتی ہوئی
بڑے پیچ کھاکر نکلتی ہوئی
پہاڑوں کے دل چیروتی ہے یہ
سناٹی ہے یہ زندگی کا پیام
کہ اتنی نہیں فصلِ گل روزِ روز
وہ مے جس سے ہے مستی کائنات
وہ مے جس سے کھلتا ہے رازِ ازل

اٹھا سا قیام پر وہ اس راز سے

لڑا دے ممولے کو شہ زار سے

زمانے کے انداز بدلے گئے

ہوا اس طرح فاش راز فرنگ

پُرانی سیاست کرمی خوار ہے

کیا دور سرمایہ ارمی کی ہے

گراں خواب چینی سنبھلنے لگے

دل طور سینا وں راز دہیم

مسلمان ہے توحید میں کرم جوش

تمدن تصوف، شریعت، کلام

حقیقت خرافات میں کھو گئی

لُجھاتا ہے دل کو کلام خطیب

بیاں اس کا منطق سے سلجھا ہوا

وہ صوفی کہ تھا خدست حق میں مرد

نیار آل ہے باز بدلے گئے

کہ حیرت میں ہے شیشہ باز فرنگ

زمین میر و سلطان سے بیزار ہے

تماشا دکھا کر مدار می کی ہے

ہمالہ کے چشمے اُبلنے لگے

تجلی کا پھر منتظر ہے کلیم

مکرول ابھی تک ہے زقار پوش

بتان عجبم کے پنج باری تمام

یہ اُمت روایات میں کھو گئی

مکر لذت شوق سے بے نصیب

نُفّت کے بکھیروں میں الجھا ہوا

محبت میں کیتا، حمیت میں فرو

عجم کے خیالات میں گھول گیا یہ سالک مقامات میں گھول گیا

بُجھی عشق کی آگ اندھیر ہے

مسلمان نہیں، راکھ کا ڈھیر ہے

شراب کُنن پھر ملا ساقیا وہی جام گردش میں لا ساقیا!

مجھے عشق کے پر لگا کر اڑا مری حال کج بنو بنا کر اڑا

حسد کو غلامی سے ازاو کر جوانوں کو پیروں کا استواو کر

ہری شاخ ملت ترے غم سے ہے نفس اس بدن میں ترے غم سے ہے

ترپنے پھر ٹکنے کی تو نسیق دے دل مر تضحیٰ، سوزِ صفتِ یق دے

جلد سے وہی تیر پھر پار کر تمنا کو سینوں میں بیدار کر

ترے آسمانوں کے تاروں کی خیر زمینوں کے شب زندہ واروں کی خیر

جوانوں کو سوزِ جگر بخش دے مرا عشق میری نظر بخش دے

مری ناؤ کو داب سے پار کر یہ ثابت ہے تو اس کو ستار کر

بتا مجھ کو اسرارِ مرگ و حیات کہ تیری نگاہوں میں ہے کائنات

مرے دیدہ ترکی بے خوابیاں مرے دل کی پوشیدہ بے تلبیاں

مرے نالہ نیم شب کانپنا
مری خلوت و انجمن کا کداز
اُسنکدیں مری، آرزوئیں مری
امیدیں مری، جستجوئیں مری
مری فطرت اتنی روزگار
غیر الان افکار کا مزار
مراول، مری رزم کا جہات
گمانوں کے لشکر، یقیں کا ثبات
یہی کچھ ہے ساقی مستیِ فقیر
اسی سے فقیری میں ہوں میں امیر

مرے قافلے میں لٹکے اے

لٹاؤں، ٹھکانے لگاؤں اے!

و مادام رواں ہے یہم زندگی
ہر اک شے سے پیدا رہم زندگی
اسی سے ہوتی ہے بدن کی نمود
کہ شعلے میں پوشیدہ ہے موج و دود
گراں کرچہ ہے صحبتِ آب و گل
خوش آئی اسے محنتِ آب و گل
یہ ثابت بھی ہے اور سیار بھی
عناصر کے پھندوں سے بیزار بھی
یہ وحدت ہے کثرت میں ہر دم اسیر
مگر ہر کسی میں بے چلوں بے نظیر
یہ عالم، یہ بیت خانہ شش جہات
اسی نے تراشا ہے یہ سومات
پسند اس کو تکرار کی خوشیں
کہ تو میں نہیں، اور میں تو نہیں

من و تو سے ہے انجمنِ فہرین
مگر عینِ نسل میں خلوتِ نشین
چمک اس کی بجلی میں تارے ہیں
یہ چاندی میں سونے میں پلے ہیں
اسی کے سپاہاں اسی کے بنول
اسی کے ہیں کانٹے، اسی کے ہیں ٹھول
کہیں اس کی طاقت کے گہسار چور
کہیں اس کے پھندے جیسے بیل و حور
کہیں بسترِ شاہین سیما بند
لہو سے چکوروں کے آلودہ چنک

کہو تر کہیں اشیانے سے دور

پھڑکتا ہوا حبال میں ناصبہ

فریضے پر ہے سکون و ثبات
ترپتا ہے ہر ذرۂ کائنات
ٹھہرتا نہیں کراہ و ان وجود
کہ ہر لحظہ ہے تازہ شانِ وجود
سمجھتا ہے ثوراز ہے زندگی
فقط ذوقِ پرواز ہے زندگی
بہت اس نے دیکھے ہیں پست و بلند
سفر اس کو منزل سے بڑھ کر پسند
سفرِ زندگی کے لیے برک و بار
سفر ہے حقیقت، حضر ہے محب
الچھ کر سنبھلنے میں لذت اسے
ترپنے پھڑکنے میں راحت اسے
نہو اجب اسے سامنا موت کا
کٹھن تھا بڑا تھا مناموت کا

۲۵۴

بالِ جبریل

۱۳۰

اتر کر جس ان مکافات میں
 مذاق دوئی سے بنی زوج زوج
 گل اس شاخ سے ٹٹے بھی ہے
 اسی شاخ سے پھوٹتے بھی رہے
 سمجھتے ہیں ناواں اسے بے ثبات
 ابھرتا ہے مٹ مٹ کے نقشِ حیات
 بڑتی سیہ جولان بڑی زود رس
 ازل سے ابد تک ہم یک نفس

زمانہ کہ زنجیرِ ایام ہے

دُموں کے اُلٹ پھیر کا نام ہے

یہ موجِ نفس کیا ہے تلوار ہے
 خودی کیا ہے، تلوار کی دھار ہے
 خودی کیا ہے، رازِ درونِ حیات
 خودی کیا ہے، بیداری کا نسات
 خودی جلوہ بدست و خلوت پسند
 سمندر ہے ال بُوند پانی میں بند
 اندھیرے اُجالے میں ہے تابناک
 من و تو میں پیدا، من و تو سے پاک
 ازل اس کے پیچھے ابد سلا منے
 نہ حد اس کے پیچھے نہ حد سلا منے
 زمانے کے دریا میں بہتی ہوئی
 ستم اس کی موجوں کے سہتی ہوئی
 تجسس کی راہیں بدلتی ہوئی
 دما دم نکا ہیں بدلتی ہوئی

سبک اس کے ہاتھوں میں تنگ کر لے
 پہاڑ اس کی ضربوں سے ریکڑا
 سفر اس کا انجام آفت زہ ہے
 یہی اس کی تقویم کا راز ہے
 لکھن چاند میں ہے شرر تنگ میں
 یہ بے رنگ ہے ڈوب کر رنگ میں
 اسے واسطہ کیا کم و بیش سے
 نشیب و فراز و پس و پیش سے
 ازل سے ہے کشمکش میں اسیر
 ہوئی خاکِ آدم میں صورت پذیر

خودی کا شہین ترے دل میں ہے
 فلک جس طرح آنکھ کے تل میں ہے

خودی کے نگہباں کو ہے زہر ناب
 وہ ناں جس سے جاتی ہے اس کی آب
 وہی ناں ہے اس کے لیے ارجمند
 رہے جس سے دنیا میں لہرون بلند
 فروغِ مالِ محسوس سے درگزر
 خودی کو نگہ رکھ، ایاز می نہ کر
 وہی سجدہ ہے لائقِ اتہام
 کہ ہو جس سے ہر سجدہ تجھ پر حرام
 یہ عالم، یہ منکامہ رنگ و صوت
 یہ عالم، یہ بیت خانہ چشم و گوش
 خودی کی یہ ہے منہ نزلِ اولیں
 یہ عالم کہ ہے زیرِ فرمانِ موت
 جہاں زندگی ہے فقط خورد و نوش
 مسافر! یہ تیرا شہین نہیں

ترمی آگ اس خاک و اداں سے نہیں
 جہاں تجھ سے ہے توجہاں سے نہیں
 بڑھے بسا یہ کوہ کراں توڑ کر
 طلسم زمان و مکاں توڑ کر
 خودی شیر مولا، جہاں اس کا صید
 زمیں اس کی صید آسماں اس کا صید
 جہاں اور بھی ہیں ابھی بے نمود
 کہ حنائی نہیں ہے ضمیر جو
 ہر اک منتظر تیرے یار کا
 تری شوخی و فکرو کردار کا
 یہ ہے مقصد گردش روزگار
 کہ تیری خودی تجھ پہ ہو آشکار
 تو ہے فاتح عالم خوب و زشت
 تجھے کیسا بتاؤں تری سر نوشت
 حقیقت یہ ہے جامہ صرف تنگ
 حقیقت ہے آئینہ، گفتار زندگ
 فروزاں ہے سینے میں شمع نفس
 مگر تاپ گفتار کہتی ہے بس!

اگر یک سرِ نموے برتر پریم
 منہ روغ تجھ بستی بسوز پریم



زمانہ

جو تھا نہیں ہے جو ہے نہ ہو کا یہی ہے اک حرفِ محرم
 قریب تر ہے نمود جس کی اُسی کا شتاق ہے نہ
 مری صراحی سے قطرہ قطرہ نئے عواثِ ٹپک رہے ہیں
 میں اپنی تسبیح روز و شب کا شمار کرتا ہوں دانہ دانہ
 ہر ایک سے آشنا ہوں لیکن جدِ اجدادِ رسمِ راہ میری
 کسی کا رالِب، کسی کا مرکب، کسی کو عبرت کا تازیانہ
 نہ تھا اگر تو شرابِ محفل، قصورِ سیر ہے یا کہ تیرا
 مرا طرہیت نہیں کہ رملہ لوں کسی کی خاطر سے شبِ بستان
 میرے جسم پہیچ کو نجومی کی آنکھ پہنچا سکتی نہیں ہے
 ہدف سے بیکانہ تیرا کس کا نظر نہیں جس کی عارف نہ

۲۵۸

بالِ جبریل

۱۳۴

شفق نہیں سہری افق پر یہ جھٹے خوں ہے یہ جھٹے خوں ہے
 طلوع منہ کا منتظر رہ کہ دوشن و امروز ہے فنا
 وہ گزرتا جس نے غماں کیا ہے فطرت کی طاقتوں کو
 اسی کی بیتاب بکلیوں سے خطر میں ہے اس کا آشیانہ
 جو آئیں اُن کی فضا میں اُن کی ہمندرانے کے جہاز اُن کے
 کرہ بھنور کی کھلے تو کیونکر بھنور ہے تفت دیر کا بہانہ

جہان نو ہو رہا ہے پیدا، وہ عالم پر مر رہا ہے
 جسے منہ نئی نعمت ابروؤں نے بن دیا ہے قمار خانہ
 ہوا ہے کوشن و تیز لکین چہرہ اپنا جلا رہا ہے
 وہ مرد و رویش جس کو حق نے دیے ہیں انداز خسروا



فرشتے اوم کو جست و خصل کرتے ہیں

عطا ہوتی ہے تجھے دُش شب کی بیتابی
خبر نہیں کہ ٹوٹن کی ہے یا کہ سیلابی
سنا ہے خاک سے تیری مود ہے، لیکن
ترمی ہر شست میں ہے کو کبی ورتابی
جمال اپنا الرخواب میں بھی تو دیکھے
ہزار ہوش سے خوشتر تری شکر خواہی
کہاں بس ہے ترا لریہ سحر کا ہی
اسی سے ہے تر نخل لہن کی شاہی

ترمی تو اسے ہے پردہ زندگی کا ضمیر
کہ تیرے ساز کی فطرت نے کی ہے مضرابی

روح ارضی اوم کا استقبال کرتی ہے

لکھول آنکھ زمین دیکھ، فلک دیکھ، فضا دیکھ
مشرق سے ابھرتے ہوئے سورج کو ذرا دیکھ
اس جلوہ بے پردہ کو پردوں میں چھپا دیکھ
ایام جدائی کے ستم دیکھ، جفا دیکھ
بے تاب نہ ہو کہ وہیم ورجا دیکھ!

۲۶۰
بالِ جبریل
۱۳۶

ہیں تیرے تصرف میں بادل کھٹکتے ہیں گیسبدا فلک یہ خاموش فضا میں
یہ کوہِ صحرا یہ سمندر یہ ہوائیں تھیں شبنم نظر کل تو فرشتوں کی ادائیں

اسی نہ ایام میں آج اپنی ادا دیکھو
سمجھے کا زمانہ تری آنکھوں کے اشارے دیکھیں گے تجھے دُور سے کڑوؤں کے سناے
ناپید ترے بحرِ تحریل کے کنارے پہنچیں گے فلک تک تری آنکھوں کے اشارے
تعمیرِ خودی کو اثرِ آہِ رسا دیکھو

خوشیدِ جہاں تاب کی ضویرِ شمر میں آباد ہے اک تازہ جہاں تیرے ہنر میں
چھتے نہیں بخشے ہوتے فروغِ نظر میں جنتِ تری نہاں ہے تے خونِ جگر میں
اے پیکرِ کل کوششِ سہیم کی جزا دیکھو

نالندہ ترے غم کا ہر تارا زل سے تُو جنسِ محبت کا سریدار ازل سے
تُو پیرِ غمِ خاندانِ اسرار ازل سے محنت کش و نوحوں پرِ زولم ازار ازل سے
چراگِ تبیتِ دیرِ جہاں تیری ضا دیکھو



پیر و مرید

مرید پسندی

چشم بینا سے ہے جاری جوتے نگوں علم حاضر سے ہے دیں زار و زبوں!

پیر رومی

علم را بر تن زنی مارے بود

علم را بر دل زنی یارے بود

مرید پسندی

اے امام عاشقان درویشا! یاد ہے مجھ کو ترا حرف بلند

نخک مغز و خشک تار و خشک پوست

از کج بامی آید ایں آواز دوست

دور حاضر مست چنک و بے سُرور بے ثبات و بے یستین و بے حضور

۲۶۲
بالِ جبریل
۱۳۸

کیا خبر اس کو کہ ہے یہ راز کیا دوست کیا ہے دوست کی آواز کیا

اے یورپ با فروغ و تاب نال
نغمہ اس کو کھینچتا ہے سوتے خال

پیر رومی

بر سماع راست ہر کس چیر نیست
طعمہ ہر مرعسے انجیر نیست

مرید ہندی

پڑھ لیے میں نے علوم شرق و غرب روح میں باقی ہے اب تک درو کر ب

پیر رومی

دست ہر نا اہل بیمار ت کند
سوتے ماوراکہ تیمار ت کند

مرید ہندی

اے بختیاری مے دل کی نشاد کھول مجھ پر نکستہ حکم جہاد

پیر رومی
نقش حق را ہم بہ امر حق شکن
برز جاج دوست گنبد دوست زن

مرید ہندی
ہے نکاح اور اس مہر غریب
خو جنت کے ہوشتر غریب

پیر رومی
ظاہر تہ کرا سپید است و نو
دست جامہ ہم سپید کرد و از نو

مرید ہندی
اے مکتب کا جوان کرم خوں
ساحر افرنک کا صید زبوں

پیر رومی
مرغ پرناؤستہ چوں پراں شود
طعمہ ہر کربہ و تراں شود

۴۶۲
بال جبریل
۱۲۰

مرید ہندی

تاج اکویش دین وطن جوہر جہاں پر مقدم ہے بدن!

پیر رومی

قلب پہلومی زند بازر بشب

انتظار رومی وارو دوسب

مرید ہندی

سیر آدم سے مجھے آگاہ کر خاک کے ذرے کو مہر و ماہ کرا

پیر رومی

ظاہر شراپشہ آربو چرخ

ہنرش آمد محیط ہفت چرخ

مرید ہندی

خاک تیرے نور سے روشن بھر غایت آدم خبر ہے یا نظر؟

پیر رومی

آدمی دید است، باقی پوست است
دید آں باشد کہ دید دوست است

مرید ہندی

زندہ ہے مشرق تری گفتار سے اُمتیں مرقی ہیں کس آزار سے؟

پیر رومی

ہر ملک اُمت پیشیں کہ بود
زانکہ بر جند لساں بڑ نمود

مرید ہندی

اب مسلمان میں نہیں وہ رنگ و بو
سرو کیونکر ہو گیا اس کا لہو؟

پیر رومی

تا دل صاحب دے نامد بہ درد
ہیچ قومے راحت دے سوانہ کرد

۲۶۶

بالِ جبریل

۱۲۲

مرید ہندی

گرچہ بے رونق ہے بازارِ وجود کون سے سوئے میں ہے مڑوں کا سُود؟

پیر رومی

زیر کی بندشِ حیرانی بخر
زیر کی خلق است حیرانی نظر

مرید ہندی

ہم نفس میرے سلاطین کے ندیم میں فقیر بے گلاہ و بے کلیم!

پیر رومی

بندہ یک مرد روشن دل شوی
بہ کہ برفرقِ سر شاہاں روی

مرید ہندی

اے شریکِ سستی خاصانِ بد! میں نہیں سمجھا حدیثِ جبر و قدرا

پیر رومی

بال بازاں را سوئے سلطان برد
بال ز اغاں را بگورستان برد

مرید ہندی

کار و بار خسروی یا راہی کی ہے آخر غایت دین نہی؟

پیر رومی

مصلحت در دین ما جنک و شکوہ
مصلحت در دین عیسیٰ غار و لوہ

مرید ہندی

کس طرح قابو میں آئے اب وکل کس طرح بیدار ہوئے سینے میں دل؟

پیر رومی

بندہ باش و بر زمین زوچوں سمند
چوں جنازہ نے کہ برکردن برند

۲۶۸

بالِ جبریل

۱۲۲

مرید ہندی

سُتروں اور اک میں آتما نہیں کس طرح آتے قیامت کا یقین؟

پیر رومی

پس قیامت شو قیامت ابس

ویدن ہر چیز را شرط است اس

مرید ہندی

آسماں میں راہ کرتی ہے خودی صید مہر و ماہ کرتی ہے خودی

بے حضور و با فروغ و بے فراغ اپنے پنچھیروں کے ہاتھوں داغ و داغ!

پیر رومی

اں کہ ارز و صید عشق است و بس

لیکن او کے گنجد اندر و ام کس!

مرید ہندی

تجہ پہ روشن ہے ضمیر کائنات کس طرح محکم ہو ملت کی حیات؟

پیر رومی

وانہ باشی مرغکانت جہ پند
غنچہ باشی کو دکانت برکت
وانہ پنہاں کن سراپا دام شو
غنچہ پنہاں کن سیاہ بام شو

مرید ہندی

تو یہ کہتا ہے کہ دل کی کڑکٹلاش طالب دل بکش و پیکار بکش
جو مراد دل ہے مے سینے میں ہے میرا جو ہر مے کراٹھے میں ہے

پیر رومی

تو بھی کوئی مراد دل نیست
دل فراز عرش باشد نے بہ پست
تو دل خود را ولے پنداشتی
مستجوے اہل دل بکدشتی

مرید ہندی

آسمانوں پر مرا منکربند
میں زمیں پر خوار و درمند
کار دنیا میں ہا جاتا ہوں میں
ٹھوکریں اس آہ میں کھاتا ہوں میں
کیوں میرے بس کا نہیں کار زمیں
ابلیہ دنیا ہے کیوں دانتے ہیں؟

پیر رومی

اں کہ برافندال رفتارش ہو
بر زمیں رستن چہ دشوارش ہو

مرید ہندی

علم و حکمت کا ملے کیونکر سراغ
کس طرح ہاتھ آئے سوز و درد و داغ؟

پیر رومی

علم و حکمت زاید از نان حلال
عشق و وقت آید از نان حلال

مرید ہندی

ہے زمانے کا تفت اضنا بھمن اور بے خلوت نہیں سوز سخن!

پیر رومی

خلوت از اغیار بایک نے زیاد
پوستیں بہرے آمد نے بہار

مرید ہندی

ہند میں اب نور ہے باقی نہ سوز اہل دل اس دس میں بہت سیر و زنا

پیر رومی

کار مرواں روشنی و کرمی است
کار و دوناں حیلہ و بے شرمی است



۲۷۲
بالِ جبریل
۱۲۸

جبریل و ابلیس

جبریل

ہمدرد و پرینے کیسا ہے جس ان رنگ و بو؟

ابلیس

سوز و ساز و درد و داغ و جستجوے و آرزو

جبریل

ہر گھڑی انداک پر رہتی ہے تیری گفتگو

کیا نہیں ممکن کہ تیرا چاک و امن ہو فو؟

ابلیس

آہ اے جبریل! تو واقف نہیں اس از سے

کہ کیا سرست مجھ کو ٹوٹ کر میرا سب

اب یہاں میری کوز ممکن نہیں ممکن نہیں

کس قدر خاموش ہے یہ عالم بے کلخ و کوا

جس کی نو سیدی سے ہو سوزِ درون کا سنت
اُس کے حق میں تَقْنَطُوا اچھا ہے یا لَا تَقْنَطُوا؟

جبریل

کھو دیے انکار سے تُو نے مقامِ تَبْلند
چشمِ یزواں میں فرشتوں کی رہی کیا ابرو!

ابلیس

ہے مری جُرأت کے مشتِ خال میں ذوقِ نو
میرے فتنے جاہِل و عیسیٰ کا تار و پو
دیکھتا ہے تُو فقط حاصل سے زخمِ شہر
کون طوفاں کے طمانچے کھا رہا ہے، میں کہ تو؟
خضر بھی بے دست و پا، الیا کس بھی بے دست و پا
میرے طوفاں میں بہیم، دریا بہ دریا، جو بہ جو
کہ کبھی سلوت میں سر ہو تو پوچھ اللہ سے
قصۂ آدم کو زنجیں کہ کس کا لہو!

۴۷۲
بالِ جبریل

۵۰

میں کھٹکتا ہوں دل نرواں میں کانٹے کی طرح
تو فقط اُلٹھو، اُلٹھو، اُلٹھو!

اذان

اک رات ستاروں سے کہا نجم سحر نے
اوم کو بھی دیکھا ہے کسی نے کبھی بیدار؟
کہنے لگا مزید، ادا فہم ہے تفتید
ہے نیند ہی اس چھوٹے سے فتنے کو سزاوار
زُہرہ نے کہا اور کوئی بات نہیں کیا؟
اس لکڑیاب شب کو رے کیا چم کو سزاوار
بولا مہ کافل کہ وہ کو کب ہے زینبی
تم شب کو نمودار ہو، وہ دن کو نمودار
واقف ہو الرلذت بیداری شب کے
اُونچی ہے تریسے بھی یہ حال پر اسرار

انگوٹش میں اس کی وہ تختی ہے کہ جس میں
 لکھو جائیں گے افلاک کے سب ثابت و ستار
 ناکاہِ غضبِ بانگِ اذان سے چوتنی لہریں
 وہ نعرہ کہ پل جاتے ہیں جس سے دل کھسار

محبت

شہیدِ محبت نہ کاغذِ نثر غازی محبت کی رسمیں نہ ترکی نہ تازی
 وہ کچھ اور شے ہے محبت نہیں ہے سکھاتی ہے جو غمِ نومی کو ایازی
 یہ جو ہر کارِ نرمانہ میں ہے تو ہیں علم و حکمت فقط شیشہ بازی
 نہ محتاجِ سلطان نہ مرعوبِ سلطان محبت ہے آزادی و بے نیازی

ہر نعمت بہتر ہے اکندہ می سے
 یہ آدمِ کرمی ہے وہ آئینہ سازی



ستارے کا پیغام

مجھے ڈرانہیں سکتی فضا کی تاریکی مری سرشت میں ہے پاکی و خوشانی
تو اے مسافر شبِ انوار چراغِ بن اپنا کر اپنی رات کو داغِ جگر سے نورانی

جاوید کے نام

(لندن میں اُس کے ہاتھ کا لکھا ہوا پسلا خط آنے پر)

وہاں عشق میں اپنا مست ام پیدا کر نیازِ زمانہ نئے صبح و شام پیدا کر
خدا اگر وہ فطرت شناس ہے تجھ کو سکوتِ لالہ و گل سے کلام پیدا کر
اٹھانہ شیشہ لہرانِ فرناک کے احساں سفالِ ہند سے میسنار و جام پیدا کر
میں شاخِ تال ہوں سیریِ گل ہے میرا مرے شمر سے لالہ و فام پیدا کر

مرا طریق اسی ہے نہ میں فقیر ہی ہے
خودی نہ بیچ عسیری میں نام پیدا کر



فلسفہ و مذہب

یہ آفتاب کیا، یہ سپہر بریں ہے کیا!
سمجھا نہیں سلسلِ شام و بحر کو میں
اپنے وطن میں ہوں کہ عنبرِ الٰہیہ دیار ہوں
ڈرتا ہوں دیکھ دیکھ کے اس دشت و در کو میں
کھلتا نہیں مرے سخنِ زندگی کا راز
لاؤں کہاں سے بندۂ صاحبِ نطن کو میں
حیراں ہے بوعلی کہ میں آیا کہاں سے مچوں
رومی یہ سوچتا ہے کہ جاؤں کہہ کر میں
”جاتا ہوں تھوڑی دُور ہر اک راہِ رو کے ساتھ
پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہِ بر کو میں“



یورپ کے ایک خط

ہم جو کہ محسوس میں ساحل کے خدیو
 اک بھر تراشوب و پراسرار ہے رومی
 تو بھی ہے اسی قافلہ شوق میں اقبال
 جس قافلہ شوق کا سالار ہے رومی
 اس عصر کو بھی اُس نے دیا ہے کوئی پیغام
 کہتے ہیں چراغِ رہِ اسرار ہے رومی

جواب

کہ کتب ساید خورد و جو ہمچوں خراں
 اٹھوانہ درختن چراغواں
 ہر کہ گاہ و جو خورد و تیرباں شود
 ہر کہ نور حق خورد و شرآں شود

نیولین کے مزار پر

راز ہے، راز ہے تفتِ دیرِ جہانِ تک و تاز
 جو شکرِ کردار سے کھل جاتے ہیں تفتِ دیر کے راز

جوشِ کردار سے شمشیرِ سکندر کا طلوع
 کوہِ الوند ہوا جس کی حرارت سے کداز
 جوشِ کردار سے تیمور کا سیلِ ہمگیر
 سیل کے سامنے کیا شے ہے نشیب اور فراز
 صفِ جنگاہ میں مردانِ حند کی تجسیر
 جوشِ کردار سے بنتی ہے حند کی آواز
 ہے مکر و فرصتِ کردار نفسِ مایوس
 عوضِ یکِ نفسِ قبر کی شبِ ٹمٹمے و راز
 ”حاقبتِ منزلِ ماوا دی خاموشانِ است
 حالیہ غلغلہ درگاہِ فداں انداز“

مسو لینی

ندرتِ فکر و عمل کیا شے ہے ذوقِ انقلاب
 ندرتِ فکر و عمل کیا شے ہے ملتِ کاشاب

نڈرت فکر و عمل سے معجز است زندگی
 نڈرت فکر و عمل سے سنگ خارہ اسل ناب
 رومتہ الکتب سے بولے لوگوں پہ یوں تیرا ضمیر
 اینکہ می بینم یہ بیدار است یارب یا بہ خواب
 چشم پیران لہن میں زندگانی کا فروغ
 نوجوان تیرے ہیں سوزِ آرزو سے سینہ تاب
 یہ محبت کی حرارت، یہ تمنا، یہ نمود
 فصل گل میں پھول رہ سکتے نہیں زیرِ حجاب
 نغمہ ہائے شوق سے تیری فضا مسمور ہے
 زخمہ ور کا منتظر تھا تیری فطرت کا رباب
 فیض کیس کی نظر کا ہے کرامت کس کی ہے؟
 وہ کہ ہے جس کی نلکہ شعلِ شعاعِ آفتاب



سوال

اک مفلس خود داریہ لہتا تھا خدا سے
نہیں کر نہیں سکتا کلمہ درویشی
لیکن یہ بتا تیری اجازت سے فرشتے
کرتے ہیں عظام و فرومایہ کو میری

پنجاب کے درہقان

بتا کب تری زندگی کا ہے از
ہزاروں برس سے تو خال باز
اسی خال میں دب کئی تیری اک
سحر کی ازاں چولتی اب تو جاک
زمین ہیں ہے کو خالیوں کی برات
نہیں اس اندھیرے میں آب حیات
زمانے میں جھوٹا ہے اُس کا بچیں
جو اپنی خودی کو پرکھتا نہیں
بتان شعوب و قبائل کو توڑ
رسوم کنن کے سلاسل کو توڑ
یہی دین محکم، یہی مستحباب
کہ دنیا میں توحید ہو بے حجاب

سجاک بدن وائے دل نشاں
کہ ایں وائے واروز حاصل نشاں

نادر شاہ افغان

خضر حق سے چلا لے کے لوگوں سے لالا

وہ ابر جس سے رک گئی ہے مثل تارِ نفس

بہشت راہ میں دیکھا تو ہو گیا بیتاب

عجب مقام ہے جی چاہتا ہے جاؤں برس

صدا بہشت سے آئی کہ منتظر ہے ترا

ہرات و کابل و غزنی کا سبزۂ نورس

سرشک دیدۂ نادر بہ داغ لالہ فشاں

چناں کہ آتشیں اورا دلفروز نہ نشان



خوشحال خاں کی وصیت

قبائل ہوں ملت کی وحدت میں گم کہ جو نام فہمانیوں کا بلند
محبت مجھے اُن جوانوں سے ہے ستاروں پہ جو ڈالتے ہیں کھنڈ
مغل سے کسی طرح کست نہیں قہستان کا یہ بچہ از حبس
کہوں تجھ سے اے ہم نشین دل کی بات وہ مدفن ہے خوشحال خاں کو پسند

اڑا کر نہ لائے جہاں باد کوہ
مغل شہسواروں کی لڑ سہسوار

تاماری کا خواب

کہیں سجتا وہ عمتِ مہرین کہیں ترسا بچوں کی چشم بے بال

✽ خوشحال خاں چٹک پستہ زبان کا مشہور وطن دوست شاعر تھا جس نے افغانستان کو مغلوں سے آزاد کرانے کے لیے سرحد کے افغانی قبائل کی ایک جمعیت قائم کی۔ قبائل میں صرف فریدیوں نے آغروم تک اُس کا ساتھ دیا۔ اِس کی قریباً ایک سو نفلوں کا انگریزی ترجمہ ۱۸۶۲ء میں لندن میں شائع ہوا تھا۔

روائے دین و ملت پارہ پارہ
قباۓ ملک و دولت چاک و چاک!
مراایاں تو ہے باقی و بس کن
نہ کھا جائے کہیں شعلے کو خاشاک!
ہواے شہد کی موجوں میں محسور
سمرقند و بخت راکھ غاک!

بلکہ اگر خود چپ اندک بے سنم

بلا انہ شتری و سن بے سنم

یکایک پل گئی خاکِ سمرقند
اٹھا تیمور کی تربت سے اک نور
شفق آمیز تھی اس کی سفیدی
صدائے آتی کہ میں ہوں رُوحِ تیمور
اگر محسور ہیں مردانِ تاتار
نہیں اللہ کی تعذیر محصور
تقاضا زندگی کا کیا یہی ہے
کہ تورانی ہو تورانی سے مہجور؟

’خودی را سوز و تابے دیکرے وہ‘

’جہاں را انعتابے دیکرے وہ‘

* یہ شعر معلوم نہیں کس کا ہے، نصیر الدین طوسی نے غالبؔ

’شرح اشارات‘ میں اسے نقل کیا ہے

حال و مقام

دل زندہ و بیدار اگر چہ تو بہت دیدج
بندے کو عطا کرتے ہیں چشمِ نگر اور
احوال و مقامات یہ موقوف ہے سب کچھ
ہر لحظہ ہے سالک کا زمان اور مکان اور
الفاظ و معانی میں تفاوت نہیں لیکن
علا کی اذان اور، مجاہد کی اذان اور
پرواز ہے دونوں کی اسی ایک فضا میں
گر گس کا جہاں اور ہے شاہین کا جہاں اور

ابوالعلا معری

کہتے ہیں کبھی گوشت نہ کھاتا تھا معری
پھل پھول یہ کرتا تھا ہمیشہ گزر اوقات

✽ ابوالعلا معری، عربی زبان کا مشہور شاعر

۲۸۶
بالِ جبریل
۱۶۲

اک دوست نے بھونا ہوا تیرے اُسے بھیجا
 شاید کہ وہ شاطر اسی ترکیب سے چومات
 یہ خوان تروتازہ معرّی نے جو دیکھا
 کہنے لگا وہ صاحبِ غفران * و لزومات *
 اے مرغِ غلبِ سیح پارہ! ذرا یہ تو بتاؤ
 تیرا وہ کُنہ کیا تھا یہ ہے جس کی مکافات؟
 افسوس صد افسوس کہ شاہیں نہ بناؤ
 دیکھے نہ تری آنکھ نے فطرت کے اشارات
 تقدیر کے قاضی کا یہ فتویٰ ہے ازل سے
 ہے جبرِ ضعیفی کی سزا مرلِ مفاعیات!



* غفران — رسالۃ الغفران، معرّی کی ایک مشہور کتاب کا نام ہے
 * لزومات — اس کے قصائد کا مجموعہ ہے

سینما

وہی بُت فروشی، وہی بُت کرمی ہے سنیل ہے یا صنعتِ آرمی ہے
وہ صنعت نہ تھی، شیوہ کافرِی تھا یہ صنعت نہیں شیوہ ساحری ہے
وہ مذہب تھا اقوامِ عہدِ کائن کا یہ مذہب حاضر کی سودا کرمی ہے

وہ دُنی کی مٹی، یہ دُرخ کی مٹی
وہ بُت خانہ خالی، یہ خاستری ہے

پنجاب کے پیرِ راہوں سے

حاضر ہو ا میں شیخ مجتہد کی لحد پر
وہ حال کہ ہے زیرِ فلکِ مطلعِ انوار
اس خاک کے دُروں سے ہیں شرمندہ ستارے
اس خاک میں پوشیدہ ہے وہ صاحبِ اسرار
کروں نہ جھکی جس کی جہانگیر کے لے
جس کے نفسِ کرم سے ہے کرمی اصرار

وہ پسند میں سرمایہ بخت کا نگہباں
 اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار
 کی عرض یہ میں نے کہ عطا فستہ ہو مجھ کو
 آنکھیں مری سینا ہیں، لیکن نہیں بیدار
 آتی یہ صد اسلہ فقر ہوا بند
 ہیں اہل نطنہ کشور پنجاب سے بیزار
 عارف کا ٹھکانا نہیں وہ خطہ کہ جس میں
 پیدا کئے فقر سے ہو طرہ دستار

باقی کلمہ فقر سے مھتا ولولہ حق
 طُروں نے چڑھایا نشہ خدمت سرکار

سیاست

اس کھیل میں تعین برائے ضروری
 شاطر کی عنایت سے تو فریں میں پیادہ
 بیچارہ پیادہ تو ہے اک مہرہ ہماپینہ
 فرزین سے بھی پوشیدہ ہے شاطر کا ارادہ

فقر

اک منقر بکھاتا ہے صر سیا کو پنچیری
 اک منقر سے کھلتے ہیں اسرار جہاں لیری
 اک منقر سے قوموں میں سکینی و دلیری
 اک منقر سے مٹی میں خاصیت اکیسیری
 اک منقر ہے شبیری اس فقر میں ہے میری
 میراث مسلانی ہر ایہ شبیری!

خودی

خودی نہ دے سیم و زر کے عوض نہیں شعلہ دیتے شر کے عوض
 یہ کہتا ہے منہ دوسری دیدوار عجم جس کے سرے سے روشن بھر

”زبہر درم مند و بد خوب باش
 تو باید کہ باشی درم کو مباحش“

۲۹۰

بال جبریل

۱۶۶

جُدائی

سُورج بُنت ہے تارِ زر سے دُنیا کے لیے رواسے نوری
عالم ہے خموش و مست کو یا ہر شے کو نصیب ہے حضورِ
دریا، لُہار، چاند، تارے کیا جانیں فراق و ماصہوری

شایاں ہے مجھے غمِ جُدائی
یہ ناک ہے محرمِ جُدائی

خانقاہ

رمز و ایسا اس زمانے کے لیے مٹوں نہیں
اور آتما بھی نہیں مجھ کو سخنِ ساری کا فن
”قم باذن اللہ“ کہہ سکتے تھے جو رخصت ہوتے
خانقاہوں میں محب اور رہ گئے یا کورکن!



ابلیس کی عرضداشت

کہتا تھا عزرا زیل خداوند جہاں سے
پر کالہ آتش ہوئی آدم کی کفن خال!
جاں لاغرو تن سربہ و ملبوس بدن زیب
دل نزع کی حالت میں، خرد و نچستہ و چالال!
نپاک جسے کہتی تھی مشرق کی شریعت
مغرب کے فقیہوں کا یہ فتویٰ ہے کہ ہے پال!
تجھ کو نہیں معلوم کہ حوران ہشتی
ویرانی جنت کے تصور سے ہیں عنس ناک؟
جسم نور کے ابلیس ہیں ارباب سیاست
باقی نہیں اب سیری ضرورت تہ افلال!



۴۹۲

بالِ حبریل

۱۹۸

لہو

اگر لہو ہے بدن میں تو خوف ہے نہ ہراس
اگر لہو ہے بدن میں تو دل ہے بے وسواس
جسے ملا یہ مستاع کراں بسا، اُس کو
نہ سیم و زر سے محبت ہے نہ عنیم افلاس

پرواز

کہا درخت نے اک وز مرغ صحرا سے
ستم یہ عنیم کدہ زنک و بوکی ہے بنیاد
خدا مجھے بھی الہ ربال و پر عطا کرتا
شکفتہ اور بھی ہوتا یہ عالم احباب
دیا جواب اُسے خوب مرغ صحرا نے
غضب ہے داد کو سمجھا اُسو ہے تو بیدا
جہاں میں لذت پرواز حق نہیں اُس کا
وجود جس کا نہیں جذب خال سے آزاد

شیخ مکتبے

شیخ مکتبے ہے اک عمارت گر جس کی صنعت ہے رُوح انسانی
نکتہ دل پذیر ہے یہ کہ گویا ہے حکیم و ستارانی
”پیش خورشید برکش یوا“
خواہی ار صحن حنا نہ نورانی“

فلسفی

بند بال تھا، لیکن نہ تھا جور و غیور
حکیم سے محبت سے بے نصیب ہا
پھر افضاؤں میں لکس اگرچہ شاہین وار
شکار زندہ کی لذت سے بے نصیب ہا



شاہیں

کیا میں نے اُس خالِ داس سے کنارا
 بیاباں کی خلوتِ خوش آتی ہے مجھ کو
 نہ بادِ باری نہ کچیں، بلبل
 خیابانیوں سے ہے پر پرِ لازم
 ہوائے بیاباں سے ہوتی ہے کاری
 حمام و کبوتر کا ٹھوکا نہیں میں
 جھپٹنا، پلٹنا، پلٹ کر جھپٹنا
 یہ پورب یہ پچھیم جلوں کی دنیا
 مرانسی گلوں آسمان بیکراں

پرندوں کی دنیا کا درویش ہوں میں
 کہ شاہیں بنانا نہیں اشیانہ



باغی مُرید

ہم کو تو میسٹر نہیں مٹی کا دیا بھی
لکھریہ کا بجلی کے چراغوں سے ہے روشن
شہری ہو، دیہاتی ہو، مسلمان ہے سادہ
مانند بُتوں چبھتے ہیں عصبے کے برہمن
نذرانہ نہیں، سود ہے پیرانِ حرم کا
ہر حرف تیرا لوس کے اندر ہے مہاجن
میراث میں آتی ہے انھیں سند ارثا
زاغوں کے تصرف میں عقابوں کے نشین!

ہارون کی آخری نصیحت

ہارون نے کہا وقتِ رحیل اپنے پسر سے
جاتے کا کبھی تُو بھی اسی راہ گزر سے

پوشیدہ ہے کافر کی نظر سے ملک الموت
لیکن نہیں پوشیدہ مسلمان کی نظر سے

ماہر نفسیات سے

جُرأت ہے تو افکار کی دنیا سے لزر جا
ہیں محسوس خودی میں ابھی پوشیدہ جزیرے
کھلتے نہیں اس قلزم خاموش کے سرا
جب تک تو اسے ضربِ کلیمی سے نہ چیرے

یورپ

تاک میں بیٹھے ہیں مدستے یہودی سود خوا
جن کی روباہی کے آگے ہیچ ہے زورِ پلند
خود بخود کرنے کو ہے پتے ہوتے پھل کی طرح
دیکھیے پڑتا ہے آخر کس کی جھولی میں فرنگ!

(ماخوذ از نطشہ)

آزادی افکار

جو دُونی فطرت سے نہیں لائق پرواز
اُس مُرغاب بیچارہ کا انجم ہے افتاد
ہر سینہ نشین نہیں جبریل امین کا
ہر فکر نہیں طائر فردوس کا صیاد
اُس قوم میں ہے شوخی اندیشہ خطرناک
جس قوم کے اندر اچوں ہر بے آزاد
گوئی فکر خدا داد سے روشن ہے زمانہ
آزادی انکار ہے ابیس کی ایجاد

شیر اور خچر

شیر
ساکنانِ دشت و صحرا میں ہے تو سب سے ملک
کون ہیں تیرے اُب و جد کس قبیلے سے ہے تو؟

۴۹۸

بالِ جبریل

۱۷۲

خچر

میرے ماموں کو نہیں پہچانتے شاید حضور
وہ مبارقہ شاپی اہل کی ابرو!

(ماخوذ از جبرن)

چیونٹی اور عقاب

چیونٹی

میں پائمال و خوار و پریشان درو مند
تیرا مست کم کیوں ہے ستاروں سے بھی بلند؟

عقاب

تو رزق اپنا ڈھونڈتی ہے خاکِ اہ میں
میں نہ سپر کو نہیں لاتا نگاہ میں!

قطعہ

فطرت مری مانندِ سیمِ سحری ہے
 رفتار ہے میری کبھی آہستہ کبھی تیز
 پہناتا ہوں اس کی قبلا لالہ و گل کو
 کرتا ہوں سحرِ کار کو سوزن کی طرح تیز

قطعہ

گل اپنے مُردوں سے کہا پیرِ مغان نے
 قیمت میں یہ معنی ہو رہا ہے چند
 زہرِ اس ہے اُس قوم کے حق میں مے افروغ
 جس قوم کے بچے نہیں خود دار و بے سند



ضربِ کلیم

یعنی

اعلانِ جنگ، دورِ حاضر کے خلاف

اقبال

فرب کلیم

افکار نمازہ

اعظم خجک زانہ فر کے طون
(بجانب)

۵۰۲
ضرب کلیم

۲



نہیں متام کی خوگر طبیعت آزاد
ہواے سیرشاہ نسیم پیدا کر
ہزار چشمہ ترے سنگِ راہ سے چھوٹے
خودی میں ڈوب کے ضربِ کلیم پیدا کر



جید

مفتاح

خطی است و اینها را در این کتاب
در مورد این کتاب

در انوار است و فرست کاران است
 بعد از ان خاتم به طبع است
 چون در او علم است
 گویند انرا

نظر انجمن دوا و عطرها
بر روی این برگه ثبت شد

۵۰۴
ضرب کلیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست

- * علی حضرت نواب سرحدیہ اللہ خاں
فرماں روا تے بھوپال کی خدمت میں
۵۲۱/۲۱
- * ناظرین سے
۵۲۲/۲۲
- * تہیہ
۵۲۳/۲۳

اسلام اور سلمان

- ۱ صبح
۵۲۶/۲۶
- ۲ لا الہ الا اللہ
۵۲۷/۲۷
- ۳ تن بہ تفسیر
۵۲۸/۲۸

۵۲۹/۲۹	معراج	۴
۵۳۰/۳۰	ایک فلسفہ زدہ سید زاوے کے نام	۵
۵۳۱/۳۱	زمین و آسمان	۶
۵۳۲/۳۲	مسلمان کا زوال	۷
۵۳۲/۳۲	علم و عشق	۸
۵۳۲/۳۲	اجتناب	۹
۵۳۲/۳۲	شکر و شکایت	۱۰
۵۳۵/۳۵	ذکر و نکر	۱۱
۵۳۶/۳۶	ملائے حرم	۱۲
۵۳۶/۳۶	تقدیر	۱۳
۵۳۷/۳۷	توحید	۱۴
۵۳۸/۳۸	علم اور دین	۱۵
۵۳۸/۳۸	ہندی مسلمان	۱۶
۵۳۹/۳۹	ازاد ہی شمشیر کے اعلان پر	۱۷

۵۰۶
ضرب کلیم
۶

۵۴۰/۴۰	۱۸	جہاد
۵۴۱/۴۱	۱۹	قوت اور دین
۵۴۲/۴۲	۲۰	فقت و ملکیت
۵۴۳/۴۳	۲۱	اسلام
۵۴۳/۴۳	۲۲	حیاستِ ابدی
۵۴۴/۴۴	۲۳	سلطانی
۵۴۵/۴۵	۲۴	صوفی سے
۵۴۶/۴۶	۲۵	افرناس زوہ
۵۴۷/۴۷	۲۶	تصوف
۵۴۸/۴۸	۲۷	چندی اسلام
۵۴۹/۴۹	۲۸	غزل (دل مُردہ دل نہیں ہے اسے زندہ کرو دوبارہ)
۵۵۰/۵۰	۲۹	ذنیب
۵۵۰/۵۰	۳۰	نہار
۵۵۱/۵۱	۳۱	وخی

۵۵۱/۵۱	شکت	۳۲
۵۵۲/۵۲	عمتیل و دل	۳۳
۵۵۲/۵۲	ستی لروار	۳۴
۵۵۳/۵۳	قبر	۳۵
۵۵۴/۵۴	فتلندر کی چپان	۳۶
۵۵۵/۵۵	فلسفہ	۳۷
۵۵۶/۵۶	مردان حُدا	۳۸
۵۵۶/۵۶	کافرو مومن	۳۹
۵۵۷/۵۷	مہدی برحق	۴۰
۵۵۸/۵۸	مومن	۴۱
۵۵۹/۵۹	محمد علی باب	۴۲
۵۵۹/۵۹	تقدیر	۴۳
۵۶۱/۶۱	اے روحِ محبتی اللہ علیکم السلام	۴۴
۵۶۱/۶۱	مذہبیت اسلام	۴۵

۵۰۸
ضربِ کلیم

۸

۵۶۲/۴۲	۴۶ امامت
۵۶۳/۴۳	۴۷ فقہ و راہبہ
۵۶۴/۴۴	۴۸ غزل (تیری متاع حیات علم بہشت کا سرور)
۵۶۵/۴۵	۴۹ تسلیم و رضا
۵۶۶/۴۶	۵۰ جنگ تہ توحید
۵۶۷/۴۷	۵۱ اسلام اور آزادی
۵۶۸/۴۸	۵۲ جان و تن
۵۶۸/۴۸	۵۳ لاہور و لکراچی
۵۶۹/۴۹	۵۴ نبوت
۵۷۰/۵۰	۵۵ اوم
۵۷۰/۵۰	۵۶ مکہ اور جنیوا
۵۷۱/۵۱	۵۷ اے پیسہ حرم
۵۷۲/۵۲	۵۸ مہدی
۵۷۳/۵۳	۵۹ مروجہ سماں

۵۷۴/۷۴	۶۰	پنجابی سلمان
۵۷۵/۷۵	۶۱	آزادی
۵۷۵/۷۵	۶۲	اشاعت اسلام فرستان میں
۵۷۶/۷۶	۶۳	لا و الا
۵۷۷/۷۷	۶۴	امراتے عرب سے
۵۷۷/۷۷	۶۵	احکام الہی
۵۷۸/۷۸	۶۶	موت
۵۷۹/۷۹	۶۷	شم باذن اللہ

تعلیم و تربیت

۵۸۱/۸۱	۱	مقصود
۵۸۲/۸۲	۲	زمانہ حاضر کا انسان
۵۸۳/۸۳	۳	اقوام شرق
۵۸۴/۸۴	۴	آگاہی

۵۱۰
ضرب کلیم
۱۰

۵۸۲/۸۲	۵	مصلحتیں مشرق
۵۸۵/۸۵	۶	مغربی تہذیب
۵۸۵/۸۵	۷	اسرارِ پید
۵۸۶/۸۶	۸	سلطان میپولی و صہیت
۵۸۷/۸۷	۹	غزل (نہ میں انجمن نہ ہندی، نہ عراقی و حجازی)
۵۸۸/۸۸	۱۰	بیساری
۵۸۸/۸۸	۱۱	خودی کی تربیت
۵۸۹/۸۹	۱۲	آزادی و فکر
۵۸۹/۸۹	۱۳	خودی کی زندگی
۵۹۰/۹۰	۱۴	حکومت
۵۹۱/۹۱	۱۵	ہندی مکتب
۵۹۲/۹۲	۱۶	تربیت
۵۹۳/۹۳	۱۷	خوب و زشت
۵۹۳/۹۳	۱۸	مرتب خودی

۵۹۴/۹۴ مہمان عزیز ۱۹

۵۹۴/۹۴ عصر حاضر ۲۰

۵۹۵/۹۵ طالب علم ۲۱

۵۹۵/۹۵ آتھان ۲۲

۵۹۶/۹۶ مدد ۲۳

۵۹۷/۹۷ حکیم نطشہ ۲۴

۵۹۷/۹۷ اساتذہ ۲۵

۵۹۸/۹۸ غزل (بے گمان منزل مقصود کا اُسی کو سراغ) ۲۶

۵۹۹/۹۹ دین و تعلیم ۲۷

۶۰۰/۱۰۰ جاوید سے ۲۸

عورت

۶۰۳/۱۰۳ ۱

۶۰۴/۱۰۴ ۲

۶۰۴/۱۰۴ سوال

۵۱۲
ضربِ کلیم
۱۲

۴	۳	پرودہ
۴	۲	حسوت
۵		عورت
۶		ازادی نسواں
۷		عورت کی حفاظت
۸		عورت اور تعلیم
۹		عورت

۶۰۹/۱۰۹

۶۱۱/۱۱۱

۶۱۲/۱۱۲

۶۱۳/۱۱۳

۶۱۴/۱۱۴

۶۱۴/۱۱۴

۶۱۵/۱۱۵

ادبیات، فنون لطیفہ

۱	۱	دین و ہنر
۲	۲	تخلیق
۳	۳	جُسنوں
۴	۴	اپنے شمرے
۵	۵	پیرس کی مسجد

۶۱۵/۱۱۵	۶ ادبیات
۶۱۶/۱۱۶	۷ نگاہ
۶۱۷/۱۱۷	۸ مسجدِ ثبوت الاسلام
۶۱۸/۱۱۸	۹ تیاتر
۶۱۹/۱۱۹	۱۰ شعاعِ اُمید
۶۲۰/۱۲۰	۱۱ اُمید
۶۲۱/۱۲۱	۱۲ نگاہِ شوق
۶۲۲/۱۲۲	۱۳ اہلِ شہرے
۶۲۳/۱۲۳	۱۴ غزل (دریا میں موتی، اے موج بے باک!)
۶۲۴/۱۲۴	۱۵ وجود
۶۲۵/۱۲۵	۱۶ سرود
۶۲۶/۱۲۶	۱۷ نسیم و شبنم
۶۲۷/۱۲۷	۱۸ اہرامِ مصر
۶۲۸/۱۲۸	۱۹ مخلوقاتِ شہر
۶۲۹/۱۲۹	

۵۱۲
ضربِ کلیم
۱۲

۲۰	اقبال
۲۱	فنون لطیف
۲۲	صبح حسن
۲۳	حنا قانی
۲۴	رومی
۲۵	جست
۲۶	مرزا بیدل
۲۷	جلال و جمال
۲۸	مصور
۲۹	سرو و لال
۳۰	سرو و حرام
۳۱	فواره
۳۲	شاعر
۳۳	شعر عجب

۶۳۰/۱۳۰

۶۳۰/۱۳۰

۶۳۱/۱۳۱

۶۳۲/۱۳۲

۶۳۳/۱۳۳

۶۳۳/۱۳۳

۶۳۴/۱۳۴

۶۳۵/۱۳۵

۶۳۵/۱۳۵

۶۳۶/۱۳۶

۶۳۷/۱۳۷

۶۳۸/۱۳۸

۶۳۸/۱۳۸

۶۳۹/۱۳۹

۵۱۵
ضرب کلیم
۱۵

۴۴۰/۱۴۰	۳۴	نهمین سرور این چند
۴۴۱/۱۴۱	۳۵	مرد بزرگ
۴۴۲/۱۴۲	۳۶	عالم نو
۴۴۲/۱۴۲	۳۷	ایجاب و معانی
۴۴۳/۱۴۳	۳۸	موسیقی
۴۴۳/۱۴۳	۳۹	ذوق نظم
۴۴۴/۱۴۴	۴۰	شعر
۴۴۴/۱۴۴	۴۱	رقص و موسیقی
۴۴۵/۱۴۵	۴۲	ضبط
۴۴۵/۱۴۵	۴۳	رقص

سیاسیات مشرق و مغرب

۴۴۸/۱۴۸	۱	اشتراکیت
۴۴۹/۱۴۹	۲	کارل مارکس و لی آواز

۵۱۶
ضرب کلیم
۱۶

۶۴۹/۱۴۹	۳	انتخاب
۶۵۰/۱۵۰	۴	خوشامد
۶۵۰/۱۵۰	۵	مناصب
۶۵۱/۱۵۱	۶	یورپ اور یہود
۶۵۲/۱۵۲	۷	نفسیاتِ اسلامی
۶۵۳/۱۵۳	۸	بلشویک روس
۶۵۳/۱۵۳	۹	آج اور کل
۶۵۴/۱۵۴	۱۰	شرق
۶۵۴/۱۵۴	۱۱	سیاستِ افغان
۶۵۵/۱۵۵	۱۲	خواجہ بکلی
۶۵۵/۱۵۵	۱۳	عنداموں کے لیے
۶۵۶/۱۵۶	۱۴	اہل مصر
۶۵۷/۱۵۷	۱۵	ابی سینیا
۶۵۸/۱۵۸	۱۶	ابلیس کا فرمان اپنے سیاسی فرزندوں کے نام

۶۵۹/۱۵۹	۱۷	جمعیت اقوام شرق
۶۶۰/۱۶۰	۱۸	سلطانی جاوید
۶۶۰/۱۶۰	۱۹	جمهوریت
۶۶۱/۱۶۱	۲۰	یورپ اور سوریہ
۶۶۱/۱۶۱	۲۱	سولینی
۶۶۳/۱۶۳	۲۲	کلمہ
۶۶۳/۱۶۳	۲۳	انتداب
۶۶۴/۱۶۴	۲۴	لادین سیاست
۶۶۵/۱۶۵	۲۵	وام تہذیب
۶۶۶/۱۶۶	۲۶	نصیحت
۶۶۷/۱۶۷	۲۷	ایک بحری قزاق اور کندر
۶۶۸/۱۶۸	۲۸	جمعیت اقوام
۶۶۸/۱۶۸	۲۹	شام و فلسطین
۶۶۹/۱۶۹	۳۰	سیاسی پیشوا

۶۶۹/۱۶۹	۳۱	نفسیاتِ خلائی
۶۷۰/۱۷۰	۳۲	عسلا موں کی نسا
۶۷۱/۱۷۱	۳۳	فلسطینی عرب سے
۶۷۲/۱۷۲	۳۴	شرق و مغرب
۶۷۲/۱۷۲	۳۵	نفسیاتِ عالمی

محراب گل افغان کے افکار

۶۷۳/۱۷۳	۱	میرے کُستاں! تجھے چھوڑ کے جاؤں کس
۶۷۴/۱۷۴	۲	حقیقتِ ازلی ہے رقابتِ اقوام
۶۷۵/۱۷۵	۳	تری دُعا سے قضے کا تو بدل نہیں سکتی
۶۷۶/۱۷۶	۴	کیا چرخِ کج رو، کیا ہسٹر کیا ماہ
۶۷۸/۱۷۸	۵	یہ بدرِ سیل، یہ غوغائے روارو
۶۷۹/۱۷۹	۶	جو عالمِ ایجاد میں ہے صاحبِ ایجاد
۶۸۰/۱۸۰	۷	رومی بدلے، شامی بدلے، بدلا ہندوستان

۶۸۱/۱۸۱	۸	زراغ کہست ہے نہایت بد نما ہیں تیرے پر
۶۸۲/۱۸۲	۹	عشق طہینت میں نہ رو مایہ نہیں شل ہوس
۶۸۳/۱۸۳	۱۰	وہی جواں ہے قبیلے کی آنکھ کا تارا
۶۸۴/۱۸۴	۱۱	جس کے پر تو سے منور رہی تیری شب ووش
۶۸۴/۱۸۴	۱۲	لا دینی و لاسینی، کس پیچ میں الجھاٹو!
۶۸۵/۱۸۵	۱۳	مجھ کو تو یہ دُسیا نظر آتی ہے دلروں
۶۸۶/۱۸۶	۱۴	بے خبر آتشِ زندانہ چر شق ہے بے باہی
۶۸۷/۱۸۷	۱۵	اوم کا ضمیر اس کی حقیقت پہ ہے شاہ
۶۸۷/۱۸۷	۱۶	قوموں کے لیے موت ہے مرکز سے جدائی
۶۸۸/۱۸۸	۱۷	آگ اس کی پھونک دیتی ہے برنا و پیرلو
۶۸۹/۱۸۹	۱۸	یہ نکستہ خوب کہا شیر شاہ سُوری نے
۶۹۰/۱۹۰	۱۹	نگاہ وہ نہیں جو سرخ و زرد پہچانی
۶۹۱/۱۹۱	۲۰	فطرت کے مقاصد کی کرتا ہے نجبانی



علی حضرت نور محمد اللہ خاف منہ و ما نروا منہ بھوپال
کی خدمت میں

زمانہ با اُمم ایشیا چہ کر و گشت

کسے نہ بود کہ اس دستان فرو خواند

تو صاحب نظری آنچه در سیرین است

دل تو بسند و اندیشہ تو می داند

بگمیر این ہمہ مایہ بسار از من

کہ گل بدست تو از شاخ تازہ تر ماند

ناظرین سے

جب تک نہ زندگی کے حقائق پہ چوٹ
تیرا زُجاج ہونے کے کا عینِ سند
یہ زورِ دست و ضربتِ کاری کل ہے مقام
میدانِ جنگ میں نہ طلب کرو اسے چنگ
خونِ دل و جگر سے ہے ملتا یہ حیات
فطرتِ لہو ترنگ ہے عینِ فلِ اُنہِ جلِ ترنگ



۵۲۲

ضربِ کلیم

۲۲

تہیہ



نہ دیر میں نہ سرم میں خودی کی بیداری
کہ خاوراں میں ہے قوموں کی رُوح تریاکی
اگر نہ سہل ہوں تجھ پر زمیں کے ہنگامے
بُرمی ہے سستی اندیشہ ہائے افلاکی
ترمی نجات عنہم مرگ سے نہیں ممکن
کہ تو خودی کو سمجھتا ہے پیکر خاکی
زمانہ اپنے حوادث چھپا نہیں سکتا
ترا حجاب ہے قلب و نظر کی ناپاکی

عطا ہوا حسن و خاشاک ایسیا مجھ کو
کہ میرے شعلے میں ہے سرکشی و بے باکی



ترکست ہے قہرِ اس بالِ محرابِ آرائی
اگرچہ تُو ہے مثالِ زمانہ کم پیوند
جو لوگستار کے ٹوکر تھے اُن عینِ یوں کو
ترمی نوا نے دیا ذوقِ بندہ ہائے بلند
تڑپ رہے ہیں فضا ہائے سیکڑوں کے لیے
وہ پر شکستہ کہ صحنِ سر میں تھے خورند
ترمی سزا ہے نوائے سحر سے محرومی
مقامِ شوق و سرور و نطن سے محرومی

۵۲۲

ضربِ کلیم

۲۲

اسلام اور مسلمان

۵۲۵
ضربِ کلیم
۲۵

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

صُبح

یہ سحر جو کبھی فردا ہے کبھی ہے امروز
نہیں معلوم کہ ہوتی ہے کہاں سے پیدا
وہ سحر جس سے لرزتا ہے شہستانِ وجود
ہوتی ہے بندۂ موسیٰ کی ازاں سے پیدا

* بھوپال (شیش محل) میں لکھتے گئے

۵۲۶

ضربِ کلیم

۲۶

لا الہ الا اللہ

خودی کا سِر نہاں لا الہ الا اللہ
خودی ہے تیغ، فساں لا الہ الا اللہ
یہ دُور اپنے براہِ سیم کی تلاش میں ہے
صنم کدہ ہے جہاں لا الہ الا اللہ
کیا ہے تُو نے متاعِ سرور کا سودا
فریبِ سود و زیاں لا الہ الا اللہ
یہ مال و دولتِ دنیا، یہ رشتہ و پیوند
بُتانِ وہم و گسّاں لا الہ الا اللہ
خرد ہوتی ہے زمان و مکاں کی زُناری
نہ ہے زماں نہ مکاں لا الہ الا اللہ

یہ نغمہ فصلِ گل و لالہ کا نہیں پاسبند
 بہار ہو کہ خیزاں، لا الہ الا اللہ
 اگرچہ بُت ہیں جماعت کی استینوں میں
 مجھے ہے حکمِ اذان، لا الہ الا اللہ

تن بہ تقدیر

اسی قراں میں ہے اب ترکِ جہاں کی تسلیم
 جس نے مومن کو بنایا مسدودِ پروں کا ایسر
 'تن بہ تقدیر' ہے آج اُن کے عمل کا انداز
 تھی نہاں جن کے ارادوں میں خدا کی تقدیر
 تھا جو تا خوب، بدیج وہی خوب نہوا
 کہ غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا میسر



معراج

وے ولولہ شوق جسے لذت پرواز
کر سکتا ہے وہ ذرہ مرہوس کو تاراج
مشکل نہیں یارانِ پسین بہر کرباز
پرسوز اگرچہ نفسِ سیدِ مرعراج
ناوک سے سلمانِ عرفا اس کا شہر تیار
ہے سرِ سراپردہ جان نکستہ معراج
تو معنی و النخبہ نہ سمجھا تو عجب کیا
تے تیرا ند و جزرا بھی چاند کا محتاج



ایک فلسفہ زدہ سید اے کے نام

تو اپنی خودی اگر نہ کھوتا
 ہیکل کا صدف گھر سے خالی
 محکم کیسے ہو زندگانی
 آدم کو ثبات کی طلب ہے
 دنیا کی عشا جو بس اشراق
 میں اصل کا خاص و مناساتی
 تو سید ہاشمی کی اولاد
 ہے فلسفہ میرے آب و گل میں
 اقبال اگرچہ بے پیر ہے
 شعلہ ہے ترے جنوں کا بے سوز
 انجام حسرت ہے بے حضوری
 افکار کے نغمہ ہائے بے صوت
 زنجاری گرہاں نہ ہوتا
 ہے اس کا طلسم سب خیالی
 کس طرح خودی ہو لازمانی
 دستور حیات کی طلب ہے
 مومن کی ازاں بندائے آفاق
 اب امرے لاتی و سناتی
 میری کف خال برہمنز
 پوشیدہ ہے ریشہ ہائے دل میں
 اس کی رل رل سے باخبر ہے
 سن مجھ سے نیچتہ دل افز
 ہے فلسفہ زندگی سے فوری
 ہیں فوق عمل کے واسطے موت

۵۳۰

ضرب کاہیم

۲۰

دیں مسلک زندگی کی تقویم دیں سیر محمد و براءِ سلیم
دل و رخنِ مستدی بند اے پورِ عشقِ زبوعلی چند

چوں ویدۂ راہ ہیں نداری
قایدِ تشری بہ از بخار می

زمین و آسمان

ممکن ہے کہ تُو جس کو سمجھتا ہے بہاراں
آوروں کی نکاہوں میں وہ موسمِ ہونخراں کا
ہے سلسلہ احوال کا ہر لحظہ نہ درگروں
اے سالک رہا نہ کر سود و زیاں کا
شاید کہ زمیں ہے یہ کسی اور جہاں کی
تُو جس کو سمجھتا ہے فلک اپنے جہاں کا!

* فارسی اشعار حکیم خاٹانی کی 'شحفۃ العراقین' سے ہیں

مسلمان کا زوال

اگرچہ زر بھی جہاں میں ہے قاضی الحاجات
جو فقر سے ہے پیسہ، تو نگر می سے نہیں
اگر جواں ہوں مری قوم کے جنور غنیور
قلندر می مری کچھ کم سکندر می سے نہیں
سبب کچھ اور ہے، تو جس کو خود سمجھتا ہے
زوال بندہ مومن کا بے زری سے نہیں
اگر جہاں میں مرا جوہر آتش کار ہوا
قلندر می سے ہوا ہے، تو نگر می سے نہیں

علم و عشق

علم نے مجھ سے کہا عشق ہے دیوانہ پن
عشق نے مجھ سے کہا علم ہے تخمین وطن

بندہ تنحنہ و وطن! کرم کتابی نہ بن
 عشق سراپا حضور، علم سراپا حجاب!
 عشق کی کرمی سے ہے سرکہ کائنات
 علم مستام صفات، عشق تماشاے فوات
 عشق سکون و ثبات، عشق حیات و ممات
 علم ہے پیدا سوال، عشق ہے پرپہاں جواب!
 عشق کے ہیں معجزات سلطنت و فقر و دیں
 عشق کے ادنیٰ عن سلام صاحب تاج و نگین
 عشق مکان و مکین، عشق زمان و زمیں
 عشق سراپا یقین، اور یقین مستحجاب!
 شرع محبت میں ہے عشرت منزل حرام
 شور شر طوفاں حلال، لذت ساحل حرام
 عشق پہ حبلی حلال، عشق پہ چاسل حرام
 علم ہے ابن الکتاب، عشق ہے اُم الکتاب!

اجتہاد

ہند میں حکمت دیں کوئی کہاں سے سیکھے
نہ کہیں لذت کروار، نہ افکار عسقیق
حلقہ شوق میں وہ جرات اندیشہ کہاں
اے محکموی تفتلید و زوال تحقیق!
خود بدلتے نہیں قراں کو بدل دیتے ہیں
ہوئے کس درجہ فقہانِ حرم بے توفیق!
ان علاموں کا یہ سلک ہے کہ ناقص ہے کتاب
کہ سکھاتی نہیں ہومن کو غلامی کے طریق!

شکر و شجاعت

میں بندہ نادان ہوں مگر شکر ہے تیرا
رکھتا ہوں نہاں خانہ لاہوت سے پیوند

۵۳۲

ضربِ کلیم

۳۲

اک دولہ تازہ دیا میں نے دلوں کو
 لاہور سے تا خائب بخارا و سمرقند
 تاثیر ہے یہ میرے نفس کی کہ خزاں میں
 مرغانِ حسنِ خواں مری صحبت میں ہیں خورسند
 لیکن مجھے پیدا کیا اُس دس میں تُو نے
 جس دس کے بندے ہیں عنِ سلامی یہ ضامنِ دُعا

ذکر و فکر

یہ ہیں سب ایک ہی سالک کی جستجو کے مقام
 وہ جس کی شان میں آیا ہے عظمِ الاسماء
 مقامِ ذکر، کمالاتِ رومی و عطار
 مقامِ فکر، مقالاتِ بوعلی سینا
 مقامِ فکر ہے پیمائشِ زمان و مکان
 مقامِ ذکر ہے سبحان ربی الاعلیٰ

ملائے حرم

عجب نہیں کہ خدا تک تری رسائی ہو
ترمی نہ کہ سے ہے پوشیدہ آدمی کا مقام
ترمی نماز میں باقی حلال ہے، نہ جمال
ترمی اذال میں نہیں ہے مری خسرو کا پیام

تقدیر

نا اہل کو حاصل ہے کبھی قوت و جبروت
ہے خوار زمانے میں کبھی جو ہر ذاتی
شاید کوئی منطق ہو نہاں اس کے عمل میں
تقدیر نہیں تابع منطق و نطق ذاتی
ہاں ایک حقیقت ہے کہ معلوم ہے سب کو
تاریخ اُمم جس کو نہیں ہم سے چھپاتی

مہر لحظہ ہے قوموں کے عمل پر نظر اس کی
بڑاں صفت تیغ و پیکر نظر اس کی!

توحید

زندہ قوت تھی جہاں میں ہی توحید کبھی
آج کیا ہے، فقط اک ستلہ علم کلام
روشن اس ضو سے الرظمت کروار نہ ہو
خود سماں سے ہے پوشیدہ سماں کا مقام
میں نے اے میر سپہ تیری سپہ دہی ہے
ثقل ہوا اللہ کی شمشیر سے خالی ہیں نیام
آہ! اس از سے اقف ہے نہ ملا، فقط یہ
وحدت افکار کی بے وحدت کڑا ہے خام
قوم کیا چیز ہے قوموں کی امامت کیا ہے
اس کو کیا سمجھیں یہ بیچارے دور کھتے امام!

علم اور دین

وہ علم اپنے بتوں کا ہے آپ ابراہیم
کیا ہے جس کو خدا نے دل نطق کا ندیم
زمانہ ایک حیات ایک کائنات بھی ایک
دلیل کم نطق سری قصہ جدید و قدیم
چمن میں تربیت غنچہ چو نہیں سکتی
نہیں ہے قطرۂ شبہم اگر شرابِ نسیم
وہ علم، کم بصری جس میں ہمکنار نہیں
تجلیاتِ کلیم و مشاہداتِ حکیم!

ہندی مسلمان

خدا و وطن اس کو بتاتے ہیں برہمن
انگریز سمجھتا ہے مسلمان کو کدھر

پنجاب کے ارباب نبوت کی شریعت
کہتی ہے کہ یہ مومن پارسی نہ ہے کافر
آوازہ حق اٹھاتا ہے کب اور کدھر سے
مسکین و لکم ماندہ وریں شکمش اندر

ازادی شمشیر کے اعلان پر

سوچا بھی ہے اسے مرد مسلمان کبھی تو نے
کیا چپ نہ ہے فولاد کی شمشیر حکمروار
اُس بیت کا یہ مصرعِ اقول ہے کہ جس میں
پوشیدہ چلے آتے ہیں توحید کے اسرار
ہے فنِ کرب مجھے مصرعِ ثانی کی زیادہ
اللہ کرے تجھ کو عطا فقر کی تلوار
قبضے میں یہ تلوار بھی آجائے تو مومن
یا حن اللہ جاننا ہے یا حیدر گزار

جہاد

فتویٰ ہے شیخ کا یہ زمانہ مسلم کہے
دُنیا میں اب رہی نہیں تلوار کارگر
لیکن جناب شیخ کو معلوم کیا نہیں؟
مسجد میں اب یہ وعظ ہے بے سود بے اثر
شیخ و تفنگ دستِ مسلمان میں ہے کہاں
ہو بھی تو دل ہیں موت کی لذت سے بے خبر
کافر کی موت سے بھی لڑتا ہو جس کا دل
کہتا ہے کون اُسے کہ مسلمان کی موت مر
تعلیم اُس کو چاہیے ترکِ جہاد کی
دُنیا کو جس کے پنجہ خونیں سے ہو خطر
باطل کے فال و فر کی حفاظت کے واسطے
یورپ زرہ میں ڈوب گیا دوشن تا کر

۵۲۰

ضربِ کلیم

۲۰

ہم پوچھتے ہیں شیخ کلیم نواز سے
مشرق میں جنگ شر ہے تو مغرب میں بھی شر
حق سے اگر غرض ہے تو زیبا ہے کیا یہ بات
اسلام کا محاسبہ یورپ سے درگزر!

قوت اور دین

اسکندر و چنگیز کے ہاتھوں سے جہاں میں
سوار ہوتی حضرت انساں کی قبا چاک
تاریخ اُٹم کا یہ پیام اڑی رہے
صاحب نظر! ان شہ قوت سے خطرناک
اس سیل سب سیر و زمین کیسے لے آئے
عقل و نظر و علم پہنچ رہے اس خاشاک
لا دیں ہو تو ہے زہر ہلا بھل سے بھی بڑھ کر
ہو دیں کی حفاظت میں تو ہر زہر کا تریاک

فقر و ملوکیت

فقر جنگاہ میں بے ساز و یراق آتا ہے
ضرب کاری ہے اگر سینے میں ہے قلب سلیم
اس کی بڑھتی ہوتی بے بالی و بے تابی سے
تازہ ہر عہد میں ہے قصہ فرعون و کلیم
اب ترا دور بھی آنے کو ہے افست غیور
کھاکتی زوہر مندرنگی کو ہوائے زور و سیم
عشق و ہستی نے کیا ضبط نفس مجھ پر حرام
کہ کرہ غنچے کی کھلتی نہیں بے موج نسیم



۵۲۲

ضرب کاظم

۲۲

اسلام

روح اسلام کی ہے نورِ خودی، نارِ خودی
زندگانی کے لیے نارِ خودی نور و حضور
یہی چرچہ کی تقویم، یہی اصل نمود
گرچہ اس روح کو فطرت نے رکھا ہے مستور
لفظِ اسلام سے یورپ کو البرکد ہے تو خیر
دوسرا نام اسی دین کا ہے 'فست' غیور!

حیاتِ ابدی

زندگانی ہے صدفِ قطرۂ نسیاں ہے خودی
وہ صدف لیا کہ جو قطرے کو لہر کر نہ سکے
ہو اگر خودِ نگر و خودِ کر و خودِ کسیرِ خودی
یہ بھی ممکن ہے کہ تو موت سے بھی مر نہ سکے

سُلطانی

کے خیر کہ ہزاروں مستام رکھتا ہے
وہ فخر جس میں ہے بے پردہ روح قرانی
خودی کو جب نطنس راتی ہے قاہری اپنی
یہی مستام ہے کہتے ہیں جس کو سُلطانی
یہی مستام ہے مومن کی قوتوں کا عیا
اسی مستام سے آدم ہے ظل سبحانی
چیر و قمر نہیں ہے یہ عشق وستی ہے
کہ جب روقمر سے ممکن نہیں جہاں بانی
کیا کیا ہے غلامی میں بستلا تجھ کو
کہ تجھ سے ہونہ سکی فخر کی نگہبانی

* ریاض منزل (دولت کدہ سر اسر سعوو) بھوپال میں لکھے گئے

۵۲۲

ضرب کلیم

۲۲

مِثَالِ ماہِ چمکتا تھا جس کا داغِ سجود
 سرِ یدلی ہے سرنگی نے وہ سلما نی
 ہوا حریفِ مر و آفتاب تو جس سے
 رہی نہ تیرے ستاروں میں وہ درخشانی

صوفی سے

ترمی نگاہ میں ہے معجزات کی دنیا
 مری نگاہ میں ہے حادثات کی دنیا
 تختِ بلاست کی دنیا غریب ہے لیکن
 غریب تر ہے حیات و ممات کی دنیا
 عجب نہیں کہ بدل دے اسے نگاہِ ترمی
 بھلا رہی ہے تجھے ممکنات کی دنیا



آفرینانِ زود



ترا وجود سراپا تحسینی است رنگ
کہ تو وہاں کے عمارت کروں کی ہے تعمیر
مگر یہ پیکر خالی خودی سے ہے حسالی
فقط پیام ہے تو، زرنکار و بے شمشیر!



ترمی نگاہ میں ثابت نہیں خدا کا وجود
مری نگاہ میں ثابت نہیں وجود ترا
وجود کیا ہے، نقطہ جوہر خودی کی نمود
کہ اپنی فکر کہ جوہر ہے بے نمود ترا

۵۴۶

ضربِ کلیم

۲۶

تصوف *

یہ حکمت ملکوتی، عیرِ علم لائوتی
 حرم کے درو کا درماں نہیں تو کچھ بھی نہیں
 یہ ذکرِ نیم شبی، یہ مراقبے، یہ سرور
 تری خودی کے نگہباں نہیں تو کچھ بھی نہیں
 یہ عتسل جو مہ و پرویں کا کھیلتی ہے شکار
 شریکِ شورشِ پناہاں نہیں تو کچھ بھی نہیں
 خرد نے کہہ بھی دیا لا الہ تو کیا حاصل
 دل و نگاہِ سداں نہیں تو کچھ بھی نہیں
 عجب نہیں کہ پریشاں ہے گفتگو میری
 فروغِ صبح پریشاں نہیں تو کچھ بھی نہیں

* ریاض منزل (دولت کدہ سر اس سعود) بھوپال میں لکھے گئے

چندی اسلام

ہے زندہ فقط وحدت افکار سے ملت
وحدت ہو فنا جس سے وہ الہام بھی الحاد
وحدت کی حفاظت نہیں بے قوت بازو
اتنی نہیں کچھ کام یہاں عقل خداؤ
اے مرد خدا! تجھ کو وہ قوت نہیں حاصل
جا بیٹھ کسی عنار میں اللہ کو گریاؤ
مسکینی و محکومی و نویسی دی جاؤ
جس کا یہ تصوف ہو وہ اسلام کہ ایجاد
ملا کو جو ہے ہند میں سجدے کی اجازت
ناداں سمجھتا ہے کہ اسلام ہے آزاد



غزل

دل مردہ دل نہیں ہے، اسے زندہ کر دو بارہ
 کہ یہی ہے اُمتوں کے مرضِ کُن کا چارہ
 ترا بھر پر سکوں ہے یہ سکوں ہے یا فسوں ہے؟
 نہ نہنک ہے نہ طُوفان، نہ خرابی کنارہ!
 تو ضمیرِ آسماں سے ابھی آشنا نہیں ہے
 نہیں بے قرار کرتا تجھے غمزدہ ستارہ
 ترے نیستیاں میں ڈالا مرے نغمہ بھرنے
 مری خال پے پیر میں جو نہاں تھا اک شرارہ
 نظر آئے گا اُسی کو یہ جہانِ دوش و فردا
 جسے آگئی میسر مری شوخیِ نطنارہ



دنیا

مجھ کو بھی نظر آتی ہے یہ بوقلمونی
وہ چاند، یہ تارا ہے، وہ پتھر، یہ نکلیں ہے
دیتی ہے مری چشم بصیرت بھی یہ فتویٰ
وہ کوہ، یہ دریا ہے، وہ لہروں، یہ زمیں ہے
حق بات کو لیکن میں چھپا کر نہیں رکھتا
تو ہے، تجھے جو کچھ نظر آتا ہے، نہیں ہے!

نماز

بدل کے بھیس پھر آتے ہیں ہر زمانے میں
الکرچہ پیر ہے آدم، جواں ہیں لات و منات
یہ ایک سجدہ ہے جسے تو کراں سمجھتا ہے
ہزار سجدے سے دیتا ہے آدمی کو نجات!

وَحیٰ

عقل بے مایہ انا مست کی سزاوار نہیں
راہبر ہو وطن و تہمتیں تو زبوں کار حیات
فکر بے نور ترا، جذبِ عمل بے بنیاد
سخت مشکل ہے کہ روشن پوشِ تار حیات
خوب و ناخوب عمل کی ہو کردہ واکینہ
گر حیات آپ نہ ہو شارح اسرار حیات!

شکست

مجاہدانہ حرارت رہی نہ صوفی میں
بہانہ بے عملی کا بنی شراب است

* ریاض منزل (دولت کدہ سر اس سعود) بھوپال میں لکھے گئے

فقیر شہر بھی رہبانیت پہ ہے مجبور
کہ معرکے ہیں شریعت کے جناب دست بدست
کریم کشمکش زندگی سے، مردوں کی
الزسکت نہیں ہے تو اور کیا ہے شکست!

عقل و دل

ہر خاکی و نوری پہ حکومت ہے خرد کی
باہر نہیں کچھ عقل حسد او کی زور سے
عالم ہے عین سلام اس کے بدل ازل کا
اک دل ہے کہ ہر لحظہ ابھرتا ہے خرد سے

مستی کردار

صوفی کی طریقت میں فقط مستی احوال
ملا کی شریعت میں فقط مستی کُفّار

شاعر کی نوا مُردہ و افسردہ و بے ذوق
 افکار میں سرست نہ خوابیدہ نہ بیدار
 وہ مردِ مجاہدِ نطنس را تا نہیں مجھ کو
 ہو جس کے رک و پے میں فقط سستی کروا

قبر

مرد کا شبستاں بھی اُسے رس نہ آیا
 آرامِ قلندر کو تیرے خاک نہیں ہے
 خاموشیِ اندک تو ہے قبر میں لیکن
 بے قیدی و پہنائیِ افلاک نہیں ہے



قلندر کی پہچان

کہتا ہے زمانے سے یہ درویش جواں مرو
جاتا ہے جدھر بندہ حق، تو بھی اُدھر جا
ہنکامے ہیں میرے تری طاقت سے زیادہ
پختا ہوا بُنگاہِ قلندر سے کُزر جا
میں کشتی و ملاح کا محتاج نہ ہوں کا
چڑھتا ہوا دریا ہے اگر تو تو اتر جا
توڑا نہیں جاؤ و مری تکبیر نے تیرا؟
ہے تجھ میں سُکر جانے کی جرات تو مگر جا

مہر و مسہ و انجم کا محاسب ہے قلندر
ایام کا مرکب نہیں، راکب ہے قلندر



فسف

افکار جوانوں کے خفی ہوں کہ جلی ہوں
 پوشیدہ نہیں مرد تسلندر کی نظر سے
 معلوم ہیں مجھ کو ترے احوال کہ میں بھی
 مدت ہوئی گزرا بھتا اسی راہ گزر سے
 افسانہ کے پتھوں میں اُلجھتے نہیں دانا
 غواص کو مطلب ہے صدقے کہ لہر سے!

پیدا ہے فقط حلفتِ ارباب جنوں میں
 وہ عفتل کہ پا جاتی ہے شعلے کو شر سے
 جس معنی چھپیدہ کی تصدیق کرے دل
 قیمت میں بہت بڑھ کے ہے تابندہ لہر سے
 یا مُردہ ہے یا نزع کی حالت میں گرفت
 جو فسف لکھانہ کیا خون جگر سے

مردانِ خدا

وہی ہے بندہٴ حُر جس کی ضرب ہے کاری
نہ وہ کہ ضرب ہے جس کی تمام عیاری
ازل سے فطرتِ احرار میں ہیں پوششِ بدوش
قلندری و قبِ پوشی و کلداری
زمانہ لے کے جسے آفتاب کرتا ہے
انہی کی خال میں پوشیدہ ہے وہ چنگاری
وجود انہی کا طوافِ بُتاں سے ہے ازاد
یہ تیرے مومن و کافر تمام زُتاری!

کافر و مومن

کل ساحلِ دریا پہنچا مجھ سے خضر نے
تو ٹھونڈ رہا ہے سہمِ افرنگ کا تریاق؟

اگ نکتہ مے پاس ہے شمشیر کی مانند
 برتندہ و صفتِ نزل زود و روشن و براق
 کافر کی یہ چپان کہ افق ہیں لم ہے
 مومن کی یہ چپان کہ لم اس میں ہیں افق!

مہدی برحق

سب اپنے بنائے سوتے زنداں میں ہیں محبوس
 خاور کے ثوابت ہوں کہ افرنگ کے سید
 پیرانِ کلیسا ہوں کہ شیخانِ حرم ہوں
 نے جدتِ گفتار ہے نے جدتِ کردار
 ہیں اہل سیاست کے وہی لہنہ خم و پیچ
 شاعر اسی افلاسِ تخیل میں گرفتار
 دنیا کو ہے اس مہدی برحق کی ضرورت
 جو جس کی نہ کہ زلزلہ عالمِ افکار

مومن

(دُنیا میں)

ہو حلفتِ تریاں تو بریشم کی طرح نرم
رزقِ حق و باطل ہو تو فولاو ہے مومن
افداں سے ہے اس کی حریفانہ کشاکش
خالی ہے مگر حناک سے آزاو ہے مومن
بچتے نہیں لُنجشک و حمام اس کی نظریں
جبریل و سرافیل کا صیاد ہے مومن

جنت میں

کہتے ہیں فرشتے کہ دل آویز ہے مومن
خوروں کو شکایت ہے، کم امیر ہے مومن

❖ بھوپال (شیش محل) میں لکھے گئے

۵۵۸

ضربِ کلیم

۵۸

محمد علی باب

تھی خوب حضورِ علما باب کی تفسیر
بیچارہ غلط پڑھتا تھا اعرابِ سموات
اس کی غلطی پر علمائے تھے مُشتم
بولا، تمہیں معلوم نہیں میرے مقامات
اب میری امامت کے تصدیق میں ہیں ازاں
محبوس تھے اعراب میں قرآن کے آیات!

تفسیر

(ابلیس و یزداں)

ابلیس

اے خدا تے کن فکان! مجھ کو نہ تھا آدمِ سیر
آہ! وہ زندانیِ نزدیک و دور و دیر و زور

حرفِ استکبار تیرے سامنے ممکن نہ تھا
ہاں مگر تیری مشیت میں نہ تھا میرا سجود

یہ زواں

کب کھلا تجھ پر یہ راز، انکار سے پہلے کہ بعد؟

ابلیس

بعد اے تیری جہنمی سے کمالاں جو!

یہ زواں

(فرشتوں کی طرف دیکھ کر)

پستیِ فطرت نے سلکھلائی ہے یہ حجت اے
کہتا ہے تیری مشیت میں نہ تھا میرا سجود
وے رہا ہے اپنی ازادی کو مجبوسی کا نام
ظالم اپنے شعلہ سوزاں کو خود کہتا ہے دود!

(ماخوذ از محی الدین ابن عربیؒ)



اے رُوحِ محمدؐ

شیرازہ ہوا ملتِ مرحوم کا اتر
اب تو ہی بتا، تیرا مسلمان کدھر جائے!
وہ لذتِ آشوب نہیں بحرِ عرب میں
پوشیدہ جو ہے مجھ میں وہ طوفان کدھر جائے
چرچند ہے بے قافلہ و راحلہ و زرا
اس کوہ و بیاباں سے خدی غم ان کدھر جائے
اس راز کو اب فاش کر اے رُوحِ محمدؐ
آیتِ الہی کا نگہ بان کدھر جائے!

مذہبِ اسلام

بتاؤں تجھ کو سماں کی زندگی کیا ہے
یہ ہے نہایتِ اندیشہ و کمالِ حسنوں

طلوع ہے صفتِ آفتاب اس کا غروب
 یگانہ اور مثالِ زمانہ گونا گوں!
 نہ اس میں عصرِ رواں کی حیاتِ سببِ نزاری
 نہ اس میں عسکِ کائنات کے فسانہ و افسوں
 حقتِ اتقِ ابدی پر اساس ہے اس کی
 یہ زندگی ہے، نہیں ہے طلسمِ افلاطون!
 عناصرِ اس کے ہیں روح القدس کا ذوقِ جمال
 عجم کا حسنِ طبعیت، عرب کا سوزِ زوون!

امامت

تو نے پوچھی ہے امامت کی حقیقت مجھے
 حق تجھے میری طرح صاحبِ اسرار کے
 ہے وہی سیرے زلمنے کا امامِ برحق
 جو تجھے حاضر و موجود سے سببِ نزاری کے

موت کے آنے میں تعجب کو دکھا کر رنج و دوست
 زندگی تیرے لیے اور بھی دُشوار کرے
 دے کے احساسِ زبیاں یہ اللہ کرے
 فقر کی سان چڑھا کر تجھے تلوار کرے
 فتنہ ملت بیضا ہے اِمامت اُس کی
 جو سماں کو سلاطین کا پرستار کرے

فقر و راہبی

کچھ اور چیز ہے شاید تری مسلمان
 تری نگاہ میں ہے ایک فہرستِ روہبانی
 سکوں پرستی راہب سے فقر ہے ہرینار
 فقیر کا ہے سفینہ ہمیشہ طوفانی
 پسند روح و بدن کی ہے و انمود اس
 کہ ہے نہایت مومن خودی کی غیریانی

وجود صیر فی کائنات ہے اُس کا
 اُسے خبر ہے یہ باقی ہے اور وہ فنا
 اُسی سے پوچھ کہ پیشِ نگاہ ہے جو کچھ
 جہاں ہے یا کہ فقط زمانِ بولی طغیانی
 یہ فترتِ مردِ سماں نے لھو دیا جسے
 رہی نہ دولتِ سلطانی و سلیمانی

غزل

تیری متاعِ حیات علم و ہمت کا سرور
 میری متاعِ حیات ایک دلِ جاں جو
 معجزۂ اہلِ منکر و فسفہ پیچ پیچ
 معجزۂ اہلِ ذکر، موسیٰ و عمران و طور
 مصلحت کہہ دیا میں نے سماں تجھے
 تیرے نفس میں نہیں کرمی یومِ انشور

۵۶۲

ضربِ کلیم

۶۲

ایک زمانے سے ہے چاک لریباں مرا
 تو ہے ابھی پوش میں میرے جنوں کا قصوہ
 فیضِ نطنز کے لیے ضبطِ سخن چاہیے
 حرفِ پریشاں نہ کہ اہلِ نطنز کے حصوہ
 خوارِ جہاں میں کبھی ہو نہیں سکتی وہ قوم
 عشقِ جو بس کا جنوہ فقرِ جو بس کا غبوہ

تسلیم و رضا

ہر شاخ سے نکلتے پھیل رہے پیدا
 پودوں کو بھی احساس ہے بہنائے فضا کا
 ظلمتِ کدہ خاکِ پستِ کمر نہیں رہتا
 ہر لحظہ سے دانے کو جنوں نشوونما کا
 فطرت کے تقاضوں پہ نہ کر راہِ عمل بند
 مقصود ہے کچھ اور ہی تسلیم و رضا کا

جرات ہونو کی تو فضا تنگ نہیں ہے
اے مردِ خدا، ملکِ خدا تنگ نہیں ہے!

نکستہ توحید

بیاں میں نکستہ توحید تو سکتا ہے
ترے دماغ میں بُت خانہ ہو تو کیا کہیے
وہ رمزِ شوق کہ پوشیدہ لا الہ میں ہے
طریقِ شیخ فقیرِ سناہ ہو تو کیا کہیے
سرورِ جو حق و باطل کی کارزار میں ہے
تو حرب و ضرب سے بیگانہ ہو تو کیا کہیے
جہاں میں بندہ خُمر کے مشاہدات میں کیا
ترمی نگاہِ عن لایمانہ ہو تو کیا کہیے
مقامِ فقر ہے کتنا بلند شاپی سے
روشِ کسی کی لدا یا نہ ہو تو کیا کہیے!

الہام اور آزادی

ہو بندۂ آزاد اگر صاحبِ الہام
ہے اس کی نیک فکر و عمل کے لیے ہمیز
اس کے نفسِ کرم کی تاثیر ہے ایسی
ہو جاتی ہے خالِ چمنستانِ شرر امیز
شاہیں کی ادا ہوتی ہے بے بدل میں نمودار
کس درجہ بدل جاتے ہیں مرغِ غنِ سحر خیز
اُس مردِ خود آگاہ و خدا مست کی صحبت
دیتی ہے کداؤں کو شکوہِ بزمِ و پرور
محکوم کے الہام سے اللہ بچائے
غارتِ کرا قوام ہے وہ ضرور ست چمنیز



جان و تن

عقل مدت سے ہے اس بیچاک میں الجھی ہوئی
روح کس جوہر سے خاک تیرہ کس جوہر سے ہے
سیری مشکل ہستی و شور و سرور و در و داغ
تیری مشکل مے سے ہے ساغر مے ساغر سے ہے
اے باطراف و معنی، خست ملاط جان و تن
جس طرح انگ کربا پوشش اپنی خاکستر سے ہے

لاہور و کراچی

نظر اللہ پہ رکھتا ہے مسلمان غیور
موت کیا شے ہے فقط عالم معنی کا سفر
اُن شہیدوں کی دیت اہل کلیسا سے نہ مانگ
قد و قیمت میں ہے خوں جن کا حرم سے بڑھ کر

اے، اے مسلمان! تجھے کیا یاد نہیں
حرف 'لا تَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ'

نبوت

میں نہ عارف، نہ مجدد، نہ محدث، نہ فقیہ
مجھ کو معلوم نہیں کیا ہے نبوت کا مقام
ہاں، مگر عالم اسلام پہ رکھتا ہوں نطن
فالش ہے مجھ پر یہ ضمیرِ فلک نیلی فام
عصرِ حاضر کی شبِ تاریں دیکھی میں نے
حقیقت کہ ہے روشن صفتِ ماہِ تمام
وہ نبوت ہے مسلمان کے لیے برگِ حشیش
جس نبوت میں نہیں قوت و شوکت کا پیام



آدم

طاسم بود و عدم جس کا نام ہے آدم
خدا کا راز ہے، قادر نہیں ہے جس پہ سخن
زمانہ صبح ازل سے رہا ہے محو سفر
مگر یہ اس کی تک و دو سے ہو سکا نہ کہن
اگر نہ ہو تجھے الجھن تو کھول کر کہہ دوں
وجود حضرت انساں نہ روح ہے نہ بدن!

مذہ اور جلیوا

اس فور میں اقوام کی صحبت بھی نہونی عام
پوشیدہ نگاہوں سے رہی حدتِ آدم
تفنی رقی مل حکمتِ افزا کا مقصود
اسلام کا معنی صوت فقط ملتِ آدم

۵۷۰

ضربِ کلیم

۷۰

کئے نے دیا خال حبیبو کو یہ پیام
جمعیت اقوام کہ جمعیت اوم

اپے پیرِ حرم

اپے پیرِ حرم! رسم و رہِ خانقہ چھوڑ
مقصودِ سبجہ میری نوائے حسری کا
اللہ رکھے تیرے جانوں کو سلامت!
دے ان کو سبقِ خوشگنی، خود نگری کا
تو ان کو سکھا خارا شکافی کے طریقے
مغرب نے سکھایا انھیں فنِ شیشہ کمری کا
دل توڑ گئی ان کا دوسدیوں کی غلامی
دارو کوئی سوچ ان کی پریشاں نظری کا
کہہ جاتا ہوں میں زورِ جنوں میں ترے اسرار
مجھ کو بھی جملہ دے مری آشفۃ سری کا

مہدی

قوموں کی حیات ان کے تختل پہ ہے موقوف
یہ ذوق سکھاتا ہے ادب مرغِ چمن کو
مجدوبِ فرنگی نے بہ اندازِ سنرنگی
مہدی کے تختل سے کیا زندہ وطن کو
اے وہ کہ تو مہدی کے تختل سے ہے بیزار
نومید نہ کرا چوئے مُشکِیں سے ختن کو
ہو زندہ کفن پوش تو میت اُسے سمجھیں
یا چاک کریں مردِ ناداں کے کفن کو؟



مرد مسلمان

ہر لحظہ ہے مومن کی نئی شان، نئی آن
 گفتار میں، کردار میں، اللہ کی برہان!
 قناری غنچتاری و قدوسی و جبروت
 یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلمان
 ہمسایہ چربیلِ امیں بسندۂ خالی
 ہے اس کا نشیمن نہ بخارا نہ بدخشان
 یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن
 قاری نظر آتا ہے، حقیقت میں ہے قرآن!
 قدرت کے مقاصد کا عیار اس کے ارادے
 دنیا میں بھی میزان، قیامت میں بھی میزان
 جس سے جگرِ لالہ میں ٹھنڈک ہو، وہ شبنم
 دریاؤں کے دل جس سے ہل جائیں، وہ طوفان

فطرت کا سرود اذلی اس کے شب و روز
 اہنگ میں بکتا صفت سورۃ رحمن
 بنتے ہیں مری کار کہ فکر میں اہم
 لے اپنے مقدر کے ستارے کو تو پہچان!

پنجابی مسلمان

مذہب میں بہت تازہ پسند اس کی طبیعت
 کرے کہیں منزل تو کز تہ ہے بہت جلد
 تحقیق کی بازی ہو تو شرکت نہیں کرتا
 چو کھیل مُریدی کا تو ہر تہ ہے بہت جلد
 تہاویل کا پھندا کوئی صیاد لگا دے
 یہ شاخ نشین سے اترتا ہے بہت جلد



۵۷۲

ضربِ کلیم

۷۲

ازادی

ہے کس کی یہ خبرات کہ مسلمان کو ٹوکے
حضرت افکار کی نعمت ہے خدا داد
چاہے تو کرے کعبے کو آتش کدہ پاس
چاہے تو کرے اس میں فرنگی صہبائے
شران کو باز چہ تاویل بن کر
چاہے تو خود اک تازہ شریعت کرے ایجا
ہے مہم سکت چہند میں الٹنہ تماشا
اسلام ہے محبوب اس مسلمان ہے ازاد!

اشاعت اسلام فرنگستان میں

ضمیر اس مذہبیت کا دیں سے ہے خالی
فرنگیوں میں اخوت کا ہے نسب پہ قیام

بلند تر نہیں انگریز کی نگاہوں میں
 فتبول دین سچی سے برہمن کا مقام
 اگر فتبول کرے دین مصطفیٰ، انگریز
 سیاہ روز سلاں رہے کا پھر بھی غلام

لا و الا

فضائے نور میں کرتا نہ شاخ و برگ و برپیدا
 سفر خالی شبستان سے نہ کر سکتا الروانہ
 نہ ساد زندگی میں استلا، انتہا، الا
 پیام موت ہے جب لا ہوا الا سے بیگانہ
 وہ ملت روح جس کی لا سے آگے بڑھ نہیں سکتی
 یقین جانو ہوا البریز اس ملت کا پیانہ



۵۷۶

ضرب کلیم

۷۶

اُمراءِ عربؑ

کرے یہ کافر ہندی بھی خُبر آستِ کُفتار
اگر نہ ہو اُمراءِ عرب کی بے ادبی!
یہ نیکتہ پہلے سلکھایا کیا کس امت کو؟
وہ سالِ مُصطفوی، اُستِ راقِ بولہبی!
نہیں وجودِ حدود و ثغور سے اس کا
مستندِ عربی سے ہے عالمِ عربی!

احکامِ الہی

پابندیِ تقدیر کہ پابندیِ احکام!
یہ مسئلہ مشکل نہیں اے مردِ خرومست

❀ بھوپال (شیش محل) میں لکھے گئے

اک آن میں سو بار بدل جاتی ہے تقدیر
 ہے اس کا معتد ابھی ناخوش ابھی خورند
 تقدیر کے پاس نہ بات جہاد است
 مومن نقطہ احکام الہی کل ہے پاسبان

موت

لحد میں بھی یہی غیب و حضور رہتا ہے
 اگر ہو زندہ تو دل نا صبور رہتا ہے
 مہ و ستارہ، مثال شرارہ یک و نفس
 مے خودی کا ابد تک سرور رہتا ہے
 فرشتہ موت کا چھوٹا ہے کو بدن تیرا
 ترے وجود کے مرکز سے دور رہتا ہے!



مُشَمِّمِ بَاؤُنِ اللہ

جہاں الرحیمہ لکڑوں ہے مُشَمِّمِ بَاؤُنِ اللہ
وہی زمین، وہی لکڑوں ہے مُشَمِّمِ بَاؤُنِ اللہ
کیا نوائے انما الحق کو آتشیں جس نے
ترمی رکوں میں وہی نخل ہے مُشَمِّمِ بَاؤُنِ اللہ
غمیں نہ چو کہ پر اسندہ ہے شعور ترا
فرنگیوں کا یہ افسوں ہے مُشَمِّمِ بَاؤُنِ اللہ



سعود (Station) (برہنہ)

سجنو را

نظر حیات صید رطبت اورد اشہ
جانت کاپے با حضور و کرد و نور و نور

ملا طول

نکات موت مر رطبت اورد اشہ

جانت بنی تاملت مر شراہ نور

مضط محمدی ہے محمدی کا لفظ ہ کا حضور
جانت خودت ہر الشفا شمس لکھن

تعلیم و تربیت

۵۸۱
ضرب کلیم
۸۱

مقصود

(سپینوزا)

نظر حیات پر رکھتا ہے مرد و دانش مند
حیات کیا ہے حضور و سرور و نور و وجود

(فلاطون)

نگاہ موت پر رکھتا ہے مرد و دانش مند
حیات ہے شب تاریک میں شرر کی نمود

حیات موت نہیں التفات کے لائق
فقط خودی ہے خودی کی نگاہ کا مقصد

* ریاض منزل (دولت کدہ سر اس سعود) بھوپال میں لکھے گئے

۵۸۲
ضرب کاظم
۸۲

زمانہ حاضر کا انسان

عشق ناپید و خرد میگذردش صورتِ مار
عقل کو تابعِ فرمانِ نطنز کرنے سکا
ڈھونڈنے والا ستاروں کی لہر کا چوں کا
اپنے افکار کی دُنیا میں سحر کرنے سکا
اپنی جحمت کے حنم و پیچ میں ابھرا ایسا
آج تک نصیحت نہ نفعِ ضرر کرنے سکا
جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا
زندگی کی شب تاریک سحر کرنے سکا

اقوامِ مشرق

نظر آتے نہیں بے پروہتِ آفاق اُن کو
انکھ جن کی ہوئی محکومیِ وقتِ تسلید سے کو

زندہ کر سکتی ہے ایران و عرب کو کیونکر
یہ فرنگی مذہبیت کہ جو ہے خود لب کو را

آگاہی

نظر سپہریہ رکھتا ہے جو ستارہ شناس
نہیں ہے اپنی خودی کے معتمد سے آگاہ
خودی کو جس نے فلک سے بلند تر دیکھا
وہی ہے مملکتِ صبح و شام سے آگاہ
وہی نگاہ کے ناخوب و خوب سے محرم
وہی ہے دل کے حلال و حرام سے آگاہ

مصلحین مشرق

میں ہوں نوید تیرے ساقیانِ سامری فن سے
کہ بزمِ خاوراں میں لے کے آئے ساتھیں خالی

۵۸۲

ضربِ کلیم

۸۲

نئی بجلی کہاں اُن بادلوں کے جیب وامن میں
پُرانی بجلیوں سے بھی ہے جن کی آستیں خالی

مغربی تہذیب

فسادِ قلب و نظر ہے غربت کی تہذیب
کہ رُوح اس مذہبیت کی رہ سکی نہ عقیف
رہے نہ رُوح میں پاکیزگی تو ہے ناپید
ضمیر پاک جو خیالِ بلند و ذوقِ لطیف

اسرارِ پیدا

اُس قوم کو شمشیر کی حاجت نہیں ہتی
ہو جس کے جوانوں کی خودی صورتِ فولاد
ناچسین ز جہانِ مرد و پروں ترے آگے
وہ عالمِ مجبور ہے، تو عالمِ آزاد

موجوں کی پیش کیلئے فقط ذوق طلب ہے
 پنہاں جو صدف میں ہے وہ دولت سے خداؤ
 شاہیں کبھی پرواز سے تھک کر نہیں کرتا
 پروم ہے اگر تو تو نہیں خطرۂ مفت

سلطان ٹیپو کی وصیت

تو رہ نور و شوق ہے نہ نزل نہ کربول
 لیلی بھی ہم شیں ہو تو محسن نہ کربول
 اے جو تے اب بڑھ کے ہو دریا تے تند تیز
 ساحل تجھے عطا ہو تو ساحل نہ کربول
 کھویا نہ جا صحنہ کدۂ کائنات میں
 محسن کدۂ ابراہیم محسن نہ کربول
 صبح ازل یہ مجھ سے کہا جبریل نے
 جو عسل کا سلام ہو وہ دل نہ کربول

باطل دُوتی پسند ہے، حق لا شرک ہے
شرکت مسیحا نہ حق و باطل نہ کہ قبول

غزل

نہ میں عجبی نہ پسندی نہ عراقی و حجازی
کہ خودی سے میں نے سیکھی وہاں سے بے نیازی
تو مری نطن سر میں کافر میں تری نطن سر میں کافر
تراوین نفس شماری مراوین نفس کدازی
تو بدل گیا تو بہت کہ بدل گئی شریعت
کہ موافق تدرواں نہیں دین شاہبازی
ترے دشت و در میں مجھ کو وہ جنوں نطن سر آیا
کہ کھائے سکے خرد کورہ و رسم کار سازی
نہ جدار ہے نوا کرتے تاب زندگی سے
کہ ہلا کی اُمم ہے یہ طریق نے نوازی

بیداری

جس بندہ حق ہیں کی خودی ہو گئی بیدار
ششیر کی مانند ہے بڑندہ و براق
اس کی نگہ شوخ پہ ہوتی ہے نمودار
ہر ذرے میں پوشیدہ ہے جو قوت اشراق
اس مرد خدا سے کوئی نسبت نہیں تجھ کو
تو بندہ آفاق ہے وہ صاحب آفاق
تجھ میں ابھی پیدا نہیں ساحل کی طلب بھی
وہ پالی فطرت سے ہوا محرم اساق

خودی کی تربیت

خودی کی پرورش و تربیت پہ ہے موقوف
کہ نشت خاک میں پیدا ہوا شش سوز

یہی ہے سترِ کلیمی ہر اک زمانے میں
چوائے دشت و شعیب و شبانی شب و روزا

آزادی منکر

آزادی افکار سے ہے اُن کی تباہی
رکھتے نہیں جو منکر و تدبیر کا سلیقہ
جو منکر اگر حرام تو آزادی افکار
انسان کو حیوان بنانے کا طریقتہ

خودی کی زندگی

خودی ہو زندہ تو ہے فستہ بھی شہنشاہی
نہیں ہے سنجہ و طغزل سے کم شک و فہم
خودی ہو زندہ تو دریائے بے دراں پایا
خودی ہو زندہ تو کسار پر نیان و سریر

نہنگِ زندہ ہے اپنے محیط میں ازاد
نہنگِ مردہ کو موجِ سراب بھی زنجیر!

حکومت*

ہے مریدوں کو تو حق بات کو ارا لیکن
شیخ و ملا کو بُری لگتی ہے درویش کی بات
قوم کے ہاتھ سے جاتا ہے مستاعِ کردار
بحث میں آتا ہے جب فلسفہ نوات و صفات
گرچہ اس وزیر کھن کا ہے یہ دستورِ قدیم
کہ نہیں مے کدہ و ساقی و مہینا کو ثبات
قسمتِ بادہ مگر حق ہے اُسی ملت کا
انگلیں جس کے جوانوں کو ہے تلخابِ حیات!

* ریاض منزل (دولت کدہ سر اس مسعود) بھوپال میں لکھے گئے

ہندی مکتب

اقبال! یہاں نام نہ لے علم خودی کا
موزوں نہیں مکتب کے لیے ایسے مقالات
بہتر ہے کہ بیچارے مولوں کی نطنہ سے
پوشیدہ رہیں باز کے احوال و مقامات
ازاد کی ال ان ہے محکوم کا ال سال
کس درجہ کراں سیر ہیں محکوم کے اوقات
ازاد کا ہر لحظہ پیامِ ابدیت
محکوم کا ہر لحظہ نئی مرلِ مفاجات
ازاد کا اندیشہ حقیقت سے منور
محکوم کا اندیشہ گرفتارِ خرافات
محکوم کو پیروں کی کرامات کا سوا
ہے بندۂ آزاد خود اک زندہ کرامات

محکوم کے حق میں ہے یہی تربیت اچھی
موسیقی و صورت کرمی و علم نباتات

تربیت

زندگی کچھ اور شے ہے، علم ہے کچھ اور شے
زندگی سوزِ جگر ہے، علم ہے سوزِ دماغ
علم میں دولت بھی ہے، قدرت بھی ہے لذت بھی ہے
ایک مشکل ہے کہ ہاتھ آتا نہیں اپنا سراغ
اہل دانش عام ہیں، کم یاب ہیں اہل نطن
کیا تعجب ہے کہ حنائی رہ گیا تیرا ایاغ!
شیخِ مکتب کے طریقوں سے کشادہ دل کہاں
کس طرح کہہ دیتے روشن ہو بجلی کا چراغ!



خوب زشت

ستارگانِ فضا ہائے نیلگوں کی طرح
تختِ است بھی ہیں تابعِ طلوع و غروب
جہاں خودی کا بھی ہے صاحبِ فرار و نشیب
یہاں بھی سرکہ آرا ہے خوب سے ناخوب
نمود جس کی فرارِ خودی سے ہو وہ جھیل
جو ہوشیہ میں پیدا، تسبیح و نامحبوب!

مرکبِ خودی

خودی کی موت سے مغربِ کاندڑوں بے نور
خودی کی موت سے مشرق ہے بے تلاشِ جذام
خودی کی موت سے رُوحِ عرب ہے بے کتاب
بدنِ سراق و عجبِ کاسم ہے بے عروقِ عطاسم

خودی کی موت سے ہندی شکستہ بالوں پر
 قفس ہوا ہے لال اور آشیانہ حرام
 خودی کی موت سے چیرم ہوا مجبور
 کہ بیچ کھاتے سماں کا جامہ احرام

مہمان عزیز

پُر ہے افکار سے ان مدر سے والوں کا ضمیر
 خوب ناخوب کی اس فور میں ہے کس کو تمیز
 چاہیے چنانہ دل کی کوئی منزل حنالی
 شاید آج تے کہیں سے کوئی مسافر عزیز

عصر حاضر

پُخت افکار کہاں ڈھونڈنے جاتے کوئی
 اس زمانے کی ہوا رکھتی ہے ہر چیز کو خام

۵۹۲

ضرب کلیم

۹۲

مدرسہ عقل کو آزاد تو کرتا ہے مگر
چھوڑ جاتا ہے خیالات کو بے ربط و نظام
مُردہ، لا دینی افکار سے افرنگ میں عشق
عقل بے ربطی افکار سے مشرق میں غلام!

طالب علم

خدا تجھے کسی طوفان سے آشنا کر دے
کہ تیرے بھر کی موجوں میں اضطراب نہیں
تجھے کتاب سے ممکن نہیں سراغ کہ تو
کتاب خواں ہے مگر صاحب کتاب نہیں!

امتحان

کہا پہلا ڈکٹی نڈی نے سنکینے سے
فتاویٰ کی وسرافلت کی تری معراج!

ترایہ حال کہ پامال و درہند ہے تُو
 مری یہ شان کہ دریا بھی ہے مرا محتاج
 جہاں میں تُو کسی دیوار سے نہ ٹکرایا
 کئے خبر کہ تُو ہے سنب خارہ یا کہ زجاج!

مدرسہ

عصرِ حاضر ملک الموت ہے تیرا جس نے
 قبض کی رُوح تری دے کے تجھے فکرِ معاش
 دل لرزتا ہے طرینہ کشاکش سے ترا
 زندگی موت ہے، کھودیتی ہے جب فوقِ خراش
 اُس بُنوں سے تجھے تعلیم نے بیگانہ کیا
 جو یہ کہتا تھا حسد سے کہ بہانے نہ تراش
 فیضِ فطرت نے تجھے دیدہ شاہین بخشا
 جس میں کھدی ہے غلامی نے نگاہِ حقّاش

مدر سے نئے تری آنکھوں سے چھپایا جن کو
خلوت کوہ و بیاباں میں وہ اسرار ہیں فاش

حکیم نطشہ

حریفِ نکلتہ توحید ہو سکا نہ حکیم
نگاہِ چاہیے اسرارِ لا الہ کے لیے
خدا کا سینہ کر دوں ہے اس کا فکر بلند
کنند اس کا تختل ہے مہر کے لیے
اگرچہ پاک ہے طہنت میں رہی اس کی
ترس ہی ہے مگر لذتِ گنہ کے لیے

اساتذہ

مقصود ہو اگر تربیتِ عمل بدخشاں
بے سود ہے بھٹکے ہوئے خورشید کا پرتو

وُنیا ہے روایا کے پھندوں میں گرفت
 کیا مدرسہ کیا مدرسے والوں کی تک وود
 کر سکتے تھے جو اپنے زمانے کی امامت
 وہ نہتہ و مانع اپنے زمانے کے ہیں پیرو!

غزل

ملے کا منزل مقصود کا اُسی کو سراغ
 اندھیری شب میں ہے چیتے کی آنکھ جس کا چراغ
 میسر آتی ہے فرصت فقط غلاموں کو
 نہیں ہے بندہ حر کے لیے جہاں میں سراغ
 فروغ معنہ بیان یہ کر رہا ہے تجھے
 ترمی نطنہ کا نگہباز ہو صاحبِ مازاغ
 وہ بزمِ عیش ہے مہمانِ یک نفس و نفس
 چمک ہے ہیں مثالِ ستارہ جس کے ایاغ

۵۹۸

ضربِ کلیم

۹۸

کیا ہے تجھ کو کست باہوں نے کور ذوق اتنا
صبا سے بھی نہ ملا تجھ کو بوسے گل کا سراغ!

تعلیم دین و دہم

مجھ کو معلوم ہیں پیرانِ حرم کے انداز
چونہ اخلاص تو دعوائے نظر لاف و گزاف
اور یہ اہل کلیسا کا نطفِ تعلیم
ایک سازش ہے فقط دین و مروت کے خلاف
اُس کی تفتیر میں کس کو می مطن لومہ ہے
قوم جو کرنے سکی اپنی خودی سے انصاف
فطرتِ افرا سے غمِ باطن بھی کر لیتی ہے
کبھی کرتی نہیں ملتے گئے کناہوں کو معاف



جاوید سے



غارت کر دیں ہے یہ زمانہ
دربارِ شہنشی سے خوشتر
لیکن یہ دورِ ساحری ہے
سرِ چشمہ زندگی ہو خشک
حالی اُن سے ہوا دستاں
جس لکھ کا مگر چراغ ہے تُو
جوہر میں ہو لا الہ تو کیا خوف
شاخِ گل پر چہکے لیکن
وہ جس ہے آدمی کہ جس کا
دہشتانِ الرنہ ہو تناساں
”خافلِ منشینِ وقتِ بازی ست“

ہے اس کی نہاد کوشش
مردانِ خدا کا استمانہ
انداز ہیں سب کے جاوید
باقی ہے کہاں سے شبانہ
تھی جن کی نگاہ تازیانہ
ہے اس کا مذاق عارفانہ
تعلیم ہو کو فتنہ نکیانہ
کر اپنی خودی میں آشیانہ
چہرے ہے بحرِ بیکرانہ
ہر دانہ ہے صد ہزار دانہ
وقتِ نہر است و کار سازی ست“

ضربِ کلیم



سینے میں اگر نہ ہو دل کرم
 پنچیر اگر ہو زیرِ کس چست
 ہے اب حیات اسی جہاں میں
 غیرت کے طریقِ جستیقی
 اے جانِ پدِ انہیں ہے ممکن
 نایاب نہیں متاعِ لغت
 ہے میری بساط کیا جہاں میں
 اک صدقِ مقال ہے کہ جس سے
 اللہ کی دین ہے جسے دے
 اپنے نورِ نسر سے کیا خوب

رہ جاتی ہے زندگی میں خامی
 اتنی نہیں کام کھنڈہ امی
 شرط اس کے لیے ہے تشنگامی
 غیرت کے ہے فہمِ تکرلی تامی
 شاہیں سے تذرو کی غلامی
 صد انوری و ہزارِ حسامی
 بس ایک فہمِ انسانِ زیرِ بامی
 میں چشمِ جہاں میں ہوں کرامی
 میراث نہیں ملے بدنامی
 فرماتے ہیں حضرتِ نطاسی

”جاے کہ بزرگِ بایست بو
 فرزندِ منیٰ اردو ست سو“





مومن یہ کراں ہیں شب و روز
 ناپید ہے بندہ عمل مست
 دین و دولت ہستار بازی
 باقی ہے منقذ نفس و رازی
 جس فقر کی اصل ہے حجازی
 اللہ کی شان بے نیازی
 ہے اس کا مقام شاہ بازی
 بے سُرّہ نوح علی و رازی
 فطرت میں اگر نہ ہو ایازی
 رکھتا نہیں فوق نے نوازی
 درپردہ تمام کار سازی
 بے تیغ و سناں ہے مرد غازی
 یہ فقر غیور جس نے پایا

مومن کی اسی میں ہے امیری
 اللہ سے مانگ فقیر مری



۶۰۲

ضرب کلیم

۱۰۲

عورت

۶۰۳
ضربِ کلیم
۱۰۳

مردِ فرنگ

ہزار بار حکیموں نے اس کو سلجھایا
مگر یہ مسئلہ زن رہا وہیں کا وہیں
قصور زن کا نہیں ہے کچھ اس خرابی میں
گواہ اس کی شرافت پہ ہیں مہ و پرویں
فساد کا ہے منہ نکی معاشرت میں ظہور
کہ مرد سادہ ہے بیچارہ زن شناس نہیں

ایک سوال

کوئی پوچھے حکیم یورپ سے
ہندو یونان ہیں جس کے حلقہ جوش

۹۰۲

ضربِ کلیم

۱۰۲

کیا یہی ہے معاشرت کا کمال
مرد بے کار و زن تہی آغوشش !

پرودہ

بہت رنگ بد لے پہریریں نے
خدایا یہ دنیا جہاں تھی وہیں ہے
تفاوت نہ دیکھا زن و شو میں ہیں نے
وہ خلوت نشیں ہے یہ خلوت نشیں ہے
ابھی تک ہے پردے میں اولادِ آدم
کسی کی خودی آشکارا نہیں ہے

خلوت

رُسوا کیا اس دور کو جلوت کی ہوس نے
روشن ہے نلکہ، آئینہ دل ہے مگر

بڑھ جاتا ہے جب ذوقِ نظر اپنی حدوں سے
 ہو جاتے ہیں افکار پر اسندہ و ابتر
 آغوشِ صدف جس کے نصیبوں میں نہیں ہے
 وہ قطرۂ نیساں کبھی بنتا نہیں لوہر
 خلوت میں خودی ہوتی ہے خود گیر، لیکن
 خلوت نہیں اب دیرِ حرم میں بھی میسر!

عورت

وجودِ زن سے ہے تصویرِ کائنات میں رنگ
 اسی کے ساز سے ہے زندگی کا سوزِ دروں
 شرف میں بڑھ کے شریکِ شہتِ خال اس کی
 کہ ہر شرف ہے اسی درج کا دُرِ محنوں
 مکالماتِ فلاطون نہ لکھ سکی لیکن
 اسی کے شعلے سے ٹوٹا شرارِ افلاطون

۶۰۶
ضربِ کلیم

۱۰۶

آزادی نسواں

اس بحث کا کچھ فیصلہ میں کر نہیں سکتا
گو خوب سمجھتا ہوں کہ یہ زہر ہے، وہ قند
کیا فائدہ کچھ کہہ کے بنوں اور بھی معتبوب
پہلے ہی خفا مجھ سے ہیں تہذیب کے فرزند
اس راز کو عورت کی بصیرت ہی کرے فاش
مجبور ہیں معذور ہیں، مروان خرد مند
کیا چیز ہے آرائش و قمیت میں زیادہ
آزادی نسواں کہ زمرہ کا گلوبند!

عورت کی حفاظت

اک زندہ حقیقت مرے سینے میں ہے مستور
کیا سمجھے گا وہ جس کی رگوں میں ہے لہو سرد

نے پر وہ، نہ تعلیم، نہی ہو کہ پُرانی
نسوانیتِ زن کا نگہباز ہے فقط مرد
جس قوم نے اس زندہ حقیقت کو نہ پایا
اُس قوم کا خورشید بہت جلد ہوا زرد

عورت اور تعلیم

تہذیبِ فرنگی ہے اگر مرلِ اُمومت
ہے حضرتِ انساں کے لیے اس کا ثمر موت
جس علم کی تاثیر سے زن چوتی ہے نازن
کہتے ہیں اُسی علم کو اربابِ نظر موت
بیگانہ رہے دیں سے اگر مدرسہ زن
ہے عشق و محبت کے لیے علم و ہنر موت



عورت

جو ہر مرد عیاں ہوتا ہے بے منتِ غیر
غیر کے ہاتھ میں ہے جو ہر عورت کی نو
راز ہے اس کے عینِ سیم کا یہی نہکتہ شوق
اتشیں لذتِ تخلیق سے ہے اس کا وجود
کھلتے جاتے ہیں اسی اک کے اسرارِ حیات
کرم اسی اک سے ہے مگر کہ بود و نبود
میں بھی مظلومی نسواں سے ہوں غمِ ناک بہت
نہیں ممکن مگر اس عقدہ مشکل کی نشو و



۶۱۰
ضرب کاہم

[illegible]

ادبیات

فنون لطیفہ

ضرب کاظم

دین و دُہنر

سرود شعور سیاست، کتاب و دین و دُہنر
گنہر ہیں ان کی کردہ میں تمام یک دانہ
ضمیر بندہ خالی سے ہے نمود ان کی
بلند تر ہے ستاروں سے ان کا شانہ
اگر خودی کی حفاظت کریں تو عین حیات
نہ کر سکیں تو سراپا فسوں و افسانہ
ہوتی ہے زیرِ فلک اُستوں کی رسوائی
خودی سے جب اَدب و دین ہوتے ہیں بیگانہ



تخلیق

جہاں تازہ کی افکار تازہ سے ہے نمود
کہ سنگ و خشت سے پرتے نہیں جہاں پیدا
خودی میں ڈوبنے والوں کے عزم و ہمت نے
اس ابھو سے کیے بحربے مراں پیدا
وہی زمانے کی گردش پہ غالب آتا ہے
جو ہر نفس سے کرے عمر جاوداں پیدا
خودی کی موت سے مشرق کی سرزمینوں میں
ہوا نہ کوئی حنائی کا رازواں پیدا
ہوا تے بشت سے بوجے رفاقت آتی ہے
عجب نہیں ہے کہ ہوں کیسے ہم عناں پیدا



جنوں

نُجسِ کج کر کی دُکاں شاعرِ مِٹا قی
ستمِ پئے خوار پھرے دشتِ دُور میں دیوانہ
کسے خبر کہ جنوں میں کمال اور بھی ہیں
کریں اگر اسے کوہِ و کمرے سے بیگانہ
ہجومِ مدر سے بھی سازگار ہے اس کو
کہ اس کے واسطے لازم نہیں ہے میرانہ

اپنے شعر سے

ہے کلمہ مجھ کو تری لذتِ پیدائی کا
تُو ہوا فاش تو ہیں اب مے اسرار بھی فاش
شعلے سے ٹوٹ کے مثل شرِ آوارہ نہ رہ
گر کسی سینہ پر سوز میں خلوت کی تلاش!

پیریں کی مسجد

مری نگاہ کس الٹ پر کر کو کیا دیکھے
کہ حق سے یہ حرمِ معنِ ربی ہے بیگانہ
حرم نہیں ہے فرنگی کرشمہ بازوں نے
تن حرم میں چھپا دی ہے رُوحِ بیت خانہ
یہ بیت کہ انھی غارت گروں کی ہے تعمیر
وہ شق ہاتھ سے جن کے ہوا ہے ویرانہ

ادبیت

عشق اب پیروی عقلِ حسدِ ادا کرے
ابر کو چستہ جاناں میں نہ برباد کرے
گنہگار میں نئی رُوح کو آباد کرے
یا کہن رُوح کو تفتِ لید سے آزاد کرے

نگاہ

بہار و قافلہ لالہ ہاتے صحرائی
 شبابِ مستی و ذوقِ سرور و عنائی
 اندھیری است میں یہ چشموں کی
 یہ جبرائیل فلکِ نیلوں کی پستانی
 سفرِ عروسِ قمر کا عساری شب میں
 طلوعِ مہر و سکوتِ سپہرِ سینائی
 نگاہ ہو تو بہار کے نظارہ کچھ بھی نہیں
 کہ نہ سچتی نہیں فطرتِ جمال و زیبائی



ریاضِ منسزل (دولت کدہ سرا اس سعود) بھوپال میں لکھے گئے

۶۱۶
 ضربِ کلیم

۱۱۶

مسجد قوت الاسلام

ہے مرے سینہ بے نور میں اب کیا باقی
 'لا الہ' مُردہ و افسردہ و بے ذوق نمود
 چشمِ فطرت بھی نہ پہچان سکے کی مجھ کو
 کہ ایازمی سے و لکڑوں ہے مقامِ مسود
 کیوں سماں نہ نخلِ پوتری سنگینی سے
 کہ غلامی سے ہوا مثلِ زُجرج اس کا وجود
 ہے تری شان کے شایاں اُسی مومن کی نماز
 جس کی تکبیر میں پہنچا کہ بود و نبود
 اب کہاں میرے نفس میں وہ حرارت وہ لہاز
 بے تاب دروں میری صلوٰۃ اور درو
 ہے مری بانہاں اذان میں نہ بندی نہ شکوہ
 کیا لو ارا ہے تجھے ایسے سماں کا سجود؟

تیر

ترمی خودی سے ہے روشن ترا حرم وجود
 حیات کیا ہے، اُسی کا سرور و سوز و شبات
 بلند تر مہ و پرویں سے ہے اُسی کا مہم
 اُسی کے نور سے پیدا ہیں تیرے فئات و صفات
 حرم تیرا، خودی غیری کی ہے اس لئے
 دوبارہ زندہ نہ کر کار و بارِ لات و منات
 یہی کمال ہے تمثیل کا کہ تُو نہ رہے
 رہا نہ تُو تو نہ سوزِ خودی نہ سازِ حیات



۶۱۸

ضربِ کلیم

۶۱۸

شُعاع اُمید



سُورج نے دیا اپنی شعاعوں کو یہ پیغام
دُنیا ہے عجب حسین، کبھی صبح کبھی شام
مَدّت سے تم آوارہ ہو پناہ کے فضا میں
بڑھتی ہی چلی جاتی ہے بے مہری ایام
نے ریت کے دُڑوں پہ چپکنے میں ہے رات
نے مثل صبا طوفِ گل لالہ میں آرام
پھر میرے تجلی کدۂ دل میں سما جاؤ
چھوڑو چمنستان و بیابان و روبام



آفاق کے ہر گوشے سے اٹھتی ہیں شعاعیں
 بچھڑے ہوئے خورشید ہوتی ہیں ہم آغوش
 اک شور ہے مغرب میں اجالا نہیں مسکن
 افرنک شینوں کے دھویں سے یہ پوش
 مشرق نہیں کو لذت نطسارہ سے محروم
 لیکن صفتِ عالم لاہوت ہے خاموش
 پھر ہم کو اسی سینہ روشن میں چھپالے
 اے مہر جہاں تاب نہ کریم کو فراموش



اک شوخ کزن، شوخ مثال نگہ خور
 آرام سے فارغ، صفتِ جوہر سیاب
 بولی کہ مجھے رخصتِ تنویر عطا ہو
 جب تک نہ ہو مشرق کا ہر اک ذرہ جہاں تاب

چھوڑوں کی نہ میں ہند کی تاریک فضا کو
 جب تک نہ اٹھیں خواب سے وہ ان کراں خواب
 خاور کی امیدوں کا یہی خال ہے مرکز
 اقبال کے اشکوں سے یہی خال ہے سیراب
 چشمِ مژپروں سے اسی خال سے روشن
 یہ خال کہ ہے جس کا خرف ریزہ درباب
 اس خال کے اٹھے ہیں وہ خواصِ سانی
 جن کے لیے ہر برپا شو بے پایاب
 جس سائے کے نسو کے حرارت تھی دلوں میں
 محفل کا وہی ساز ہے بیکانہ مضرب
 بت خانے کے دروازے پہ سوتا ہے بڑھن
 تفتدیر کو روتا ہے سماں تہِ محراب
 مشرق سے پہنچتا ہے زائے مغرب کے حذر کہ
 فطرت کا اشارہ ہے کہ ہر شب کو سحر کرنا

امید

مستابلہ تو زمانے کا خوب کرتا ہوں
 اگرچہ میں نہ سپاہی ہوں نے اسیرِ جنود
 مجھے خبر نہیں یہ شاعری ہے یا کچھ اور
 عطا ہوا ہے مجھے ذکر و کبر و جذبِ سرود
 جبین بندہ حق میں نمود ہے جس کی
 اسی جلال ہے لبِ برہنہ میں وجود
 یہ کافر تو نہیں کافر سے کم بھی نہیں
 کہ مردِ حق ہو گرفتارِ حاضرِ موجود
 غمیں نہ ہو کہ بہت دور ہیں ابھی باقی
 نئے ستاروں سے خالی نہیں سپہرِ کبود

* ریاضِ سنزل (دولت کدہ سر اسر سغود) بھوپال میں لکھے گئے

۹۲۲
 ضربِ کلیم
 ۱۱۲۲

نگاہِ شوق

یہ کائنات چھپاتی نہیں ضمیر اپنا
کہ دڑے دڑے میں ہے ذوقِ آشکارائی
کچھ اور ہی نطنس آتا ہے کاروبارِ جہاں
نگاہِ شوق اگر ہوشِ شریکِ بینائی
اسی نگاہ سے محکم قوم کے فنِ زند
ہوئے جہاں میں سزاوارِ کارِ فرمانی
اسی نگاہ میں ہے دستِ اہری جوتاری
اسی نگاہ میں ہے لبِ بیری و عرنائی
اسی نگاہ سے ہر دڑے کو جنوں میرا
سکھارہا ہے رہ و رسمِ دشتِ پیمائی
نگاہِ شوق میتِ نرسین اگر تجھ کو
ترا وجود ہے قلبِ نطنس کی رسوائی

اہلِ مہر سے

مہر و مہر شتری چند نفس کا سرور
عشق سے ہے پائدار سیری خودی کا وجود
تیرے حرم کا ضمیر اسود و احمر سے پال
تنگ سے تیرے لیے سُرخ و سپید و کلبو
تیری خودی کا غیاث ہے کہ ذکر و فکر
تیری خودی کا حضور عالم شعور و سرور
روح الہی ہے تری رنج غلامی سے نزار
تیرے شہر کا جہاں دیر و طواف و سجد
اور اگر بآئینہ اپنی شرافت سے ہو
تیری سپہ انس و جن تو ہے اسی مہر و محن و



۶۲۲

ضربِ کلیم

۱۲۲

غزل

دریا میں موتی، اسے موج سے بے باک
ساحل کی سوغات! خار و خس و خال
میرے شرر میں بجلی کے جوہر
لیکن نیستان تیرا ہے نم نال
تیرا زمانہ، تاثیر تیری
ناداں! نہیں یہ تاثیر افلاک
ایسا جنوں بھی دیکھا ہے میں نے
جس نے سسے ہیں تفت دیر کے چاک
کاٹل وہی ہے رندی کے فن میں
مستی ہے جس کی بے مشت تال
رکھتا ہے اب تک مسیح ناز شرق
وہ ہے کہ جس سے روشن ہوا اورال

اہلِ نطنس رہیں یورپ سے نومید
ان اُمتوں کے باطن نہیں پاک

وجود

اے کہ ہے زیرِ فلک شل شرّ تیری نمود
کون سمجھاتے تجھے کیا ہیں مقاماتِ وجود
گر سُنّہ میں نہیں تعمیرِ خودی کا جوہر
وائے صُورتِ کرمی و شاعری و ناسے و سرود
مکتبِ و مے کدہ جزوِ درسِ نبون بندہ
بودن آموز کہ ہر ہاشمی و ہر خمِ اہی بود

سرود

ایا کہ اس سے نالہ نئے میں سرورِ مے
اصل اس کی نے نواز کا دل ہے کہ چوبِ نالہ

۴۲۶

ضربِ کلیم

۱۲۶

دل کیا ہے اس کی مستی و قوت کہاں سے ہے
 کیوں اس کی اک نگاہ الٹتی ہے تخت کے
 کیوں اس کی زندگی سے ہے اقوام میں حیات
 کیوں اس کے واردات بدلتے ہیں پے پے
 کیا بات ہے کہ صاحبِ دل کی نگاہ میں
 جھپتی نہیں ہے سلطنتِ روم و شام و رے
 جس روز دل کی رمزِ بُغِ تَنی سمجھ لے
 سمجھو تَمِ سامِ مرحلہ ہائے ہنر ہیں طے

نسیم و نسیم
 نسیم

انجم کی فضا تک نہ ہوئی سیری رسانی
 کرتی رہی میں پیرہنِ لالہ و گلِ چال

مجبور ہوتی جباتی ہوں میں ترک وطن پر
 بے ذوق ہیں بسبل کی نوا ہائے طرب ناک
 دونوں سے کیا ہے تجھے تقدیر نے محرم
 خالِ حسنِ اچھی کہ سرِ پر وہ افلاک !

شبِ بنم
 کھینچیں نہ اگر تجھ کو چمن کے خس و خاشاک
 گلشن بھی ہے ال سترِ سرِ پر وہ افلاک

اہرامِ مصر

اس دشتِ جبرِ تاب کی خاموش فضا میں
 فطرت نے فقط ریت کے ٹیلے کی تعمیر
 اہرام کی عظمت سے نگوں سار ہیں اندال
 کس ہاتھ نے کھینچی ابدیت کی تصویر !

۶۲۸

ضربِ کلیم

۱۲۸

فطرت کی غلامی سے کرازاؤ نہ ہو
صیاد ہیں مردانِ مہر مست کہ نچھیرا

مخلوقاتِ پُنی

ہے یہ فردوس نظر اہلِ ہرست کی تعمیر
فاش ہے چشم تماشا پہ نہاں حنائی
نہ خودی ہے نہ جہانِ سحر و شام کے دور
زندگانی کی حریت نہ کشاکش سے نجات
آہ، وہ کافر بیچارہ کہ ہیں اس کے صنم
عصرِ رفتہ کے وہی ٹوٹے ہوئے لات و منات
تو ہے میت، یہ مہر تیرے جنازے کا امام
نظر آتی جسے مرشد کے بہستاں میں حیات



اقبال

فردوس میں رومی سے یہ کہتا تھا سنا
مشرق میں ابھی تک ہے وہی کاسہ وہی آتش
حلاج کی لیس کن یہ روایت ہے کہ آخر
اک مروت سندر نے کیا رازِ خودی فاش!

فنون لطیفہ

اے اہلِ نطنسہ ذوقِ نظر خوب ہے لیکن
جوشے کی حقیقت کو نہ دیکھے وہ نطنسہ کیا
مقصودِ ہمنسہ سوزِ حیاتِ ابدی ہے
یہ ایک نفس یا دو نفس مثلِ شرر کیا
جس سے دل دریا مُشتِ لاطم نہیں ہوتا
اے قسطِ قنیاں وہ صدف کیا وہ لہر کیا

۶۳۰

ضربِ کلیم

۱۳۰

شاعر کی نوا ہو کہ مُنغنی کا نفس ہو
 جس سے چمن افسردہ ہو وہ باوجود سر کیا
 بے مجنزہ دنیا میں اُبھرتی نہیں قومیں
 جو ضربِ کلیدی نہیں رکھتے وہ ہنر کیا!

صبحِ چمن

پُھول

شاید تو سمجھتی تھی وطن دُور ہے میرا
 اے قاصدِ افلاک! انہیں دُور نہیں ہے

شبِ نیم

ہوتا ہے مگر محنتِ پرواز سے روشن
 یہ نکتہ کہ گردوں سے زمیں دُور نہیں ہے

صبح

مانندِ صحنِ کستان میں قدم رکھ
اسے تیرا کوہِ شمسِ سم تو نہ ٹوٹے
ہو کوہِ وِسیا باں سے ہم اغوشِ لبیک
ہاتھوں سے ترے امنِ انداک نہ چھوٹے!

خاقانی

وہ صاحبِ شہنشاہِ عراقین
اربابِ نطنس کا قزۃ العین
ہے پردہ شکافِ اس کا اوراک
پر دے ہیں تمام چاک و رچاک
خاموش ہے عالمِ معانی
کہتے انہیں حرفِ لُن تہائی
پوچھ اس کے یہ خالِ اں ہے کیا چیز
ہنگامۂ این اں ہے کیا چیز
وہ محرمِ عالمِ مکافات
اک بات میں کہہ لیا ہے سوتا

خود بوبے چنیں جہاں تو اں بُد
کابلے بس اندوبو البشر مُرد!

۶۳۲

ضربِ کلیم

۱۳۲

رومی

غلط نہ کرے تری چشم نیم باز اب تک
ترا وجود ترے واسطے ہے راز اب تک
ترا نیاز نہیں آشنائے ناز اب تک
کہ ہے قیام سے خالی تری نماز اب تک
گستہ تار ہے تیری خودی کا ساز اب تک
کہ تُو ہے نعمتہ رومی سے بے نیاز اب تک!

جدت

دیکھے تُو زمانے کو اگر اپنی نظر سے
اس لاک منور ہوں تیرے نورِ حق سے
خوشید کمرے کسبِ ضیاء تیرے شر سے
ظاہر تری تفتِ دیر ہو یہاں سے شر سے

دریا مُستِ لاطم ہوں تری موج کمر سے
 شرمندہ ہو فطرت تری اعجازِ مہنہ سے
 اغیار کے افکار و تجسس کی کدائی
 کیا تجھ کو نہیں اپنی خودی تک بھی رسائی؟

مرزا بیدل

ہے حقیقت یا مری چشمِ غلط ہیں کافساد
 یہ زمین، یہ دشت، یہ کھسار، یہ چرخِ کبود
 کوئی کہتا ہے نہیں ہے کوئی کہتا ہے کہ ہے
 کیا خبر ہے یا نہیں ہے تیری دنیا کا وجود
 میرزا بیدل نے کس خوبی سے لھولی یہ لہر
 اہلِ حکمت پر بہت مشکل رہی بس کی نشو و
 ”دل اگر میداشت وسعت بے نشان بود این چمن
 ز خاکِ بیرونِ شست از بسکہ دنیا تنگ بود“

۶۳۲

ضربِ کلیم

۱۳۲

جلال و جمال

مرے لیے ہے فقط زورِ حسیدِ ری کافی
ترے نصیبِ فلاطوں کی تیزی اور اک
مری نظر میں یہی ہے جمالِ و زیبائی
کہ سر بسجود ہیں قوت کے سامنے افلاک
نہ جو بلال تو حسن و جمال بے تاثیر
زیرِ نفیس ہے الغنمِ سہو نہ آتشِ ناک
مجھے سزا کے لیے بھی نہیں قبولِ واک
کہ جس کا شعلہ نہ ہو شند و سرش و بے بال!

مُصَوِّر

کس درجہ میں عام چوٹی مر کب تختِ
چندی بھی سنسرتگی کا مستند عجمی بھی!

مجھ کو تو یہی غم ہے کہ اس دور کے بہرہ
 کھو بیٹھے ہیں مشرق کا سرور ازل بھی
 معلوم ہیں اے مردِ ہنس تریرے کمالات
 صنعت تجھے آتی ہے پرانی بھی نئی بھی
 فطرت کو دکھایا بھی ہے دیکھا بھی ہے تونے
 اتنی فطرت میں دکھ اپنی خودی بھی!

سرودِ حلال

کھل توجہ تائے مُغنی کے ہم زیرِ دل
 نہ رہا زندہ و پائندہ تو کیا دل کی کشودا
 ہے ابھی سینہ افلاک میں نہ پاس وہ نوا
 جس کی گرمی سے پھل جاتے ستاروں کا وجود
 جس کی تاثیر سے آدم ہو غم و خوف کے پاک
 اور پیدا ہو ایاز می سے مست آدم محمود

۶۳۶

ضربِ کلیم

۱۳۶

مر و انجسہم کا یہ تیر کہہ باقی نہ رہے
 تو رہے اور ترا زمزم سے لا موجود
 جس کو مشروع سمجھتے ہیں فقہر سان خموی
 منتظر ہے کسی طبع کا ابھی تک وہ سرود

سرد و حرام

نہ میرے ذکر میں ہے مضمونیوں کا سوز و سرور
 نہ میرا فن کر ہے پیمانہ ثواب و عذاب
 خدا کرے کہ اسے تھن افاق ہو مجھ سے
 فقیر شہر کہ ہے محرم حدیث و کتاب
 اگر نوا میں ہے پوشیدہ موت کا پیغام
 حرام میری نگاہوں میں نالے و چنک و رباب



فوارہ

یہ آبِ جنو کی روانی، یہ سبکداری خال
مری نگاہ میں ناخوش ہے یہ نطسارہ
اُدھر نہ دیکھ، اُدھر دیکھ لے جوانِ عزیز
بلند زور دروں سے ہوا ہے فوارہ

شاعر

مشرق کے نیستیاں میں ہے محتاجِ نفس نے
شاعرِ تہ سے سینے میں نفس ہے کہ نہیں ہے
تا شیرِ سلامی سے خودی جس کی ہوتی نرم
اچھی نہیں اُس قوم کے حق میں جیسی
شیشے کی ضراعی ہو کہ مٹی کا سبھو
ششیر کی مانند تہو سبزی میں تری

۶۳۸

ضربِ کلیم

۱۳۸

ایسی کوئی دُنیا نہیں افلاک کے نیچے
 ہے جس کے ہاتھ آئے جہاں تختِ جسم و
 چرطنِ نریا طور، نہی برقِ تحسلی
 اللہ کرے حیرتِ شوق نہ ہو طے!

شعرِ محبوس

ہے شعرِ محبوس کہ چڑھ کر بے ناکِ دل آویز
 اس شعر سے گھر ہوتی نہیں شیرِ خودی تیز
 افسرِ وہ اگر اس کی نوا سے ہو گلستاں
 بہتر ہے کہ خاموش ہے مرغِ سخنِ خیر
 وہ ضربِ اگر کوہِ شکن بھی ہو تو کیا ہے
 جس نے مستِ زلزل نہ ہوئی دولتِ پریر
 اقبال یہ ہے حصارِ تراشی کا زمانہ
 از ہر چہ باہرِ بانی نہ نمایند بہر پریر

ہنسرو راں ہند

عشق و ہستی کا جنت ازہے تختیل ان کا
ان کے اندیشہ تاریک میں قوموں کے مزار
موت کی نقش گریں ان کے صہنم خانوں میں
زندگی سے ہنسراں برہمنوں کا بزار
چشم آدم سے چھپاتے ہیں مقاماتِ بلند
کرتے ہیں روح کو خوابِ بد، بدن کو بیدار
ہند کے شاعر صورتِ گرو افسانہ نویس
آہ، بیچاروں کے اعصاب پر عورتیں سوار



۶۴۰

ضربِ کلیم

۱۲۰

مرد بزرگ

اُس کی نفرت بھی عمیق، اُس کی محبت بھی عمیق
قہر بھی اُس کا ہے اللہ کے بندوں پر نسیق
پرورش پاتا ہے تفت لید کی تاریکی میں
ہے مگر اُس کی طبیعت کا تقاضا نسیق
انحسں میں بھی میسر رہی خلوت اُس کو
شمعِ محفل کی طرح سب کے جدا، سب کا نسیق
مثلِ خورشیدِ سحرِ فک کی تابانی میں
بات میں سادہ و ازادہ، معانی میں دقیق
اُس کا اندازِ نثر اپنے زمانے سے جدا
اُس کے احوال سے محرم نہیں سیرِ طریق



عالمِ نو

زندہ دل سے نہیں پوشیدہ ضمیرِ تقدیر
خواب میں دیکھتا ہے عالمِ نو کی تصویر
اور جب بانگِ اذان کرتی ہے بیدار اُسے
کرتا ہے خواب میں دیکھی ہوئی دنیا سیر
بدن اس تازہ جہاں کا ہے اُسی کی کفِ خال
روح اس تازہ جہاں کی ہے اُسی کی تکریر

ایجادِ معانی

ہر چہند کہ ایجادِ معانی ہے چندان
کوشش سے کہاں مردِ ہنرمند ہے آزاد
خونِ رگِ سدا کی گرمی سے ہے تعمیر
میں اچھا سا فوطہ ہو کہ تختِ تازہ بر سرِ

بے محنت پیہم کوئی جو ہر نہیں کھلتا
روشن شہر تیشہ سے ہے خانہ سنا

موسیقی

وہ نمبر سردی خون نزل سہرا کی دلیل
کہ جس کونسن کے تراپہ سہرتا نکال نہیں
نوا کو کرتا ہے موج نفیس سے زہرا کو
وہ نے نواز کہ جس کا ضمیر پاک نہیں
پھرا میں مشرق و مغرب کے لالہ زاروں میں
کسی چمن میں کریباں لالہ چال نہیں

ذوقِ نظر

خودی بے بند تھی اس نوح گرفت چینی کی
کہا غریب نے جلاوے سے دم سزیر

ٹھہر ٹھہر کہ بہت دل کشا ہے یہ منظر
ذرا میں دیکھ تو لوں تائب نامی شمشیر!

شعر

میں شعر کے اسرار سے محرم نہیں لیکن
یہ نکتہ ہے تاریخِ اُمم جس کی ہے تفصیل
وہ شعر کہ پیغامِ حیاتِ ابدی ہے
یا نعتِ جبریل ہے یا بانسِ سحرِ اہل!

قص و موسیقی

شعر سے روشن ہے جانِ خیریلِ اہرن
قص و موسیقی سے ہے سوز و سرورِ انجمن
فاش یوں کرتا ہے ال چینی حکیم اسرارِ فن
شعر کو یا روحِ موسیقی ہے رقص اس کا بدن!

۶۴۴
ضربِ کلیم
۱۲۲

ضبط

طریق اہل دُنیا ہے گلہ شکوہ زمانے کا
نہیں ہے زخم کھا کر آہ کرنا شانِ درویشی
یہ شکستہ پیر وانا نے مجھے خلوت میں سمجھایا
کہ ضبطِ فغانِ شیریں فغانِ دُبا پر ہر مہمیشی!

قص

چھوڑ پورے لیے رقصِ بن کے سنم ہیچ
روح کے رقص میں ہے ضربِ کلیمِ اللہی!
صلہ اس رقص کا ہے تشنگی کا مودہن
صلہ اس رقص کا درویشی و شاہنشاہی!



سیاست

شرق و مغرب

۶۱۲۷
ضرب کلیم
۱۲۷۷

اشتراکیت

قوموں کی روش سے مجھے ہوتا ہے یہ معلوم
بے سود نہیں روس کی یہ گرمی رستار
اندیشہ ہوا شوخی افکار یہ مجبور
فرسودہ طرز بقول سے زمانہ ہوا بے سزا
انساں کی ہوس نے جنہیں رکھا تھا چھپا کر
کھلتے نظر آتے ہیں بتدیج وہ اسرار
شرآن میں ہو غوطہ زن اے مردِ مسلمان
اللہ کرے تجھ کو عطا جدت کردار
جو حرفِ قل العفو میں پوشیدہ ہے اب تک
اس فور میں شاید وہ حقیقت ہو نمودار



۶۲۸
ضربِ کلیم
۱۲۸

کارل مارکس کی آواز

یہ علم و حکمت کی نمرہ بازی، یہ بحث و تکرار کی نمائش
نہیں ہے، وہاں کو اب گوارا اپنے افکار کی نمائش
تری کتابوں میں اے حکیم معاش رکھا ہی کیا ہے آخر
خطوط حسنہ دار کی نمائش، مرز و کج دار کی نمائش
جہانِ مغرب کے بت لڑوں میں کلیسیاؤں میں مدرسوں میں
ہوس کی خوں ریزیاں چھپاتی ہے عیار کی نمائش

انقلاب

نہ ایشیا میں نہ یورپ میں سوؤ و سازِ حیات
خودی کی موت ہے یہ اور وہ ضمیر کی موت
دلوں میں ولولہٴ انقلاب ہے پیدا
قریب الگ تہی شاید زبانِ پیر کی موت!

خوشامد

نہیں کارِ جہاں سے نہیں آگاہ، و سکن
اربابِ نظر سے نہیں پوشیدہ کوئی راز
کر تو بھی حکومت کے وزیروں کی خوشامد
دستورِ نیا، اور نئے دور کا آئینہ ساز
معلوم نہیں ہے یہ خوشامد کہ حقیقت
کہہ دے کوئی اُلُو کو اگر رات کا شہبِ ناب

مناصب

ہوا ہے بندۂ مومن فسونی افرنگ
اسی سبب سے قلندر کی آنکھ ہے نم ناک
ترے بلند مناصب کی خیر ہو یا رب
کہ ان کے واسطے تُو نے کیا خودی کو ہلاک

مگر یہ بات چھپاتے سے چھپ نہیں سکتی
 سمجھ گئی ہے اسے ہر طبیعت چالاک
 شرابی کلم غلاموں کو کر نہیں سکتے
 خریدتے ہیں منقذ ان کا جو ہر ادراک!

یورپ اور یہود

یہ عیش فرماواں یہ حکومت یہ تجارت
 دل سینہ بے نور میں محسوس تسلی
 تاریکے افزائشِ شینوں کے دھوئیں سے
 یہ واہی امین نہیں شایانِ تحسلی
 ہے نزع کی حالت میں یہ تہذیبِ جاں مرک
 شاید ہوں کلیسا کے یہودی مُثولی!



نفسیاتِ غلامی

شاعر بھی ہیں پیدا، علمِ ساجھی، حکما بھی
حالی نہیں قوموں کی غلامی کا زمانہ
مقصد ہے ان اللہ کے بندوں کا ہر ایک
ہر ایک ہے کوششِ شرحِ معانی میں یگانہ
’بہتر ہے کہ شیروں کو سلکھاویں رم آہو
باقی نہ رہے شیر کی شیری کا فسانہ‘
کرتے ہیں غلاموں کو غلامی پر ضامن
تاویل مسائل کو بناتے ہیں بیان



۶۵۲

ضربِ کلیم

۱۵۲

ملشویا پس

روشن قضائے الہی کی ہے عجیب و غریب
خبر نہیں کہ خسیر جہاں میں ہے کیا بات
ہوتے ہیں کس سر پر سیاہ کے واسطے مامو
وہی کہ حفظِ حلیہ سپا کو جانتے تھے نجات
یہ وحی دہریتِ رُس پر ہوتی نازل
کہ توڑ ڈال کلیسیائیوں کے لات و منات!

آج اور کل

وہ کل کے غم ویشس پہ کچھ حق نہیں رکھتا
جو آج خود اس روز جو بکروز نہیں ہے
وہ قوم نہیں لائقِ ہر سنگامہ و سدا
جس قوم کی تعزیر میں امروز نہیں ہے!

مشرق

مری نوا سے کریببانِ لالہ چاک ہوا
نسیمِ صبحِ سپمن کی تلاش میں ہے ابھی
نہ مصطفیٰ نہ رضا شاہ میں نمود اس کی
کہ رُوحِ شرقِ بدن کی تلاش میں ہے ابھی
مری خودی بھی سزا کی ہے مستحق لیکن
زمانہ دار و رسن کی تلاش میں ہے ابھی

سیاستِ افرنک

ترمی حرفیے یارب سیاستِ افرنک
مگر ہیں اس کے پُجاری فقط امیر و رئیس
بنایا ایک ہی ابلیس اک سے تو
بنائے خاک سے اُس نے دوصد ہزار ابلیس!

۶۵۲

ضربِ کلیم

۱۵۲

خواب کی

دورِ حاضر ہے حقیقت میں وہی عہدِ قدیم
ایلِ سبت وہ ہیں یا ایلِ سیاست ہیں نام
اس میں پیری کی کرامت ہے نہ میری کا ہے نور
سیکڑوں صدیوں سے خوں کر ہیں سلامی کے عوام
خواب کی میں کوئی مشکل نہیں رہتی باقی
پُختہ ہو جاتے ہیں جب خوں سے سلامی میں غلام!

غلاموں کے لیے

حکمتِ مشرق و مغرب نے سکھایا ہے مجھے
ایک نکتہ کہ غلاموں کے لیے ہے کسیر
دین ہو، فلسفہ ہو، فقر ہو، سلطانی ہو
ہوتے ہیں پختہ عقائد کی بنا پر کسیر

حرف اُس قوم کا ہے سوز، نسل زار و زبوں
ہو گیا نچستہ عقائد سے تہی جس کا ضمیر

اہل مصر سے

خود ابوالہول نے نیکیت سکھایا مجھ کو
وہ ابوالہول کہ ہے صاحبِ اسرارِ قدیم
فہمۃ جس سے بدل جاتی ہے تعتیدِ ائم
ہے وہ قوت کہ صرف اس کی نہیں عقلِ حکیم
ہر زمانے میں دلوں ہے طبیعت اس کی
کبھی شمشیر محمد ہے، کبھی چوبِ کلیم



ابی سینیا

(۱۸ اگست ۱۹۳۵ء)

یورپ کے لڑکوں کو نہیں ہے ابھی خبر
ہے کتنی زہرناک ابی سینیا کی لاش
ہونے کو ہے یہ مُردہ دیرینہ قاش قاش!
تہذیب کا کمال شرافت کا بیڑا وال
غارت گری جہاں میں ہے اقوام کی معاش
ہر لڑکے کو ہے بڑے معصوم کی تلاش!
اے وائے آبروئے کلیسا کا آئینہ
رومانے کر دیا سر بازار پاش پاش
پیر کلیسا! یہ حقیقت ہے دلخراش!



ابلیس کا فرمان اپنے سیاسی فرزندوں کے نام*

لا کر بڑے سمنوں کو سیاست کے پیچ میں
زُتاریوں کو دیر کھن سے نکال دو
وہ فاقہ کش کہ موت کے ڈر مانہیں فرا
رُوحِ محمدؐ اس کے بدن سے نکال دو
فکرِ عرب کو دے کے فرنگی تختِ ملات
اسلام کو حجاز و یمن سے نکال دو
افغانیوں کی غیرت دیں کا پے یہ علاج
ملا کو اُن کے کوہ و دمن سے نکال دو
اہلِ حرم سے اُن کی روایات چھین لو
اچھو کو مرعزہ زارِ ختن سے نکال دو

* بھوپال (شیش محل) میں لکھے گئے

اقبال کے نفس سے ہے لالے کی اک تیز
ایسے غزل سہرا کو چمن سے نکال دو!

جمعیۃ اقوام مشرق

پانی بھی مُسحّت رہے ہوا بھی مُسحّت
کیا ہو جو نگاہِ فلکِ پیر بدل جائے
دیکھا ہے مُلوکیّتِ افرنک نے جو خواب
ممکن ہے کہ اُس خواب کی تعبیر بدل جائے
طہرِ ان ہو کر عالمِ مشرق کا جُنیوا
شاید کُردِ ارض کی تعتیر بدل جائے



❀ بھوپال (شیش محل) میں لکھے گئے

سُلطانی جاوید

غواص تو فطرت نے بنایا ہے مجھے بھی
لیکن مجھے اعماقِ سیاست سے پرہیز
فطرت کو لو اور انہیں سُلطانی جاوید
ہر چند کہ یہ شہدِ بازی ہے دل آویز
فرہاد کی خارا شکنی زندہ ہے اب تک
باقی نہیں دنیا میں ملوکتی پُریرا

جمہوریت

اس راز کو اک مزدِ فرنگی نے کیا فاش
ہر چند کہ دانا اسے کھولا نہیں کرتے

جُمہوریت اک طرزِ حکومت ہے کہ جس میں
بندوں کو لٹکا کرتے ہیں، تو لانا نہیں کرتے!

یورپ اور سُوریا

فرنگیوں کو عطا خاکِ سُوریا نے کیس
نبیِ عفت و عنم خواری و کلمِ ازاری
صدہ فرنگ سے آیا ہے سُوریا کے لیے
مے و قمار و ہجومِ زنانِ بازاری

مسو لینی *

(اپنے مشرقی اور مغربی حریفوں سے)

کیا زمانے سے نرالا ہے مسو لینی کا جرم!
بے محسَل بٹڑا ہے معصومانِ یورپ کا مزاج

* ۲۲ اگست ۱۹۳۵ء بھوپال (شیش محل) میں لکھے گئے

میں پھٹکتا ہوں تو چھلنی کو بُرا لگتا ہے کیوں
 ہیں سبھی تہذیب کے اوزار! تو چھلنی میں چھلج
 میرے سوداے ملوکیت کو ٹھکراتے ہو تم
 تم نے کیا توڑے نہیں کمزور قوموں کے رُجج؟
 یہ عجائب شعبہ کس کی ملوکیت کے ہیں
 راجدھانی ہے، مگر باقی نہ راجہ ہے نہ راج
 ال سیر چو بے کی آبیاری میں ہے
 اور تم دنیا کے بخر بھی نہ چھوڑو بے خراج!
 تم نے لوٹے بے نوا صحرائیں نوں کے خیم
 تم نے لوٹی کشتِ دہقان تم نے لوٹے تختِ تاج
 پردہ تہذیب میں غارت گری آدم کشی
 کل زوار کھی تھی تم نے، میں زوار کھتا ہوں آج!



کلمہ

معلوم کسے ہند کی تفتدیر کہ اب تک
 بیچارہ کسی تاج کا تابندہ نہیں ہے
 دہشتاں ہے کسی قبر کا اگلا ہوا مردہ
 بوسیدہ کفن جس کا ابھی زیر زمین ہے
 جاں بھی لکڑی و غیسر بدن بھی لکڑی و غیسر
 افسوس کہ باقی نہ مکاں ہے نہ ملیں ہے
 یورپ کی عنلامی پہ رضا مستد ہوا تو
 مجھ کو تو کلمہ تجھ سے ہے یورپ سے نہیں ہے!

انتداب

کہاں فرشتہ تہذیب کی ضرورت ہے
 نہیں زمانہ حاضر کو اس میں دشواری

جہاں شمار نہیں زنِ ٹنک لباس نہیں
 جہاں آرام بتاتے ہیں نسلِ مے خواری
 بدن میں گرچہ ہے اک رُوحِ ناشکیب و سبقت
 طرعتِ آبِ جَد سے نہیں ہے بیزاری
 خسور و زیرِ کد و پر دم ہے بچ پترِ بڑی
 نہیں ہے فیضِ مکاتب کا چشمہ جاری
 نطنِ فرانِ سرنگی کا ہے یہی نستوی
 وہ سر نہیں مدتیستے ہے ابھی عساری

لا دین ستیا

جو بات حق ہو وہ مجھ سے چھپی نہیں رہتی
 خدا نے مجھ کو دیا ہے دلِ خسیر و بصیر
 مری نگاہ میں ہے یہ سیاستِ لا دین
 کس نیزا پر من و دُوں نہاد و مردہ سیر

ہوتی ہے ترکِ کلیسا سے سالکی آزاد
فرنگیوں کی سیاست ہے دیوبند زنجیر
متابعِ غیب یہ ہوتی ہے جب نظر اس کی
تو ہیں ہر اول شکرِ کلیسا کے سفیر!

دامِ تہذیب

اقبال کو شک اس کی شرافت میں نہیں ہے
ہر ملتِ مظلوم کا یورپ ہے حسدِ ریا
یہ سپرِ کلیسا کی کرامت ہے کہ اس نے
بجلی کے چرانگوں سے منور کیے افکار
جلتا ہے ملکِ شام و فلسطین چمرا دل
تدبیر سے کھلتا نہیں عیضِ قد و شوا
ترکانِ جفا پیشہ کے پنجے سے نکل کر
بیچارے ہیں تہذیب کے پھندے میں گرفتار!

نصیحت

اک لڑکھنڈی نے کہا اپنے پیارے
منظر وہ طلب کر کہ تری آنکھ نہ ہو سیر
بیچارے کے حق میں ہے یہی سب بڑا مسلم
بڑے پہ الر فاشس کریں قاعدہ شیر
سینے میں رہے راز ملو کا نہ تو بہت
کرتے نہیں محکم کو تنگوں کے کبھی یہ
تعلیم کے تیزاب میں ڈال اس کی خودی جو
ہو جائے ملائم تو جدھر چاہے اچھے پیر
تاثیر میں اکسیر سے بڑھ کر ہے یہ سیر
سونے کا ہمالہ ہو تو مٹی کا ہے اک چھیرا



۶۶۶
ضرب کلیم
۱۶۶

ایک نغمہ قزاق اور سکند

سکند

جہل تیرا تیری زنجیر یا شمشیر ہے میری
کہ تیری رہزنی سے تنگ ہے دریا کی پہنائی!

قزاق

سکندر! حیف، تو اس کو جو اں مڑی سمجھتا ہے
گو ارا اس طرح کرتے ہیں چشموں کی رسوائی؟
تراپیشے سفاکی، مراپیشے سفاکی
کہ ہم تیز قزاق ہیں و نوں تو سیدانی، میں دریائی!



جمعیتِ اقوم

بچپاری کتنی روز سے دم توڑ رہی ہے
 ڈر ہے خیر بد نہ مرے مُنہ سے نکل جائے
 تفت دیر تو مُبسم نظر آتی ہے لیکن
 پیرانِ کلیسا کی دُعا یہ ہے کہ ٹل جائے
 ممکن ہے کہ یہ دُاشتِ تیر پیرِ افرنک
 اہلیس کے تعویذ سے کچھ روز سنبھل جائے!

شامِ فلسطین

رندانِ نسیمِ کایِ نہ سلامت
 پُرسے مے رنگِ ناز سے ہر شیشہِ حلب کا
 ہے خالِ فلسطین یہ یہودی کا الحق
 ہسپانیہ پر حق نہیں کیوں اہلِ عرب کا

۶۶۸

ضربِ کلیم

۱۶۸

مقصد ہے ملوکیت انگلیس کا کچھ اور
قصہ نہیں نارج کا یا شہد و رطب کا

سیاسی پیشوا

اُمید کیا ہے سیاست کے پیشواؤں سے
یہ خال باز ہیں رکھتے ہیں خاک سے پیوند
ہمیشہ مور و مگس پر نگاہ ہے ان کی
جہاں میں ہے صفتِ عنکبوت ان کی کند
خوشا وہ قافلہ جس کے امیر کی ہے ستاع
تخیلِ ملکوئی و جذبہ ہائے بلند

نفسیاتِ غلامی

سخت باریک ہیں امراضِ اُمم کے اسباب
کھول کر کہیے تو کرتا ہے بیباں کو تاہی

دین شیری میں غلاموں کے امام اور شیوخ
 دیکھتے ہیں منقطع الٰہ فلسفہ روباہی
 ہوا اگر قوتِ منعمون کی درپردہ مُرید
 قوم کے حق میں ہے لعنت وہ کلیم اللہ!

غلاموں کی نماز

(ترکی وفدِ ہلالِ احمد لاہور میں)

کہا مجھ سا بدترکی نے مجھ سے بعدِ نماز
 طویل سجدہ ہیں کیوں اس قدر تمھارے امام
 وہ سادہ مردِ ساجد، وہ مومنِ آزاد
 خبر نہ تھی اُسے کیا چسپِ نر ہے نمازِ غلام
 ہزار کام ہیں مردانِ حُر کو دُنیا میں
 انھی کے ذوقِ عمل سے ہیں اُمتوں کے نظام

بدنِ عِسلام کا سوزِ عمل سے ہے محروم
 کہ ہے مُرورِ غلاموں کے روز و شب یہ حرام
 طویلِ سجدہ اگر ہیں تو کبیا تعجب ہے
 ورائے سجدہ غریبوں کو اور کیا ہے کام
 خدا نصیب کرے پسند کے اماموں کو
 وہ سجدہ جس میں ہے ملت کی زندگی کا پیام!

فلسطینی عرب سے

زمانہ اب بھی نہیں جس کے سوز سے فارغ
 میں جانتا ہوں وہ آتش ترے وجود میں ہے
 تری جوانہ جنیوا میں ہے نہ لندن میں
 فرنگ کی رگِ جاں پنجبہ یہودی میں ہے
 سُنا ہے میں نے غلامی سے اُمتوں کی نجات
 خودی کی پرورش ولذت نمود میں ہے!

مشرق و مغرب

یہاں مرض کا سبب ہے غلامی و تفتلید
وہاں مرض کا سبب ہے نظامِ بے سہوری
نہ مشرق اس کے بری ہے نہ مغرب اس کے بری
جہاں میں عالم ہے قلب و نطفہ کی رنجوری

نفسیاتِ حامی

(اصلاحات)

یہ ہے بے ندری صیاد کا پرہ
اتنی نہ مرے کام مری تازہ صفیری
رکھنے لگا مڑ جھباتے پتے پھول قفس میں
شاید کہ اسیروں کو لو ارا ہو اسیری!



محراب گل افغان کے انسان

۶۶۳
ضربہ کلیم

۱۶۳

محراب گل افغان کے افکار



میر کے کہتاں! تجھے چھوٹے جاؤں کہاں
تیری چٹانوں میں ہے میرے آب وجد کی خال
روزِ ازل سے ہے تو منزلِ شاہینِ مرغ
لالہ گل سے تھی نہ سببِ بل سے پاک
تیرے حسنِ پیچ میں میری ہشت بیں
خالِ تیری عنبریں آبِ ترا تا ب نال



۶۷۲

ضربِ کلیم

۱۷۲

باز نہ ہو گا کبھی بندہ کبک وسم
 حفظِ بدن کے لیے رُوح کو کروں ہلاک !
 اے مرے فقرِ غیور ! فیصلہ تیرا ہے کیا
 خلعتِ انگریز یا سپرین چاک چاک !



حقیقتِ ازلی ہے رقابتِ اقوام
 نگاہِ پیرِ فلک میں نہ میں غریزہ نہ تو
 خودی میں ڈوب زمانے سے نا اُمید نہ ہو
 کہ اس کا زخم ہے در پر وہ آہستہ مُم فو
 رہے گا تو ہی جہاں میں یگانہ ویستا
 اتر لیا جو ترے دل میں لا شریک لہ





تری دُعا سے قضا تو بدل نہیں سکتی
 مگر ہے اس سے یہ ممکن کہ تُو بدل جائے
 تری خودی میں اگر اعتلاب ہو پیدا
 عجب نہیں ہے کہ یہ چار سُو بدل جائے
 وہی شراب، وہی ہائے و ہُو رہے باقی
 طریقِ ساقی و رسمِ کدو بدل جائے
 تری دُعا ہے کہ ہو تیسری آرزو پوری
 مری دُعا ہے تری آرزو بدل جائے!



کیا چرخِ کج رو، کیا مہر، کیا ماہ
 سب راہرو ہیں واما ندۃ راہ

۶۷۶
 ضربِ کلیم
 ۱۶۶

کڑکا سکندر بجلی کی مانند
 تجھ کو خبر ہے اسے مرگِ ناکاہ
 نادر نے لوٹی دلی کی دولت
 اک ضربِ شمشیر، افسانہ کوتاہ
 افسانہ باقی، کُہسار باقی
 اٹھ کھڑے! اٹھ کھڑے!
 حاجت سے مجبور مردانِ آزاد
 کرتی ہے حاجت شیروں کو روباہ
 محرمِ خودی سے جس دم پُورا فقر
 تو بھی شہنشاہ، میں بھی شہنشاہ
 قوموں کی تقدیر وہ مردِ درویش
 جس نے نہ ڈھونڈی سلطان کی درگاہ





یہ مدرسہ یہ کھیل یہ غوغائے روارو
 اس عیش و فراوان میں ہے ہر لحظہ غم نو
 وہ علم نہیں زہر ہے اسرار کے حق میں
 جس علم کا حاصل ہے جہاں میں دو کعبہ جو
 ناداں! ادب و فلسفہ کچھ چیز نہیں ہے
 اسباب ہنر کے لیے لازم ہے تاکہ دو
 فطرت کے نواہی سن چن غالب سے ہنرمند
 شام اس کی ہے مانند سحر صاحب برتو
 وہ صاحب فن چاہے تو فن کی برکت سے
 ٹپکے بدن مہر سے شبنم کی طس خضو!



۶۷۸

ضرب کلیم

۱۷۸



جو عالم ایجاد میں ہے صاحبِ ایجاد
ہر دور میں کرتا ہے طوافِ اس کا زمانہ

تفتلید سے ناکارہ نہ کر اپنی خودی کو
کر اس کی حفاظت کہ یہ کوہِ ہے یگانہ

اُس قوم کو تجلید کا سینہ مبارک!
ہے جس کے تصور میں فقط بزمِ شبانہ

لیکن مجھے ڈر ہے کہ یہ آوازِ تجلید
مشرق میں ہے تفتلیدِ فرنگی کا بہانہ





رومی بد لے، شامی بد لے، بدلا ہندستان
تو بھی اے فرزندِ کہستاں! اپنی خودی پہچان

اپنی خودی پہچان
او غافلِ فہستان!

موسم اچھا، پانی وافر، مٹی بھی زرخیز
جس نے اپنا کھیت نہ سینچا، وہ کیسا دہقان

اپنی خودی پہچان
او غافلِ فہستان!

اونچی جس کی لہر نہیں ہے، وہ کیسا دریائے
جس کی ہوائیں تند نہیں ہیں، وہ کیسا طوفان

اپنی خودی پہچان
او غافلِ فہستان!

۶۸۰

ضربِ کلیم

۱۸۰

ٹھونڈ کے اپنی خاک میں جس نے پایا اپنا آپ
اُس بندے کی وسعتانی پر سلطانِ قربان

اپنی خودی پہچان

او غافلِ فہستان!

تیری بے علمی نے رکھ لی بے علموں کی لاج
عالمِ فاضل بیچ رہے ہیں اپنا دین ایمان

اپنی خودی پہچان

او غافلِ فہستان!



زراغ کہتا ہے نہایت بد نما ہیں تیرے پر
شپرک کہتی ہے تجھ کو کورِ چشمِ بے ہنر
لیکن اے شہبازِ ابدِ مرغِ انِ صحرا کے اچھوت
ہیں فضائے نیلوں کے پیچ و خم سے خبر

ان کو کیا معلوم اُس سارے کے احوال و مقام
روح ہے جس کی دم پرواز ستار پلٹتا ہے!



عشق طینت میں فرومایہ نہیں مثل چوس
پر شہباز سے ممکن نہیں پرواز محسوس
یوں بھی دست و پستان کو بدل سکتے ہیں
کہ شیمن چھوٹا دل پہ کراں مثل قفس
سفرِ آمادہ نہیں منتظرِ بانگِ ریل
ہے کہاں قافلہ موج کو پروا ہے جبرِ س
گرچہ مکتب کا جواں زندہ نطرت آتا ہے
مردہ ہے مانا کے لایا ہے فرنگی سے نفس
پرویشِ دل کی اگر نطرت ہے تجھ کو
مرد مومن کی نگاہِ نطرت انداز ہے بس!

۶۸۲

ضربِ کلیم

۱۸۲



وہی جواں ہے قبیلے کی آنکھ کا تارا
 شبابِ سب کا ہے بے داغِ ضربِ بے کاری
 اگر ہو جنگ تو شیرانِ غائب کے بڑھ کر
 اگر چھو سلع تو رعنِ نزالِ تازی
 عجب نہیں ہے اگر اس کا سوز ہے ہمہ سوز
 کنیستاں کے لیے بسچ ایک چنگاری
 خدا نے اس کو دیا ہے شکوہِ سلطان
 کہ اس کے فقر میں ہے حیدری و کزازی
 نگاہِ کم سے نہ دیکھ اس کی بے گلاہی کو
 یہ بے گلاہ ہے سرمایہ کلمہ داری





جس کے رتوں سے منور تر رہی یہ سب دوش
 پھر بھی ہو سکتا ہے دوش چہ پرانغ خاموش
 مرد بے حسد کرتا ہے زمانے کا کلمہ
 بندہ حسد کے لیے شتر تقدیر ہے دوش
 نہیں ہنگامہ پر یہ کما کے لائق وہ جواں
 جو ہوا مالہ معرفت ان سب کے مدہوش
 مجھ کو ڈر ہے کہ طعن لازہ طبیعت تیری
 اور عیت را ہیں یوں پے شکر پارہ فروش!



لا دینی و لا سینی، س پیچ میں ابھاتو
 وارو ہے ضعیفوں کا لا غالب الّاھو!

ضرب کلیم
 ۱۸۲

صہیاد معانی کو یورپ کے نو مہری
 دلکش ہے فضا ہین بے نام تمام اہو
 بے اشکاب سحر کا ہی تقویم خودی شکل
 یہ لالہ پیکانی خوشتر ہے کمنار جو
 صہیاد ہے کافر کا، پنچ پر ہے مومن کا
 یہ دیر کہن یعنی تخت نامہ رنگ و بو
 اے شیخ، امیروں کو جس سے نکلا وادے
 ہے ان کی سازوں سے محراب شش ابرو



مجھ کو تو یہ ذہن نظر آتی ہے دگرگوں
 معلوم نہیں دیکھتی ہے تیری نظر کیا
 ہر سینے میں اک صبح قیامت کے نمودار
 انکار جوانوں کے ہوئے زیر و زبر کیا

کر سکتی ہے بے سحر و جینے کی تلافی
 ایسے سحر و سحر میں سیری مناجات سحر کیا
 ممکن نہیں تخلیق خودی حنا نقہوں سے
 اس شعلہ نم خوردہ سے ٹوٹے کاش سحر کیا



بے جراتِ ندانہ ہر عشق ہے بے واپسی
 بازو ہے قوی جس کا، وہ عشق بیدار ہی
 جو سختی منزل کو سامانِ سحر سمجھے
 اے وائے تن اسانی اپنا پیدا ہے وہ راہی
 وحشت نہ سمجھ اس کو اے مروتِ میدانی
 کھسار کی خلوت ہے تعلیم خود کا ہی
 وُسیا ہے روایاتی عقیقی ہے مناجاتی
 دروازہ عالم را، این است شہنشاہی

۲۸۶

ضربِ کلیم

۱۸۶



آدم کا خمیسا اس کی حقیقت پہ ہے شاید
 مشکل نہیں اے سالک! اب علم تیری
 فولا دہاں رہتا ہے شمشیر کے لائق
 پیدا ہوا اس کی طبیعت میں حریری
 خود دار نہ ہو فترو پہ قہر الہی
 ہو صاحبِ غیرت تو ہے تہمتِ امیری
 افزائشِ زخوہ بے خبرت کرو ورنہ
 اے بندہ مومن! تو بشیریٰ تو ندیریٰ!



قوموں کے لیے ہوتے ہیں مرکز سے جدائی
 ہو صاحبِ مرکز تو خودی کیا ہے خدائی!

جو فست نہوا تلخی دوراں کا کلمہ مست
 اُس فست میں باقی ہے ابھی بُوئے کدائی
 اس فور میں بھی مردِ حُشا کو ہے پیتر
 جو مجبِ نہ پرست کو بنا سکتا ہے رانی
 درِ سر کہ بے سوز تو دوستِ قنہاں یافت
 اے بندہ مومن تو حبائی تو حبائی
 خورشیدِ سارِ پرچہ شرق سے نکل کر
 پہنا مرے کُہسار کو ملبوسِ حسائی



آگ اس کی ٹھونک دیتی ہے برناوِ پیر کو
 لاکھوں میں ایک بھی ہو الرضا حبیبِ یقین
 ہوتا ہے کوہِ وِشت میں پیدائش بھی
 وہ مرد جس کا فستِ خُزف کو لے نہ جیں

۶۸۸
 ضربِ کلیم
 ۱۸۸

تو اپنی سرنوشت اب اپنے قلم سے لکھ
 خالی رکھی ہے حسانہ حق نے تری بسیر
 یہ سیکلوں فضیلت جسے کہتے ہیں آسماں
 ہمت ہو پرکشا تو حقیقت میں کچھ نہیں
 بالائے سر رہا تو ہے نام اس کا آسماں
 زیر پر ایک تو یہی آسماں، زمین!



نیکیت نہ خوب کہا شیر شاہ سُوری نے
 کہ استیازِ قبائل تمام تر خواری
 عزیز ہے انہیں نام وزیری و محسود
 ابھی یہ خلعتِ افغانیت سے ہیں عاری
 ہزار پارہ ہے کُساہ کی سلمانی
 کہ ہر قبیلہ ہے اپنے بتوں کا زتاری

وہی سرم پئے وہی عہت بارِ لات و منا
حُثْدا نصیب کرے تجھ کو ضربِ کادی!



نگاہ وہ نہیں جو سرخ و زرد پہ چلنے
نگاہ وہ ہے کہ محنتِ برجِ مُٹرا نہیں
فرنگ سے بہت آگے ہے منزلِ مومن
قدم اٹھا! یہ تمام انتہائے راہ نہیں
کھلے ہیں سب کے لیے غریبوں کے میخانے
علومِ تازہ کی کستریاں لٹا نہیں
اسی سرور میں پوشیدہ موت بھی ہے ترمی
ترے بدن میں الرسوزِ لا الہ نہیں
سُنیں گے میری صدا خانزاؤ کاں کبیر؟
گلیم پوش ہوں میں صاحبِ کُلاہ نہیں!

۶۹۰
ضربِ کلیم

۱۹۰



فطرت کے مقاصد کی کرتا ہے نگہبانی
 یاسندہ صحرائی یا مرو و گہستانی
 و نیل میں محاسن ہے تہذیب فہوں کر کا
 ہے اس کی فستیری میں سلاطین سلطانانی
 یہ حسن لطافت کیوں وہ قوت و شوکت کیوں
 بلبل چمنستانی شہباز زیبا بانی
 اے شیخ ابہت اچھی محنت کی فضا، لیکن
 بنتی ہے سیاہاں میں ناروقی و سلمانی
 صدیوں میں کہیں پیدا ہوتا ہے حریف اس کا
 تلوار تہ تیغی میں صہبائے مسلمانی



ارمغانِ حجاز

اُردو

اقبال

۶۹۳
ارمغانِ حجاز

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست

۱	ابلیس کی مجلس شوریٰ	۷۰/۹
۲	بڈھے بلوچ کی نصیحت بیٹے کو	۷۱۳/۲۱
۳	تصویر و مصوّر	۷۱۵/۲۳
۴	عالم برزخ	۷۱۷/۲۵
۵	مسنزل شہنشاہ	۷۲۱/۲۹
۶	دوزخی کی سنا جاست	۷۲۲/۳۰
۷	مسعود مرحوم	۷۲۳/۳۱
۸	آوازِ غیب	۷۲۶/۳۴

رُبا عیادت

- ۱ مری شاخ اہل کا ہے شرکیا ۷۲۹/۳۷
- ۲ فراغت دے اسے کارِ جہاں کے ۷۳۰/۳۸
- ۳ ولرگوں عالمِ شام و سحر ۷۳۰/۳۸
- ۴ عنبر سی میں ہوں محسوسِ سری ۷۳۱/۳۹
- ۵ حسرت کی تنگ دامانی سے نہریا ۷۳۱/۳۹
- ۶ کہا اقبال نے شیخِ حرم سے ۷۳۲/۴۰
- ۷ کہن ہنسکار ہاتے آرزو سحر ۷۳۲/۴۰
- ۸ حدیثِ بندہ مومن دل آویز ۷۳۳/۴۱
- ۹ تمیزِ خار و گل سے آشکارا ۷۳۳/۴۱
- ۱۰ نہ کر ذکرِ منہراق و آشنائی ۷۳۴/۴۲
- ۱۱ ترے دریا میں طوفاں کیوں نہیں ہے ۷۳۴/۴۲
- ۱۲ حسرت دیکھے اگر دل کی نگہ سے ۷۳۵/۴۳
- ۱۳ کبھی دریا سے مشعلِ موج ابھر کر ۷۳۵/۴۳

ملا زادہ ضمیمہ لولابی کشمیری کا بیاض

- ۱ پانی ترے چشموں کا ترپتا ہوا سیما ب $\frac{۷۳۷}{۲۵}$
- ۲ موت ہے اک سخت تر جس کا غلامی ہے نام $\frac{۷۳۸}{۲۶}$
- ۳ آج وہ شیر ہے محکوم و مجبور و مستیر $\frac{۷۳۹}{۲۷}$
- ۴ کرم جو جاتا ہے جب محکوم قوموں کا لہو $\frac{۷۳۹}{۲۷}$
- ۵ دُراج کی پرواز میں ہے شوکت شاہیں $\frac{۷۴۰}{۲۸}$
- ۶ رندوں کو بھی معلوم ہیں صوفی کے کمالات $\frac{۷۴۱}{۲۹}$
- ۷ نکل کر حنہ نقا چوں سے ادا کر رسم شبیری $\frac{۷۴۱}{۲۹}$
- ۸ سمجھا لہو کی بوند اگر تواسے تو خیر $\frac{۷۴۲}{۵۰}$
- ۹ کھنڈا جب پسین میں کتب خانہ کل $\frac{۷۴۳}{۵۱}$
- ۱۰ ازاد کی رک سخت ہے مانند رک سندر $\frac{۷۴۴}{۵۲}$
- ۱۱ تمام عارف و عامی خودی سے بیگانہ $\frac{۷۴۵}{۵۳}$
- ۱۲ دگرگوں جہاں ان کے زورِ عمل سے $\frac{۷۴۶}{۵۴}$

۴۴/۵۵	۱۳	نشاں یہی ہے زمانے میں زندہ قوموں کا
۴۴۸/۵۶	۱۴	چہ کا منہ نہ قمارِ حیاتِ می بازی
۴۴۹/۵۷	۱۵	ضمیمہ سیرِ سب کے تاجرانہ ضمیرِ مشرق ہے رہبانہ
۴۵۰/۵۸	۱۶	حاجت نہیں اے خطہ کل شرح و بیاساں لی
۴۵۱/۵۹	۱۷	خود آگاہی نے سکھلا دی ہے جس کو تن فراموشی
۴۵۱/۵۹	۱۸	آں عزمِ بلند آور آں سوزِ جگر اور
۴۵۲/۶۰	۱۹	غریب شہریوں میں سن تو لے مری فریاد



۴۵۳/۶۱	۱	سراکبرِ حیدری
۴۵۳/۶۲	۲	صدرِ اعظم حیدر آباد و کن کے نام
۴۵۳/۶۲	۳	حُ سین احمد
۴۵۳/۶۲	۴	حضرت انساں



۴۹۸
ایضاً حجاز
۶

اُردو نظمیں

۶۹۹
ایمان مجاز

ابلیس در مجلس خود

ابلیس

۱ یہ غاصر کا پرانا کھیل ! یہ دنیا ہے دروں !
ساکنانِ عرشِ اعظم نہ تمناؤں ۵ خوں !

۲ ~~سنبھلے~~ اس کے شربانی پنج امان ہے وہ لاکھانہ
جنے اس کا نام رکھا تھا جہانِ کاف و نون

۵ کونا کرے گا ہے اسے آتش خودی کو کر

حکے بٹھا مولیٰ میرا ابلیس ۵ نند دروں
۳ چمچے دھولیا رنگی کو ملکوت ۵ غریب

نے پہنچے توڑا صومچہ و دیرویکس ۵ فوں !

۴ پہنچے ناداروں کھلے ہاتھ تندر کا

نے پہنچے غم کو دیا کریمہ دل کا ۵ جوں !

۶ شاخ چکا ہے ~~چکا~~ چکی خیر یوں پار کا آسان سے بلند

کونا کرے گا ہے اسے کلک کن کو سزگوں !

ابیس کی محلِ شوریٰ

۱۹۳۶ء

ابیس

یمنِ ناصر کا پُرانا کھیل، یہ دنیائے فُوں
ساکنانِ عشرِ اعظم کی تمستِ اُوں کا خون!
اس کی بربادی پہ رنجِ امانہ ہے وہ کارساز
جس نے اس کا نام رکھا تھا جہانِ کافِ فُوں
میں نے دیکھ دیا فرنی کو ملوکیست کا خواب
میں نے توڑا مسجدِ دیر و کلیسا کا فسوں

میں نے ناداروں کو سکھایا سبقِ تفتدیر کا
 میں نے مُنعم کو دیسا ماریہِ کارِ جانوں
 کون کر سکتا ہے اس کی آتشِ سوزاں کو سرد
 جس کے ہنگاموں میں ہو ابلتے کاسِ سوزِ دروں
 جس کی شاخیں ہوں ہماری آبِ یاری سے بلند
 کون کر سکتا ہے اُس نخلِ لہن کو سبزِ گوں!

پہلا شیر

اس میں کیا شک ہے کہ محکم ہے یہ ابلیسی نظام
 پُنجت تر اس سے ہوئے خوتے غلامی میں عوام
 ہے ازل سے ان عنبریوں کے مقدر میں سجود
 ان کی فطرت کا تقاضا ہے سازِ بے قیام
 ارز و اول تو پسیدہ ہو نہیں سکتی کہیں
 ہو کہیں پسیدہ تو مرجاتی ہے یارِ ہستی ہے خام

یہ ہماری سعی پیسہ کی کراست ہے کہ آج
 صوفی و ملاطفت کے بستہ ہیں ہم
 طبع شرق کے لیے مونروں ہی افیون تھی
 ورنہ قوالی سے کچھ کم تر نہیں علم کلام
 ہے طواف و حج کا ہنگامہ الربانی تو کیا
 کندہ ہو کر رہتی مومن کی تیغ بے نیام
 کس کی نو میدی پہ چھتے ہیں سران جدید؟
 ہے جہاد اس دور میں مرد مسلمان پر حرام!

دوسرا شیر

خیر ہے سلطانِ جمہور کا غوغا کہ شر
 ٹوہنوں کے تازہ فتنوں سے نہیں ہے باخبر!

پہلا شیر

بچوں، مگر سیر سیری جہاں پنی بتاتی ہے مجھے
 جو ملکیت کا ال پروہ ہو گیا اس نے خطرہ
 ہم نے خود شاہی کو پہنایا ہے جمہوری لباس
 جب فرادہ ہو گیا ہے خود شناس و خود نگر
 کاروبار سیریری کی حقیقت اور ہے
 یہ وجود میں و سلطان پر نہیں ہے منحصر
 مجلس ملت ہو یا پرویز کا دربار ہو
 ہے وہ سلطان، بغیر کی کھیتی یہ ہو جس کی نظر
 تو نے کیا دیکھا نہیں مغرب کا جمہوری نظم نام
 چہرہ روشن، اندروں چنگیز سے تاریک ترا

تیسرا شیر

روحِ سلطانی رہے باقی تو پھر کیا خطِ سراج
ہے مگر کیا اس یہودی کی شرارت کا جواب؟
وہ حکیم بے تختی، وہ سیح بے صلیب
نہیں پیغمبرِ یسٰیٰ کن ورنہ بدل دار و کتاب
کیا بتاؤں کیا ہے کافر کی نگاہِ پردہ سوز
مشرقِ مغرب کی قوموں کے لیے روزِ حساب
اس سے بڑھ کر اور کیا چوکا طبیعت کا فساد
توڑ دی بندوں نے اقاؤں کے خیموں کی طناب!

چوتھا شیر

توڑ اس کا رومۃ الکبریٰ کے ایوانوں میں دیکھ
اے سیر کو دکھایا ہم نے پھر سیر کا خواب

کون بحرِ روم کی موجوں سے ہے لیٹا ہوا
گاہِ بالہ چوں صحنِ نوبر گاہِ نالہ چوں باب

تیسرا شیر

میں تو اس کی عاقبت بینی کا کچھ قائل نہیں
جس نے زعفرانی سیاست کو کیا یوں بے حجاب

پانچواں شیر

(ابلیس کو مخاطب کر کے)

اے ترے سوزِ نفس سے کارِ عالم استوار
تو نے جب چاہا، کیا ہر پردہ کی کو آشکار
اب کل تیری حرارت کے جہانِ سوز و سار
ابدِ جنت تری تسلیم سے دانائے کار

۷۰۶
افغان مجاز
۱۲

تجھ سے بڑھ کر فطرت آدم کا وہ مجرم نہیں
 ساوہ دل بندوں میں جو مشہور ہے پروردگار
 کام تھا جن کا فقط تقدیس و تسبیح و طواف
 تیری غایت سے ابتدا تک نہ خون و شرمسار
 کرچہ ہیں یہ سر مرید افزائے حسرت نام
 اب مجھے ان کی فراست پر نہیں ہے اعتبار
 وہ یہودی فتنہ کز وہ رُوح مزوک کا برو
 قہر با سوزے کو ہے اس کے جنوں سے تار مار
 زباغ و شتی ہو رہا ہے ہر شاہین و چرخ
 کتنی سرعت سے بدلتا ہے مزاج روزگار
 چھا لئی آشفۃ ہو کر وسعت افلاک پر
 جس کو نادانی سے ہم سمجھے تھے اُمّ شتِ غبار
 فتنہ و فرائی سمیت کا یہ عالم ہے کہ آج
 کانپتے ہیں کو ہزار و مگر ہزار و چوبیس

میرے آقا! وہ جہاں زیر و زبر ہونے کو ہے
جس جہاں کا ہے فقط تیری سیادت پر مدار

ابیس

(اپنے مشیروں سے)

ہے مرے دستِ تصرف میں جہاں بگٹ بو
کیا زمین، کیا مہر، کیا آسمان، تو بٹو
دیکھ لیں کے اپنی آنکھوں کے تماشا، غروبِ شرق
میں نے جب کر ما دیا اقوام پورے کا لو
کیا امانِ سیاست، کیا کلیسا کے شیوخ
سب کو دیوانہ بنا سکتی ہے میری ایک بو
کار کاہِ شیشہ جو ناواں سمجھتا ہے اسے
توڑ کر دیکھے تو اس تہذیب کے جامِ بوا

دستِ فطرت نے کیلے ہیں جن کریبانوں کو چال
 مزد کی منطق کی سوزن نے نہیں سوئے رفو
 کب ڈرا سکتے ہیں مجھ کو اشتراکی کوچہ کرد
 یہ پریشاں روزگارِ اشتفتہ مغزِ اشتفتہ منو
 ہے اگر مجھ کو خطر کوئی تو اُس اُمت سے ہے
 جس کی خاکِ ستر میں ہے اب تک شرارِ آرزو
 خال خال اس قوم میں اب تک نظر آتے ہیں وہ
 کرتے ہیں اشکِ سحر کا ہی سے جو ظالم وضو
 جانتا ہے بس یہ روشن باطنِ ایام ہے
 مزدِ کینتِ فتنہ فردا نہیں اسلام ہے



جانتا ہوں میں یہ اُمتِ حاملِ قرآن نہیں
 ہے وہی ساری دنیا ہی بندہ مومن کا دیں

جانتا ہوں میں کہ مشرق کی اندھیری ات میں
 بے بدھنیہ ہے پیرانِ حرم کی استیں
 عصرِ حاضر کے تقاضاؤں سے لپے لیکن یہ خوف
 ہونہ جاتے اشکارا شرعِ پیغمبر کہیں
 احوذرا! اتین پیغمبر سے سو بار الحذر
 حافظ ناموس رسد ن مرد آزما، مرد ہنسرین
 موت کا پیغام ہر نوع غلامی کے لیے
 نے کوئی غفور و خاقان نے فقیر رہشیں
 کرتا ہے دولت کو ہر اکو دلی سے پال صاف
 منعموں کو مال و دولت کا بناتا ہے امیں
 اس کے بڑھ کر اور کیا فکر و عمل کا انقلاب
 پادشاہوں کی نہیں اللہ کی ہے یہ زمین
 چشمِ عالم سے ہے پوشیدہ یہ آئیں تو خوب
 غنیمت ہے کہ خود مومن ہے محروم ہستیں

ہے یہی ہستہ الہیات میں الجھار ہے
یہ کتاب اللہ کی تاویلات میں الجھار ہے



توڑ ڈالیں جس کی تکسیریں طلسم شش جہات
ہونہ روشن اس خداوندیش کی تاریک رات
ابن مریم مرکب یا زندہ جاوید ہے
ہیں صفات ذات حق حق سے خدا یا عین ذوات
اسنے والے سے سیح ناصر ہی مقصود ہے
یا مجدد جس میں ہوں سرزند مریم کے صفا
ہیں کلام اللہ کے الفاظ حادث یا قدیم
امت مرعوم کی ہے کس عقیدے میں نجات
کیا سلسلہ کے لیے کافی نہیں اس دور میں
یہ الہیات کے ترشے پڑے لات و منا؟

تم اسے بے گمانہ رکھو عالم کو اسے
 تابساط زندگی میں اس کے سب نمبرے ہوں تا
 خیر اسی میں ہے قیامت تاکہ ہے مومن غلام
 چھوڑ کر اوروں کی خاطر یہ جہان بے شتاب
 ہے وہی شعر و تصوف اس کے حق میں غیبت
 جو چھپا دے اس کی آنکھوں سے تماشائے حیات
 ہر نفس تاہوں اس اُمت کی بیداری نہیں
 ہے حقیقت جس کے دین کی احتساب کا ثبات
 مست رکھو ذکر و فکر صبح کا ہی میں اسے
 پنختہ ترکہ دو مزاج خانقاہی میں اسے



بڈھے بلوچ کی نصیحت بیٹے کو

پتھر سے پتھر کی باتوں کی ہوا تجھ کو لو ارا
اس دشت سے بہت سے ہر نہ ولی نہ بخارا
جس سمت میں چاہے صفتِ سیلِ واں پل
وادی یہ ہم ساری ہے وہ صحرایہ بھی ہمارا
غیر تھے بڑھی چہ نہ جہانِ ملک و دو میں
پہناتی ہے درویش کو تاجِ سردارا
حاصل کسی کامل سے یہ پوشیدہ نہ کر
کہتے ہیں کہ شیشے کو بنا سکتے ہیں خارا
اندر اد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر
ہر نہ ہے ملت کے معتمد کا ستارا
محمدم را دوستِ دریا سے وہ غوٹھیں
کرتا نہیں جو محبتِ ساحل سے کنار

دیں ہاتھ سے دے کر اگر آزاد ہو ملے
 ہے ایسی تجارت میں سماں کا خسار
 دنیا کو ہے پھر کر کہ روح و بدن پیش
 تہذیب نے پھر اپنے درندوں کو اُجھارا
 اللہ کو پامردی مومن پہ بے سرو
 ایس کو یورپ کی شینوں کا سہارا
 تفتیر اُٹھ گیا ہے کوئی کہ نہیں سکتا
 مومن کی فراست ہو تو کافی ہے اشار
 اندر عمل مانگ نیساں کان کُن سے
 شاہاں چہ عجب کر بنوازند کدرا!



تصویر و مصوّر

تصویر

کس تصویر نے تصویر کر سے
نمائش ہے مری تیرے ہر
بیکر کس دست درنا منصفی ہے
کہ تو پوشیدہ ہو یہ سری نطسے!

مصوّر

گراں ہے چشم سینا دیدہ ور پر
جہاں بینی سے کیا لڑی شر پر
نظر درو غم و سوز و تب و تاب
تو اسے ناواں، قناعت کر خبر پر

تصویر

خبرِ عہدِ تسل و تنہا کی ناتوانی
نظرِ سر، دل کی حیاستِ جاودانی
نہیں ہے اس زمانے کی تاز و تاز
سزاوارِ حدیثِ لعلِ ترانی

مُصوّر

تو ہے میرے کمالِ استِ ہنر سے
نہ چو نہ ہوید اپنے نقشِ کر سے
مرے ویدار کی ہے اک یہی شرط
کہ تُو نہ ہاں نہ ہو اپنی نظر سے



عالم برنج

مُردہ اپنی قبر سے

کیا شے ہے کس امر و زکا فروا ہے قیامت
اے میرے شبستانِ لہن! کیا ہے قیامت؟

قبر

اے مُردہ صمد! تجھے کیا نہیں سلوم؟
ہر موت کا پوشیدہ تقاضا ہے قیامت!

مُردہ

جس موت کا پوشیدہ تقاضا ہے قیامت
اُس موت کے پھنکے میں گرفتار نہیں ہیں

چہرہ چنڈ کہ نہوں مُردہ صمد لہ ولیکن
 ظلمت کدہ خاک سے بیزار نہیں میں
 ہو زوچ پھر اک بار سوار بدن زار
 ایسی ہے قیامت تو خریدار نہیں میں

صدائے غیب

نے نصیب مارو کڑو دم نے نصیب دام و دو
 ہے فقط محکم قوموں کے لیے مرگ ابد
 بانس اسرائیل ان کو زندہ کر سکتی نہیں
 روح سے تھا زندگی میں بھی تھی جن کا جسد
 مر کے جی اٹھنا فقط آزاد مردوں کا ہے کام
 گرچہ ہر ذی روح کی منزل ہے آغوشِ لحد

قبر

(اپنے مرنے سے)

اے ہنسالم! تو جہاں میں بندہ محکوم تھا
میں نہ سمجھی تھی کہ ہے کیوں خال میری سوزناک
تیری میت سے مری تاریکیاں تاریک تر
تیری میت سے زمیں کا پردہ ناموس حال
الحذر! محکوم کی میت سے سو بار الحذر
اے سراپیل! اے خدائے کائنات! اے جانِ مال!

صدائے غیب

گرچہ ہر سیم قیامت سے نظامِ ہست و بود
ہیں اسی اسلوب کے بے پردہ اسرارِ جو
زلزلے سے کوہ و دریاؤں تے ہیں مانند حساب
زلزلے سے سداویوں میں تازہ چشموں کی نمود

ہر تہی سیر کو لازم ہے تخریب تمام
ہے اسی میں شکست زندگانی کی کشود

زمین

آہ یہ مرکب دوام آہ یہ رزم حیات
ختم بھی ہوگی کبھی شکست کائنات!
عقل کو ملتی نہیں اپنے بتوں سے نجات
عارف عامی تمام بندۂ لات مہنات
خوار ہوا کس قدر آدم یزدان صفت
قلب و نظر پر کہاں ایسے جہاں کائنات
کیوں نہیں ہوتی سحر حضرت انساں کی رات؟



معزول شہنشاہ

ہو مبارک اس شہنشاہِ بکوفہ بام کو
جس کی قربانی سے اس لرزہ کثیت میں فاش
شاہ ہے برطانوی مندر میں اک مٹی کا بُت
جس کو کر سکتے ہیں جب چاہیں سُجاری مَاش
ہے یہ مُشاک امیز افیوں ہم غلاموں کے لیے
ساحرِ انگلیس! مارا خواجہ دہلیتر اش



دوزخی کی مناجات

اس دیر کھن میں ہیں غرض مند چرباری
رنجیدہ بتوں سے ہوں تو کرتے ہیں خدا یاد
پوچھا بھی ہے بے سود نمازیں بھی ہیں بے سود
قسمت ہے عنسیر ہوں کی وہی نالہ و سنریا
ہیں کرجہ طبعندی میں عمارات فلک بوس
شہر حقیقت میں ہے ویرانہ آباد
تیشے کی کوئی کردش تفتدیر تو دیکھے
سیراب ہے پرویز چلر شہنہ ہے فرہاد
یہ علم، یہ حکمت، یہ سیاست، یہ تجارت
جو کچھ ہے وہ ہے فنکار ملکات کی احباب
اللہ! ترا شکر کہ یہ خطہ زہر پر سور
سوداگر یورپ کی غلامی سے ہے آزاد

مسعود مرعوم

یہ سرورِ مہر، یہ ستارے یہ آسمانِ کبود
کسے خبر کہ یہ عالمِ عدم ہے یا کہ وجود
خیالِ حبِ اوہ و نزلِ فسانہ و افسوں
کہ زندگی ہے سرِ اپارِ حیلِ بے مقصود
رہی نہ آہ، زمانے کے ہاتھ سے باقی
وہ یادِ کارِ کمالاتِ احمد و محمود
زوالِ علم و ہنسِ سرِ مرگِ ناکہاں اُس کی
وہ کارِ رواں کا مستِ باغِ لراں بہا مسعود
مجھے زلاتی ہے اہلِ جہاں کی بید روی
فغانِ مرغِ سحرِ خواں کو جانتے ہیں سرور
نہ کہہ کہ صبرِ میں پنہاں ہے چارہٴ غم و دست
نہ کہہ کہ صبرِ معنائے موت کی ہے کشود

”وَلَمْ يَكُنْ لَكَ عَاشِقٌ وَصَابِرٌ بَدَلٌ لَكَ سَنَدٌ اسْت
زَعَشَقَ تَابَ صَبُورِي مِزَارُ فَرْسَنَدٌ اسْت“
(سعدیؒ)

نہ مجھ سے پوچھ کہ عسر لہریز کیا ہے
کسے خبر کہ یہ نیزناک و سیما کیا ہے
ہوا جو خال سے پیدا، وہ خال میں ستور
مگر غیبِ صغریٰ ہے یا فنا، کیا ہے
غبارِ راہ کو بخشا کیا ہے فوقِ جمال
خبر دیتا نہیں سکتی کہ مدعا کیا ہے
دلِ نطش بھی اسی آبِ گل کے ہیں اعجاز
نہیں تو حضرتِ انساں کی انتہا کیا ہے
جہاں کی رُوحِ رواں ”لا الہ الا ھو“
سیح و منح و حلیا، یہ ماہِ سرا کیا ہے
قصاصِ خونِ تنہا کا مانگے کس سے
گناہِ کار ہے کون اور خوں بہا کیا ہے

غم میں مشو کہ یہ بند جہاں گرفتاریم
طلسم ہا شکند ان دے لے کہ ماواریم

خودی ہے زندہ تو ہے موت اک مقام حیات
کہ عشق موت سے کرتا ہے امتحان ثبات

خودی ہے زندہ تو دریا ہے بے کرا نہ ترا
ترے فراق میں مضطرب ہے موج نیل و فرا

خودی ہے مردہ تو مانند کاہ پیش نسیم
خودی ہے زندہ تو سلطانِ جملہ موجودات

نگاہ ایک تختی سے ہے اگر محروم
دو صد ہزار تختی تلافیِ مافات

مستام بندہ مومن کا ہے وراۓ سپر
زمین سے تا بہ ثریا تمام لات و منات

حریم ذات ہے اس کا نشینِ ابدی
نہ تیرہ خالِ حسد ہے نہ جلوہ کاہِ صفا

خود آگہاں کہ ازیں خالداں بروں جتند
طلسم سروسپرو ستارہ شکستند

آوازِ غیب

آتی ہے دم صبح صدا عرشین میں سے
کھویا کیا کس طرح ترا جوہر اورال!
کس طرح ہوا کسند ترا نشتر تحقیق
ہوتے نہیں کیوں تجھ سے ستاروں کے جلد چال
نوط سہرو باطن کی خلافت کا سرسزاوار
کیا شعلہ بھی ہوتا ہے غلام حسن خاشاک
مہر و مہ و آبسم نہیں کوم تے کیوں
کیوں تیری نگاہوں سے لرزتے نہیں افلاک

اب تک ہے رواں کرچہ لہو تیری رگوں میں
نے گرمی اس کا نہ اندیشہ ہے بال
روشن تو وہ ہوتی ہے جہاں ہیں نہیں ہوتی
جس آنکھ کے پردوں میں نہیں ہے نگر پاک

باقی نہ رہی تیری وہ آئینہ ضمیری
اے شہسوارِ سلطانِ و ملائی و پیری



[illegible]

۷۴۸
ایمان حجاز
۳۶

رُباعیت



مری شاخ اہل کا ہے شرکیا
ترمی تفت دیر کی مجھ کو خبر کیا
کل کل کی ہے محتاج کشوداج
نسیم صبح منہ پر نطس کر کیا



فراغت دے اُسے کارِ جہاں سے
 کہ چھوٹے نفیس کے امتحاں سے
 ہوا سیری سے شیطان لہندیش
 گنت تازہ تر لائے لہاں سے!



دلگلوں عالمِ شام و سحر کر
 جہانِ خشک و تر زیرِ بر کر
 ہے تیری حسدائی داغ سے پاک
 مے بے ذوق سجدوں سے حذر کر



عنیری میں ہوں محمود اسیری
 کہ غیت منے میری فغیری
 حذر اس قدر رویشی سے جس نے
 مسلمان کو کھادی سنیری!



خرد کی تناسل و امانی سے نیرد
 تجلی کی منراوانی سے نیرد
 گوارا ہے اسے نطفہ غیری
 زندہ کی ناسلمانی سے نیرد!



کہا اقبال نے شیخ حسام سے
 تیرا محراب مسجد سویا کون
 نذا مسجد کی دیواروں سے آئی
 فرنگی بت کدے میں لھویا کون؟



گنہگار گناہ سے آرزو
 کہ ہے مردِ سماں کا لہو
 بتوں کو یہ سری لا دینی مبارک
 کہ ہے آج ایشیا کا لہو



سیت بہت دھو من دل آویز
 جگر پر خون، نفس روشن نگہ تیز
 میسر ہو کے دیدار اس کا
 کہ ہے وہ رونق محسن کلمہ تیز



تمیز منار و گل سے آشکارا
 نسیم نسیم سج کی روشنی ضعیف سی
 حفاظت پھول کی کون نہیں ہے
 اگر کانٹے میں ہو خوتے سریری



نہ کر ذکرِ سراق و آشنائی
 کہ اصلِ زندگی ہے خودمانی
 نہ دریا کا زیاں ہے نہ نہر کا
 دلِ دریا سے کوہِ سحر کی بدائی



ترے پیامیں طوفانِ کیوں نہیں ہے
 خود ہی سیرِ سماں کیوں نہیں ہے
 عبث ہے شکوہِ تیرے یزداں
 تو خود تفتِ دیر یزداں کیوں نہیں ہے؟

۷۳۲
 اصنافِ حجاز
 ۲۲



سر دیکھے اگر دل کی نگہ سے
 جہاں روشن ہے نورِ لا الہ سے
 فقط اک کروشنِ شام و سحر ہے
 اگر دیکھیں سرِ غمِ سرور سے



کبھی دریا سے شل موجِ آبِ کر
 کبھی دریا کے سینے میں اتر کر
 کبھی دریا کے گل سے لڑ کر
 مست ام اپنی خودی کا فاش تر کر

میرا دل
نہیں ہے
جس میں
فقط ایک
سر

[illegible]

۴۳۶
امعان حجاز
۲۲

ملا زادہ ضلع لولاکشتری کا ضلع



پانی ترے چشموں کا ترپتا ہوا سیلاب
مرغانِ ستیری فضاؤں میں ہیں بیتاب

اے وادیِ لولاب!

گر صاحبِ ہنگام نہ ہوں نہ مجرب
وہیں بن قدموں کے لیے موتے یا خواب

اے وادیِ لولاب!

ہیں سازِ یہ موقوفِ نوا ہاں ہے جگر سوز
ڈھیلے ہوں اگر تارِ توبیہ کا ہے مضراب

اے وادیِ لولاب!

ملا کی نط نر نور فراسے سے چہ نالی
بے سوز ہے مہچ نہ نہ صوفی کی مے ناب
اے وادی لولاب!

بیدار ہوں دل جس کی فغانِ سحری سے
اس قوم میں مدت سے وہ درویش کے نایاب
اے وادی لولاب!



موتے اک سخت تر جب کا غلامی ہے نام
مکرو فن خواب کی کاش سمجھت غلام
شرع ملو کا نہ میں جدت احکام دیکھ
صُور کا غوغا سلالِ حشر کی لذت حرام
اے کہ غلامی سے ہے روح تری مُصل
سینہ بے سوز میں ڈھونڈ خودی کا مقام



آج وہ کشمیر کے محکوم و مجبور و فقیر
 کل جسے اہل نظر کہتے تھے ایرانِ صغیر
 سینہ اس لاک سے اٹھتی ہے آہِ سونال
 مروح ہو تا ہے جب مرعوب سلطانِ امیر
 کہہ رہا ہے داستانِ بید رویِ ایامِ لی
 کوہ کے دامن میں غمِ نسیم نہ دھچکانِ پیر
 آہ! یہ قوم نجیب و چرب دست و تر و مانغ
 ہے کہاں روزِ مسکافات اے خدائے دیرگیر؟



گرم ہو جاتا ہے جب محکوم قوموں کا لہو
 تھر تھراتا ہے جہانِ چار سوسے ورنک بو

پاک ہوتا ہے وطن و تھمیں سے انساں کا ضمیر
 کرتا ہے ہر راہ کو روشن چرخِ ارزو
 وہ پُرانے چال جن کو عقل ہی سکتی نہیں
 عشق سیتا ہے انھیں بے سون و تارِ رفو
 ضربِ پیہم سے ہو جاتا ہے آخرِ پاشِ پاش
 حاکمیت کا بے سندیں دل و آئینہ



دُراج کی پرواز میں ہے شکستِ شاہیں
 حیرت میں ہے صیادِ شاہیں ہے کہ دُراج!
 ہر قوم کے انکار میں پیدا ہے طلسم
 مشرق میں ہے فرائے قیامت کی نمودِ اج
 فطرت کے تقاضوں سے ہوا حشرِ محبوب
 وہ مردہ کہ بختِ بانگِ فراسیل کا محتاج



رندوں کو بھی معلوم ہیں صوفی کے کمالات
 مہر چاند کہ مشہور نہیں ان کے کرامات
 خود پسری و خود داری کی طلبانگہ انا حق
 آزاد ہو سالک تو ہیں یہ اس کے مقامات
 محکوم ہو سالک تو یہی اس کا پیراوست
 خود مرده و خود مرستہ و خود مرلہ معاجات!



نکل کر حسن انقاہوں سے ادا کر رسم شہبیری
 کہ فتنہ خائف تا ہی ہے فقط اندوہ و دھیری
 تھے دین اوسب سے آرہی ہے بے پڑبانی
 یہی ہے مرنے والی امتوں کا عالم پسیری

شیاطینِ ملکوت کی آنکھوں میں ہے وہ جادو
 کہ خود بخوبی کے دل میں ہو پیدا ذوقِ پنج پیری
 چہ بے پروا لذت مند از نو اسے بے حکاہن
 کہ بڑواں شور وستی از یہ چشمانِ شمیری!



سمجھالو کی بوند اگر تواسے تو حسیر
 دل آدمی کا ہے منقطع ال جذبہ بند
 گردشِ مرہ و ستارہ کی ہے ناکوار اسے
 دل آپ اپنے شام و سحر کا نقشِ بند
 جس خاک کے ضمیر میں ہے آتشِ چنار
 ممکن نہیں کہ ہو وہ خاکِ ارجمند





کھلا جب چمن میں کتب خانہ گل
نہ کام آیا ملا کو علم کتابی
متانت شکن تھی ہوا سے بہاراں
غزل خواں ہوا سپر اندرابی
کہ لالہ آتشیں پیرہن نے
کہ اسرارِ حباں کی ہوں میں بے حجابی
سمجھتا ہے جو موت خواب کو
نہاں اس کی تعمیر میں ہے خرابی
نہیں زندگی سلسلہ روز و شب کا
نہیں زندگی مستی و نیم خوابی
حیات است در آتش خود تپیدن
خوش اس دم کہ این گشتہ باز یابی

اگر تشریف دل شرار سے ہمیری
تو اں کرد زیر ملک آفتابی



آزاد کی رک سخت ہے مانند رک سنگ
محکوم کی رک نرم ہے مانند رک تاک
محکوم کا دل مردہ و افسردہ و نمید
آزاد کا دل زندہ و پرسوز و طرب ناک
آزاد کی دولت دل روشن، نفس گرم
محکوم کا سرمایہ فقط ویدہ نم ناک
محکوم ہے بیگانه اخلاص و مروت
ہر چند کہ منطق کی دلیلوں میں ہے چالاک
ممکن نہیں محکوم ہو آزاد کا ہمدوش
وہ بندہ افلاک ہے، یہ خواجہ مافلاک

۷۲۲
امغان مجاز
۵۲



تمام عارف و عامی خودی سے بیگانہ
کوئی بتائے یہ مسجد ہے یا کہ مسجدِ نہ
یہ راز ہم سے چھپایا ہے میر و اعظم نے
کہ خود حرم ہے چہ پر اِغ حرم کا پروانہ
طلسم بے خبری، کافنری دین اری
حدیث شیخ و برہمن فسون افسانہ
نصیبِ خطِ ہویا رب وہ بندہ درویش
کہ جس کے فقر میں انداز ہوں کلیمِ شہ
چھپے رہیں گے زمانے کی آنکھ سے کب تک
گھر ہیں اب ولر کے تمام یک دانہ





وگرگوں جہاں اُن کے زورِ عمل سے
بڑے معر کے زندہ قوموں نے مارے
منہ ختم کی تقویمِ سرِ داس ہے باطل
کرے آسماں سے پُرانے ستارے
ضمیرِ جہاں اس قدر آتشیں ہے
کہ دریا کی موجوں سے ٹوٹے ستارے
زمین کو فراغت نہیں زلزلوں سے
نمایاں ہیں فطرت کے باریک اشارے
ہمالہ کے چشمے اُبلتے ہیں کب تک
خضر سوچتا ہے وُلر کے کنارے





نشاں یہی ہے زمانے میں زندہ قوموں کا
کہ صبح و شام بدلتی ہیں ان کی تقدیریں
کمال صدق و مروت ہے زندگی ان کی
معاف کرتی ہے فطرت بھی ان کی تقصیریں
قلندرانہ ادائیں، سکندرانہ جلال
یہ اُمّتیں ہیں جہاں میں برہنہ شیریں
خودی سے مردِ خود آگاہ کا جمال و جلال
کہ یہ کتاب ہے باقی تمام تفسیریں
شکوہِ عید کا منکر نہیں ہوں میں لیکن
قبولِ حق ہیں فقط مردِ حسرت کی تجسیریں
حکیمِ سیری نواؤں کا راز کیا جانے
ورائے عقل ہیں اہلِ حسنوں کی تدبیریں



چه کافرانه قمار حیات می بازی
که بازمانه بسازی بخود نمی سازی
و کبر بدمد رسد بهای جسم نمی بینم
دل حبسید و نگاه غزالی و رانی
بحکم مفتی اعظمم که فطرت ازلیت
بدین صعوه حرام است کار شبازی
همان فقیه ازل گفت خجسته شاهین
باسماں کزوی بازمین نه پروازی
منم که توبه نه کردم ز مناش کوفی ها
ز بیم این که سلطان کنند عثماری
بدست ناز سه قند و نه بخارا ایست
و عجب بجز فقیه راں بزرگ شیرازی



ضمیمہ مغرب سے تاجرانہ، ضمیمہ مشرق سے اسپانہ
وہاں دگرگوں ہے لفظ لفظ، یہاں بدلتا نہیں زمانہ
کنار دریا خضر نے مجھ سے کہا بہ انداز محراب
سکندری ہو، تلسندری ہو یہ سب طریقے ہیں ساحر
حرف اپنا سمجھ رہے ہیں مجھے خدایانِ نقاہی
انھیں یہ ڈر ہے کہ میرے نالوں سے شوق نہ ہو سنا
غلام قوموں کے علم و سفلوں کی ہے یہی مر آشکا
زمین اگر تنگ ہے تو خیائے فصاحتے کرڈوں ہے بے لرا
خبر نہیں کیا ہے نام اس کا، خدا فریبی کہ خود فریبی
عمل سے فارغ ہو اس سماں بنا کے تقدیر کا بہانہ

مری اسیری پہ شاخ گل نے یہ کہے صیاد کو زلایا
کہ ایسے پرسوز نغمہ خواں کا کراں نہ تھا مجھ پر آشیانہ



حاجت نہیں اے خطہ گل شرح ثبیاں کی
تصویر میرا ہے دل پرخوں کی ہے لالہ
تقدیر ہے اک نام مکافاتِ عمل کا
دیتے ہیں یہ پینامِ خدایان ہمسالہ
سرمایہ کی جواؤں میں ہے عریاں بدن اس کا
دیتا ہے ہنر جس کا امیر مژگوں ووشاہ
اُمید نہ رکھ دولت دنیا سے وفا کی
زم اس کی طبیعت میں ہے مانند غزالہ



۷۵۰
ارغوانِ مجاز
۵۸



خود آگاہی نے سکھلا دی ہے جس کو تن فراموشی
 حرام آتی ہے اس مردِ محبوب پر زہ پوشی



اں ستمِ بلند اور اں سوزِ جگر اور
 شمشیرِ پدرِ خواہی بازو سے پدر اور





غریب شہر ہوں میں بسن تو لے مری فریاد
 کہ تیرے سینے میں بھیجیں قیامتیں آباد
 مری نوائے غم کو دے ہمت سحر عزیز
 جہاں میں غم نہیں دولتِ دل ناشاد
 گلہ ہے مجھ کو زمانے کی کور و قی سے
 سمجھتا ہے مری محنت کو محنتِ فریاد
 ”صدائے تیشہ کہ بر سنگ میخورد و لکڑ است
 خبر بکیر کہ آواز تیشہ و جگر است“

۷۵۲

اصنافِ مہمان

۶۰

* صدائے تیشہ الخ یہ شعر مرزا جانجناں منگلستان علیہ الرحمۃ کے

مشہور بیاض حشریہ جواہر میں ہے

سکر جیدی صدر اسم جید آباد کن نام

یوم اقبال کے موقع پر توش خانہ رضو نظام کی طرف سے جو صاحب عظم
کے ماتحت ہے ایک ہزار روپے کا چیک بطور توضع موصول ہونے پر

تھایہ اللہ کا فرمان کہ شکوہ پرویز
دوست لندرو کہ ہیں اس میں ملو کا نہ صفا
مجھ سے فرمان کیا کہ لے اور شہنشاہی کر
حسن تدبیر سے دے آئی وفائی کو ثبت
میں تو اس بار امانت کو اٹھاتا سر دوش
کام درویش میں ہر تلخ ہے مانند بیت
غیرت فقت مگر کرنہ سکی اس کو قبول
جب کہا اس نے یہ میری خدائی کی زکا!



حُ سین احمد

عجم هنوز نداند رموزِ دین، ورنہ
ز دیوبند حسین احمد! این چه بواجبی است
سرود بر سر منبر کہ ملت از وطن است
چہ بے خبر ز مقامِ محمّدِ عربی است
بمستطقی برساں خویش را کہ دین ہمہ است
اگر بہ او نرسیدی تمام بولہبی است

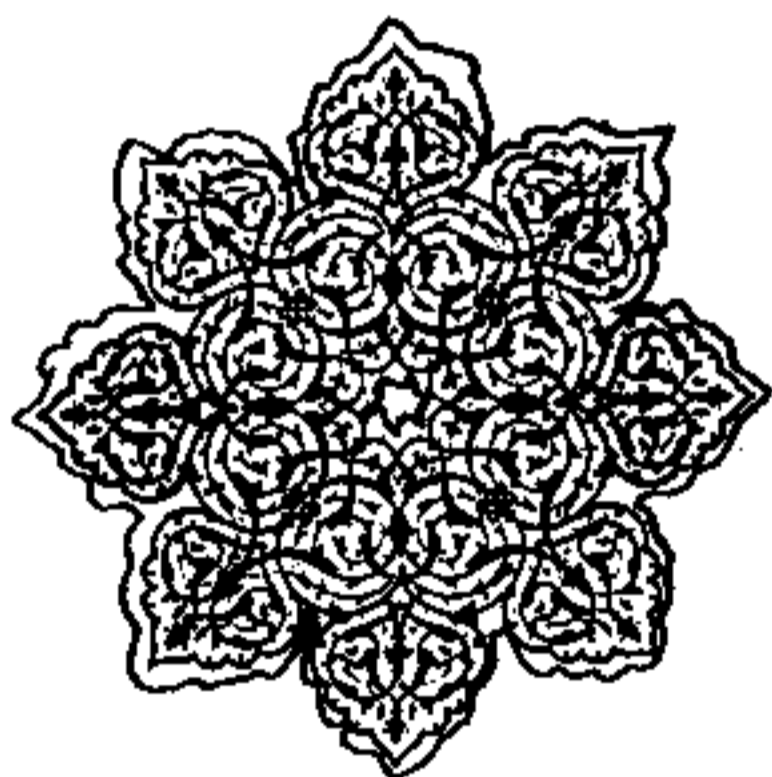
حضرت انس

جہاں میں دشن و بینش کی ہے کس درجہ ارزانی
کوئی شے چھپ نہیں سکتی کہ عالم ہے نورانی
کوئی دیکھے تو ہے باریک فطرت کا حجاب اتنا
نمایاں ہیں فرشتوں کے تہمتہ ہاتے پنہانی

یہ دنیا دعوتِ دیدار ہے منہ زنداوم کو
 کہ ہر ستور کو بخشا کیا ہے ذوقِ عسیری
 یہی منہ زنداوم ہے کہ جس کے اشکِ خمیں سے
 کیا ہے حضرتِ یزداں نے ریاؤں و طوفانی
 فلک کے کیا خبر خیالِ کس کا شیبہ
 غرضِ انجسم سے ہے کس کے شبستان کی تہبانی

اگر مقصودِ گل میں ہوں تو مجھ سے ماورا کیا ہے
 مرے ہنس کا رہا ہے تو بہ تو کی انتہا کیا ہے؟





۷۵۶
ارغوان مجاز
۶۲